صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (بخاری ۱/۸۸)

اسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (حدیث نبوی)

# رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز

اضافہ شدہ

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نواده، مبارکپور

ناشر

مکتبہ صداقت نواده، مبارکپور، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۴۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ (بخاری ج ۱ ص ۸۸)

اُسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (ارشادِ رسولؐ)

صلی اللہ علیہ وسلم

# رسولِ اکرم کا طریقۂ نماز

اضافہ شدہ

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب، جس میں طریقۂ نماز و مسائلِ نماز کو کتبِ فقہ مثلاً شامی، عالمگیری وہدایہ کے بجائے صرف آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے، اور تمام مشہور اختلافی مسائل قرأت خلف الامام، رفعِ یدین، مسئلۂ آمین، دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھانا، ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا، رکعاتِ تراویح اور وتر، نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ، مسجد میں عورتوں کا آنا، عورت اور مرد کی نماز کا فرق، قصر کے لئے مسافتِ شرعی وغیرہ پر خاص طور سے مکمّل ومفصّل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ فقہِ حنفی کا ہر مسئلہ قرآن وحدیث کے بیش قیمت دلائل سے مزیّن اور ہر مسلک کے مقابلے میں منہجِ نبویؐ اور مزاجِ صحابہؓ سے قریب تر ہے۔


مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ، مبارک پور



ناشر: مکتبۂ صداقت، نوادہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم


نام کتاب ــــــــــــ رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز

نام مصنف ــــــــــــ مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

بارِ اول ــــــــــــ ۱۹۸۷ء

اضافہ شدہ ایڈیشن ــــــــــــ 2012

تعداد ــــــــــــ ۱۱۰۰

کمپوزنگ ــــــــــــ صلاح الدین نثار معروفی قاسمی

طباعت ــــــــــــ

مطبع : بھارت آفسٹ، دہلی-۶

**قیمت**

۲۰۰/-

شائع کردہ

**مکتبۂ صداقت**: نوادہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔ یوپی

پن کوڈ: ۲۷۶۴۰۱، فون نمبر ۲۵۱۱۸۶-۰۵۴۶۲

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سببِ تالیف

نماز، اسلام کا دوسرا بنیادی رکن ہے، نماز اسلام کی سب سے بڑی اور سب سے افضل عبادت ہے، میدانِ حشر میں سب سے پہلے نماز کا ہی سوال ہوگا، نماز، سفر، حضر، جوانی، بڑھاپا، صحت و بیماری، امن وخوف، کسی حالت میں معاف نہیں، نماز کفر واسلام کے درمیان حدِ فاصل اور مومن وکافر کے مابین وجہِ امتیاز ہے۔

یہ اہم عبادت ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اُسے صحیح طور پر ادا کریں، اس کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوئے، اس کے طریقے کا خیال کرتے ہوئے، اگر ہم نے نماز پڑھی، لیکن نہ تو اس کے حقوق کی رعایت کی نہ اُسے صحیح طریقے سے پڑھا، تو ایسی نماز بجائے اجر وثواب اور خوشنودیٔ الٰہی کا سبب بننے کے، ڈر ہے کہ کہیں گناہ کا ذریعہ اور وبالِ جان نہ ہوجائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ. (بخاری ج۱/۸۸) اُسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز کیا تھا؟ یہ کتاب اِسی سوال کا تفصیلی جواب ہے۔

ہمیں نماز اپنے من مانے ڈھنگ سے نہیں پڑھنی، بلکہ اُسی طرح پڑھنی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر بتائی، اور حضورؐ کی نماز وہی ہے جو قرآن سے ثابت ہے، کیوں کہ حضورؐ کی پوری زندگی قرآن کا عملی نمونہ تھی۔ حضورؐ کی نماز وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہے جس کی راویٔ اول، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مبارک ومقدس

جماعت ہے۔ حضورؐ کی نماز وہی ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے عیاں ہے، کیوں صحابۂ کرامؓ نے اپنی زندگی کو اسی نمونہ پر ڈھالا تھا جسے اسوۂ رسولؐ کہا جاتا ہے۔

نماز اور طریقۂ نماز سے متعلق بہت سی کتابیں موجود ہیں، اِس اعتبار سے کسی نئی کتاب کی ضرورت نہ تھی، لیکن اِس لحاظ سے یہ کتاب اُن تمام کتابوں میں جُداگانہ نوعیت کی ہے کہ اِس میں حضورؐ کا طریقۂ نماز، کتبِ فقہ سے نہیں بیان کیا گیا۔ بلکہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے بیان کیا گیا ہے، اور اِس دعوے کو مُبرہَن کیا گیا ہے کہ فقہِ حنفی میں جو طریقۂ نماز بیان کیا جاتا ہے وہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے، لہٰذا ''فقہ'' کے نام سے چڑھنے والوں کو ہم نے آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کے ایسے کھرے اور سنہرے دلائل پیش کئے ہیں جو اُن کے ذہن کو اپیل اور ان کے دل کو مطمئن کرسکیں، اور اُن نام نہاد مصنفین کی کوششوں کا سدِ باب ہوسکے جو اپنی کتابوں اور اشتہاروں کے ذریعہ مسلسل پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ ہمارا طریقۂ نماز حدیث سے ثابت ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقاء کے پاس سوائے عباراتِ فقہیہ کے کچھ نہیں۔

اِس کتاب میں، میں نے نفسِ مسئلہ بیان کرنے کے لئے۔ اگر اُس سے متعلق قرآن کی آیت موجود ہے۔ تو سب سے پہلے وہی پیش کی ہے، کیوں کہ فقہِ حنفی کے اصول میں ہے کہ استخراج واستنباطِ مسائل کے سلسلے میں قرآن، حدیث پر مقدم ہے، حدیث کا نمبر قرآن کے بعد ہے، نہ کہ قرآن سے پہلے۔ لیکن اگر اُس سے متعلق کوئی آیت موجود نہیں، تو ظاہر ہے کہ اب حدیثِ صحیح کو ہی مستدل بنایا جائے گا، اور اگر کسی مسئلے میں احادیث، متعارض ہوں تو دین کے ناقلینِ اول، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال کسی ایک کے لئے وجہِ ترجیح بنیں گے۔

فقہِ حنفی کے یہ وہ بلند پایہ اصول ہیں کہ کوئی متعصب سے متعصب شخص بھی اُن سے انکار کی جرأت یا اُن سے اچھے اصول پیش کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

نفسِ مسئلہ کے لئے فقہِ حنفی کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ البتہ بعض موقعوں پر مالکی، شافعی، حنبلی مسالک کی کتابوں سے شواہد و نظائر ضرور پیش کئے گئے ہیں تاکہ مزید تاکید و تقویت کا سبب ہو۔

فقہائے احناف کا حوالہ انھیں جگہوں پر دیا گیا ہے جہاں، معاندین نے اُن کی طرف غلط مسائل منسوب کئے ہیں، لہٰذا اصل حقیقت کی نقاب کشائی کے ساتھ معاندین کی کارروائیوں سے قارئین کو آگاہ کیا گیا۔

متفق مسائل کے لئے آیات و احادیث کے ایک دو حوالوں پر اکتفاء کیا گیا، البتہ مختلف فیہ مسائل اور وہ بھی، جو زیادہ اختلافی ہیں مثلاً قرأت خلف الامام، رفعِ یدین، آمین بالجہر یا بالسر، رکعاتِ تراویح وغیرہ مسائل پر زیادہ سے زیادہ حوالے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اِس کتاب کے اصل محرک ہندوستان کے مختلف علاقوں کے ہمارے وہ احباب ہیں جو ایک مخصوص فرقہ کی مسلسل اشتہار بازی اور پروپیگنڈائی ذہنیت سے پریشان ہو اُٹھے، اُن کے پیہم اصرار اور خواہش کا احترام کرتے ہوئے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے، تاکہ اللہ کے نیک بندے اشتہار بازی اور غلط پروپیگنڈہ کی حقیقت کو سمجھ سکیں اور آپس میں بغض و نفرت کی دیواریں قائم کرنے والوں سے ہوشیار رہیں۔

قارئینِ کرام کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی گرانقدر آراء سے نوازیں۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه. آمين

جمیل احمد نذیری

۲۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

۲۷؍مئی ۱۹۸۷ء بروز چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# کچھ اِس ایڈیشن کے متعلق

راقمِ سطور کی یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۷ء میں منظرِ عام پر آئی تھی، بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ علم وعوام، ہر حلقہ میں پسند کی گئی، اور ہندو پاک کے مختلف کتب خانوں کی طرف سے ــــ باجازت و بے اجازت ــــ ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے گئے، کئی مدارس نے اسے داخلِ نصاب کیا، کچھ مدارس نے، اِس کتاب کو بڑے درجات کے طلبہ کے مطالعہ کے لئے منتخب کیا، بعض مساجد میں، بعد نمازِ عصر اس کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اخبارات ورسائل نے حوصلہ افزاء تبصرے کئے، اِس طرح یہ کتاب احقر کی مقبول ترین تصانیف میں سے ہوگئی۔ **فالحمدلله علىٰ ذالك.**

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد ہی، راقم کو یہ خیال آیا کہ بعض اہم مباحث اس میں نہیں آسکے، انھیں بھی شامل کرنا چاہئے، بعض احباب نے بھی متوجہ کیا، لیکن عوارض وموانع کے سبب موقع نہ مل سکا اور بلا اضافہ، یہ کتاب شائع ہوتی رہی۔

لیکن ضرورت کا تقاضا دل کو مہمیز کرتا رہا، اِدھر حال میں ممبئی کے میرے بعض مخلصین اور کرم فرماؤں نے بھی نہایت زور دیا کہ یہ کام ہو ہی جانا چاہئے، اور جن مباحث کے اضافے کا ارادہ ہے، وہ اضافہ کرہی دیا جائے، لہٰذا اُن حضرات کی محبت وہمدردی اور مخلصانہ تعاون نے اس کام کو آسان کردیا، اور اپنے دوسرے تصنیفی کاموں کو، وقتی طور پر روک کر، میں اس کتاب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اپنی بساط کے مطابق وہ مباحث بڑھادیئے جو سابقہ ایڈیشنوں میں نہیں تھے، مثلاً جماعتِ ثانیہ، نماز میں قرآن دیکھ کر

پڑھنا، نابالغ کی امامت، سفر شرعی کی مسافت، ننگے سر نماز پڑھنا، عورتوں کے عیدگاہ میں جانے کا مسئلہ، جرابوں پر مسح، نماز با جماعت میں ٹخنا اور قدم ملانا، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز اوّابین وغیرہ۔

آخری تینوں مباحث میں سے اوّل الذکر مضمون، سابقہ ایڈیشنوں میں نہیں تھا، آخر الذکر دونوں مضامین تھے، لیکن بے حد مختصر مختصر، اب تفصیل کر دی گئی ہے۔

اِس کے علاوہ متفرق طور پر، مختلف مقامات میں جزوی اضافے بھی کئے گئے ہیں، اس طرح کتاب کی ضخامت، سابقہ ایڈیشنوں کے مقابلے میں تقریباً سو صفحے بڑھ گئی ہے۔

راقم سطور نے کوشش کی ہے کہ اپنے موضوع پر، یہ ایک جامع کتاب بن جائے، مطالعہ کنندگان و مستفیدین کو تسلی بخش مواد فراہم ہو سکے۔ اور ''سببِ تالیف'' میں ذکر کردہ مقاصد بأحسنِ وجوہ پورے ہوں۔

اَحکم الحاکمین کی بارگاہ میں ملتجی ہوں کہ اس کتاب کو راقم کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور عامۃ المسلمین کو زیادہ سے زیادہ نفع یاب ہونے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔ قارئین کرام سے بھی دعاء کی درخواست ہے۔

جمیل احمد نذیری غفرلہ

جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ، مبارک پور

۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

۲/ فروری ۲۰۰۵ء یوم چہار شنبہ

# اپنے موضوع ومقصد میں مکمّل اور کامیاب

## کتاب پر ماہنامہ "دارالعلوم" دیو بند کا تبصرہ

"بعض خود پسند حلقوں کی جانب سے ایک عرصہ سے یہ مہم چلائی جارہی تھی کہ اَحناف کا طریقۂ نماز، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے، بہت سے کم پڑھے لکھے مسلمان اِس غلط پروپیگنڈے کا شکار ہوکر شکوک وشبہات میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور اس فریب میں آکر بسا اوقات اس اہم ترین فریضہ ہی سے دست کش ہوجاتے ہیں، اس لئے اِس خطرناک اور مہلک پروپیگنڈے کے مسموم اثرات کو زائل کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ عام فہم اردو میں ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں پورے حنفی طریقۂ نماز کو کتبِ فقہ کے بجائے قرآن وسنت کے حوالوں سے مدلل کر کے پیش کیا جائے۔

عام علمائے دین بالخصوص حنفی مکتبِ فکر سے متعلق علماء کی طرف سے مولانا مفتی **جمیل احمد صاحب** نذیری فاضلِ دیو بند مستحقِ صد شکر ہیں کہ انھوں نے یہ کتاب مرتب کر کے حضراتِ علماء کے سر سے ایک بہت بڑے قرض کو چکا دیا ہے ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حقیقت یہ ہے کہ کتاب اپنے موضوع ومقصد میں مکمل اور کامیاب ہے، ضرورت ہے کہ اس مجموعۂ خوبی کو گھر گھر پہنچایا جائے، حضراتِ ائمہ اپنی اپنی مسجدوں میں اسے پڑھ کر سنائیں اور مدارس ومکاتب کی کوئی بھی لائبریری اِس سے خالی نہ رہے۔"

(ماہنامہ "دارالعلوم" دیو بند جون ۸۸ء ص ۴۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نماز کی اہمیت وفضیلت

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانا (۲) نماز پڑھنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) خانہ کعبہ کا حج کرنا۔

(بخاری ج ا ص ۵، مسلم ج ا ص ۳۲)

اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عبادت نماز ہے:

عن ابن مسعود قال سالت النبی صلی الله علیه وسلم أی الاعمال احبُّ الیٰ اللّٰه قال الصلوٰة لوقتها.

(بخاری ۱/۷۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، آپ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر۔

مومن وکافر کے درمیان نماز، وجہِ امتیاز ہے:

عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوٰة.

(مسلم ۱/۶۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مردِ مومن اور کافر ومشرک کے درمیان نماز چھوڑنے کا ہی فرق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو نماز کو صحیح طریقے اور پابندی سے ادا کرے گا، نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور اور برہان اور نجات کا ذریعہ بنے گی، اور جو نماز کی محافظت نہیں کرے گا، نماز اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگی نہ برہان اور نہ نجات کا ذریعہ۔ اور اس کا حشر قارون، فرعون،

ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (احمد، دارمی، بیہقی، مشکوٰۃ ج ۱/ ۵۹)

امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے عمال کے پاس اس مضمون کا فرمان بھیجا:

ان أهم امركم عندى الصلوٰة فمن حفظها وحافظ عليهاحفظ دينه و من ضيّعها فهو لما سواها أضيع.
(مؤطا امام مالک ص ۳)

میرے نزدیک تمہاری سب سے اہم چیز نماز ہے، جو اس کی حفاظت کرے گا، وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا، اور جو اسے ضائع کرے گا وہ اس کے علاوہ چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔

ارشادِ ربانی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى. (سورہ اعلیٰ ۔ ۱۴، ۱۵)

یقیناً فلاح پا گیا وہ شخص جس نے پاکیزگی اختیار کی، اور اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی۔

# نماز کے فضائل

قرآن وحدیث میں نماز کے بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں، سورۂ عنکبوت میں ارشاد باری ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ.
(آیت ۴۵)

بے شک نماز، بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

سورۂ مومنون میں ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ أُوْلٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جو اپنے باپ آدمؑ کے

الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ. (آیت ۹ تا ۱۱)

وارث ہیں، جنت الفردوس کو میراث میں لیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مسلم شریف کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الصلوٰۃ الخمس والجمعة الیٰ الجمعة ورمضان الیٰ رمضان مکفرات لما بینهن اذا اجتنب الکبائر. ج۱/۱۲۲)

پانچوں نمازیں اور جمعہ، جمعہ تک اور رمضان، رمضان تک اُن گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جو اُن کے درمیان ہوں۔ بشرطیکہ کبائر سے پرہیز کرے۔

دوسری روایت میں ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم أرأیتم لو أن نهراً بباب أحدکم یغتسل فیه کل یوم خمسا هل یبقیٰ من درنه شئ قالوا لایبقیٰ من درنه شئ قال فذالک مثل الصلوٰت الخمس یمحو اللّٰه بهن الخطایا. (بخاری ج۱/۷۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر کوئی نہر جاری ہو جس میں وہ ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن کوئی میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی میل کچیل باقی نہیں رہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے:

قال النبی صلی الله علیه وسلم ان احدکم اذا صلّٰی یناجی ربّهٗ (حوالۂ مذکورہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ جاڑے کے زمانہ میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے خزاں سے گر رہے تھے، آپؐ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑلیں، پتے اور زیادہ گرنے لگے، آپؐ نے فرمایا، اے ابوذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے فرمایا، جب کوئی مسلمان نماز پڑھتا ہے اور محض رضائے الٰہی کے لئے پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے پتے گر رہے ہیں۔ (مسند احمد ج ۵/۱۷۹، مشکوٰۃ ج ۱/۵۸)

نمازحضورؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے:

جعلت قرة عينى فى الصلوٰة . میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(آثار امام ابو یوسف ص ۵۷)

خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ کا معمول تھا کہ جب نماز کا وقت آتا تو فرماتے:

قُوموا الىٰ نار كم التى اوقدتموها فاطفئو ها. (احیاء علوم الدین) اٹھو! جو آگ (گناہوں کی) تم نے دہکائی ہے، نماز پڑھ کر اسے بجھاؤ۔



# نماز کی فرضیت

## فرضیتِ نماز، قرآن سے

درج ذیل آیاتِ قرآنی سے نماز کی فرضیت ثابت ہوتی ہے:

| | |
|---|---|
| (۱) فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا. (نساء۔۱۰۳) | پس نماز قائم کرو، بے شک نماز مومنین پر فرض کی گئی ہے، وقتِ مقررہ کے ساتھ۔ |
| (۲) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (روم آیت ۳۱) | نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ بنو۔ |
| (۳) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ. (بقرہ۔۴۳) | نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ |
| (۴) وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (طٰہٰ۔۱۳۲) | اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر قائم رہئے۔ |
| (۵) اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ. (عنکبوت۔۴۵) | تلاوت کیجئے جو آپ کی جانب وحی کی گئی ہے کتاب سے، اور نماز قائم کیجئے۔ |

اِن کے علاوہ اور بھی آیاتِ کریمہ ہیں جن سے نماز کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے، مگر اختصار کے پیشِ نظر انہیں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

## فرضیتِ نماز، حدیث سے

احادیثِ نبویہ سے بھی فرضیتِ نماز کا ثبوت بالکل ظاہر و باہر ہے، چند احادیث

پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

امرت أن أقاتل الناس حتی یشهدوا ان لاالٰه الا اللّٰه وان محمدا رسول الله ویقیموا الصّلوٰة ویؤتوا الزکوٰة فاذا فعلوا ذالک عصموا منی دماء هم وأموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم علی الله.
(بخاری ج۱/۸، مسلم جلد۱/۳۷)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، پس جب وہ یہ کرنے لگیں گے تو ان کے مال و جان مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے، سوائے حقِ اسلام کے، اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا۔

(۲) حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

ولاتترک صلوٰة مکتوبة متعمداً فمن ترکها متعمداً فقد برء ت منه الذمة رواه ابن ماجة (مشکوٰۃ ج۱/۵۹)

کسی فرض نماز کو جان بوجھ کر مت چھوڑنا، جس نے کوئی فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی، اللہ کا ذمہ اس سے بَری ہوگیا۔

(۳) حضرت انسؓ کی روایت میں ہے:

من صلّٰی صَلوٰتنا واستقبل قبلتنا وأکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی له ذمّة الله وذمةُ رسولهٖ.
(بخاری ج۱/۵٦)

جس نے ہماری نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کا استقبال کیا (یعنی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی) اور ہمارا ذبیحہ کھایا، وہ مسلمان ہے، اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

(۴) حضرت مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صلّوا کما رأیتمونی أُصلّی فاذا

نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے

حضرت الصلوٰۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم. (بخاری ج۱/۸۸)

دیکھتے ہو، پس جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی اذان دے، پھر تم میں کا بڑا تمہاری امامت کرے۔

(۵) بڑے تو بڑے، بچوں تک کو نماز کا عادی بنانے کی تلقین کی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مُروا أولادکم بالصلوٰۃ وھم أبناء سبع سنین واضربوا ھم علیھا وھم ابناء عشر وفرقوا بینھم فی المضاجع. (ابوداؤد ۱/۸۶)

اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو (نماز نہ پڑھنے پر) انھیں مارو، اور ان کا بستر الگ الگ کردو۔

# پانچ نمازوں کا تذکرہ، قرآن میں

قرآن کریم میں نمازِ پنجگانہ کا تذکرہ درج ذیل آیات میں ہے:

(۱) وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ ط ذَالِکَ ذِکْرٰی لِلذَّاکِرِیْنَ. (ہود۔۱۱۴)

اور نماز قائم کرو، دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصے میں بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے یاد رکھنے والوں کے لئے۔

مفسرین کے بیان کے مطابق ''دن کے دو کناروں'' میں نماز فجر، ظہر اور عصر کا وقت بیان کیا گیا ہے اور ''رات کے کچھ حصے'' میں مغرب و عشاء کے اوقات بیان کئے گئے ہیں۔ (دیکھئے تفسیر ابوسعود علی ہامش تفسیر کبیر ج۵ ص۱۴۵، روح المعانی ج۱۲ ص۱۵۶، جلالین ج۱ ص۱۸۹ و تفسیر کبیر ج۵ ص۱۴۲)

(۲) فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ

پس پاکی بیان کرو اللہ کی جس وقت کہ شام

وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ.
(روم۔ ۱۷ و ۱۸)

کرتے ہو اور جس وقت صبح کرتے ہو۔ اللہ ہی کے لئے تمام تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں اور (پاکی بیان کرو اس کی تیسرے پہر اور جب کہ ظہر کا وقت پاؤ۔

اس آیت میں چار الفاظ مذکور ہیں، مساء، صبح، عشی، ظہر ——— صبح اور ظہر سے نماز فجر اور ظہر کا مراد ہونا بالکل واضح ہے اور عشی دن کے آخری حصے کو کہتے ہیں کہ جب سورج چھپنے کے قریب ہو، ظاہر ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے، اور مَساء، مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ (ملاحظہ ہو: جلالین ج ۲/ ۳۴۲، روح المعانی ج ۲۱/ ۲۸ وغیرہ)

(۳) فَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ.
(ق۔ ۳۹، ۴۰)

اے نبیؐ! پس صبر کیجئے، کفار کی باتوں پر اور اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے، تعریف کے ساتھ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے، اور رات کے کچھ حصے میں پاکی بیان کیجئے اس کی اور سجدوں کے بعد۔

طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر ہوگی اور غروبِ آفتاب سے قبل نمازِ عصر اور رات کی نماز سے مراد مغرب وعشاء، اس طرح کل چار نمازوں کا وقت بیان ہوا، لیکن بعض مفسرین کے نزدیک ''قبل غروب کا لفظ نماز عصر اور نماز ظہر دونوں کو شامل ہے۔ اس طرح پانچوں نمازوں کا وقت آگیا۔ (دیکھئے جلالین ج ۲/ ۴۳۱، روح العانی ج ۲۶/ ۱۹۳، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۶۴۵)

(۴) اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا. (بنی اسرائیل ۷۸)

نماز قائم کیجئے آفتاب ڈھلنے کے وقت سے تاریکئ شب تک اور لازم کیجئے فجر کا پڑھنا، بے شک فجر کا پڑھنا، ہے گواہی دیا ہوا۔

اِس آیت میں پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نماز فجر کی خاص اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ وقت رات ودن کے فرشتوں کے موجود رہنے کا ہے۔

(ابن ماجہ ص ۴۹)

| | |
|---|---|
| حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطىٰ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ. (بقرہ-۲۳۸) | حفاظت کرو، نمازوں کی، خاص طور سے صلوٰۃ وسطیٰ (بیچ والی نماز) کی اور کھڑے ہو اللہ کے سامنے ادب کے ساتھ۔ |

اس آیت میں نمازوں کی محافظت کا حکم دیا گیا ہے اور صلوٰۃِ وسطیٰ پر خصوصی زور ہے، ''صلوٰۃِ وسطیٰ'' سے کون سی نماز مراد ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق اس سے مراد نمازِ عصر ہے۔ (مسلم ج ۱/۲۲۶) اور اس پر خصوصی زور دینے کی وجہ یہ بھی ہے کہ نمازِ فجر کی طرح، اعمال لکھنے والے دن ورات کے فرشتوں کے موجود ہونے کا وقت ہے۔ (بخاری ج ۱/۷۹، عن ابی ھریرۃؓ)

## پانچ نمازوں کا تذکرہ حدیث میں

احادیثِ کریمہ میں پانچوں نمازوں کا تذکرہ بکثرت موجود ہے، سفرِ معراج کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ امتِ محمدیہ پر پہلے پچاس وقت کی نمازیں فرض ہوئی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس واپس گئے اور کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں، مگر ثواب پچاس نمازوں کے ہی برابر ہے۔

| | |
|---|---|
| هی خمس وهی خمسون. (بخاری ج ۱/۵۱) | یہ نمازیں ادائیگی میں پانچ ہیں، ثواب میں پچاس ہیں۔ |

نمازِ پنجگانہ کے متعلق چند دیگر حدیثیں یہ ہیں:

(۱) ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرائضِ اسلام کے متعلق سوال کیا، حضورؐ نے اس کے جواب میں سب سے پہلے جو کلمات ادا فرمائے وہ یہ تھے:

خمس صلوات في اليوم والليلة
(مسلم ج۱/۳۰)

دن اور رات میں پانچ نمازیں۔

(۲) عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صَلوات افترضهن الله. الخ
(نسائی ج۱/۸۰)

عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پانچ نمازیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔

ابوامامہؓ کی روایت میں ہے:

صلوا خمسكم. (مشکوۃ ج۱/۵۸)

اپنی نمازِ پنجگانہ ادا کرو۔

# اچھی طرح نماز پڑھنے کا حکم، قرآن سے

قرآن مجید میں جا بجا نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں یا غفلت ولاپرواہی سے ادا کرتے ہیں، ان کے لئے وعید آئی ہے۔

سورۂ انعام میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ. وَهُمْ عَلٰى صَلوٰتِهِمْ يُحٰفِظُوْنَ.
(آیت-۹۲)

اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

واسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا

اور مدد مانگو اللہ سے صبر اور نماز کے ذریعہ،

لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ.

(آیت ۴۵،۴۶)

بیشک نماز یقیناً بھاری ہے مگر اُن ڈرنے والوں پر بھاری نہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں،

سورۂ نساء میں ہے:

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا.

(آیت-۱۴۲)

اور جب (یہ منافقین) نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

اسی مضمون کی ایک آیت سورۂ توبہ میں بھی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى.

(آیت-۵۴)

اور نماز کو نہیں آتے مگر کاہلی کرتے ہوئے۔

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ. (ماعون-آیت ۵)

پس ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غفلت کرنے والے ہیں۔

سورۂ مریم میں ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا. (آیت-۵۹)

پھر اُن کے بعد ایسے لوگ آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی پس عنقریب وہ ملیں گے، غیّ (جہنم کی ایک وادی) سے۔

نماز ضائع کرنے کے بہت سے درجے ہیں، مثلاً دل لگا کر اور خشوع وخضوع سے نماز نہ پڑھنا، مستحب وقت کی رعایت نہ کرنا، جماعت اور مسجد کی پابندی نہ کرنا وغیرہ وغیرہ

# اچھی طرح نماز پڑھنے کا حکم، حدیث سے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَامن إمرأ مسلم تحضره صلوٰة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعهاوركوعها الاكانت كفارة لماقبلها من الذنوب مالم يؤت كبيرة وذالك الدهر كله.

(مسلم ج۱/۱۲۱)

کوئی مسلمان نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کا یہ کرنا اس کے پہلے کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، جب تک کہ کسی کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز پنجگانہ کو اچھی طرح وضو کر کے اُن کے اوقات میں ادا کرے اور رکوع وسجدہ بھی ٹھیک ٹھیک کرے، اللہ کا اس کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے، اور جو شخص ایسا نہ کرے گا، اللہ کا اس سے کوئی وعدہ نہیں، اِن شاء غفرله وان شاء عذبه اگر چاہے گا بخشدے گا، چاہے گا عذاب دے گا۔ (ابوداؤد ج۱/۶۱)

مسند احمد میں ہے:

عن ابی قتاده قال قال رَسول الله صلى الله عليه وسلم أسوء الناس سرقة الذى يسرق من صلاته قالوا يارسول الله كيف يسرق من صلاته قال لايتم ركوعها

حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بُرا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چوری کرے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! اپنی نماز سے کیسے چوری کرے گا،

ولاسجودها. (ج۵ص۳۱۰) فرمایا نماز کا رکوع وسجدہ مکمل نہ کرے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی خلاد بن رافعؓ نے رکوع وسجدہ میں بہت زیادہ جلد بازی کی تو حضورؐ نے انھیں بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا، آخرکار انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ ہی مجھے نماز کا طریقہ بتادیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا قمت الیٰ الصّلوٰة فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فکبّر ثم اقرأ بماتیسر معک مِنَ القُرآنِ ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع حتی تستوی قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالساً ثم اسجدحتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالساً وفی روایة ثم ارفع حتی تستوی قائماً ثم افعل ذالک فی صلوتک کلها. (بخاری ج۱/۱۰۹، مسلم ج۱/۱۷۰)

جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف رخ کرکے اَللہُ اَکبر کہہ کر نیت باندھ لو، پھر تمہیں قرآن سے جو آسان معلوم ہو، پڑھو۔ تم رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں پورا اطمینان ہوجائے، پھر اپنا سر اٹھاؤ اور بالکل سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔ پھر سجدہ میں جاؤ یہاں تک کہ سجدہ میں پورا اطمینان ہوجائے، پھر سجدہ سے سر اُٹھاؤ، یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ (پھر سجدہ کو مکمل کرنے کے بعد) سیدھے کھڑے ہوجاؤ اور پوری نماز (اسی اطمینان کے ساتھ) ادا کرو۔

چنانچہ نماز میں تعدیلِ ارکان (مثلاً رکوع وسجدہ کو بالکل صحیح صحیح، قاعدہ کے موافق ادا کرنا) واجب ہے، بلا قصد چھوڑنے کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے، بالقصد لاپروائی کرنے پر نماز ہی نہیں ہوتی۔

# وضو کے احکام

## نماز کے لئے وضو

پچھلی کئی احادیث میں نماز کے ساتھ وضو کا بھی تذکرہ آیا ہے، نماز کے لئے وضو ضروری ہے، بلا وضو نماز نہیں ہوسکتی۔ ارشادِ باری ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ. (مائدہ -٦)

اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو دھوؤ اپنے چہروں کو اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور اپنے سروں کا مسح کرو اور دھوؤ اپنے پیروں کو ٹخنوں تک۔

اِس آیت میں فرائضِ وضو کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو فلاں فلاں عضو دھوڈالو، فلاں کا مسح کرلو، یعنی وضو کرلیا کرو۔

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مفتاح الجنة الصلوٰة ومفتاح الصلوٰة الطهور. رواه احمد. (مشکوٰۃ ج۱/۳۹)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

لاتقبل صلوة بغير طهور. (مسلم ج۱/۱۱۹ عن ابن عمر)

کوئی نماز بغیر وضو کے قبول نہیں کی جاتی۔

ایک اور روایت میں ہے:

لاتقبل صلوٰۃ من أحدث حتی یتوضأ. (بخاری ج۱/۲۵ عن ابی ہریرۃ)

جس کا وضو ٹوٹ گیا ہو اس کی نماز قبول نہیں، یہاں تک کہ وضو کرلے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ لکل صلوٰۃ وکان احدنا یکفیہ الوضو مالم یحدث رواہ الدارمی. (مشکوٰۃ ج۱/۴۷)

رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے اور ہمارے لئے ایک وضو اس وقت تک کافی ہے کہ جب تک حدث نہ ہو (یعنی جب تک وضو توڑنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے)

## اچھی طرح وضو کرنا

وضو بھی اچھی طرح کرنا چاہئے، فرائض وسنن اور مستحبات کی رعایت کے ساتھ، تاکہ وہ اجر وثواب ملے جس کا احادیثِ کریمہ میں وعدہ ہے۔ اور اس عذاب سے بچیں جو اچھی طرح وضو نہ کرنے کے نتیجے میں ہوگا۔

عن عبداللہ بن عمرو قال رجعنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکۃ الیٰ المدینۃ حتی اذا کنا بماء بالطریق تعجل قوم عندالعصر فتوضأ واوھم عُجّال فانتھینا الیھم وأعقابھم تلوح لم یمسھا الماء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للأعقاب من النار اسبغوا الوضوء. (مسلم ج۱/۱۲۵)

عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے، یہاں تک کہ جب راستے میں پانی پر سے گزر ہوا تو کچھ لوگوں نے جلدی کی، عصر کے وقت، پس انھوں نے وضو کیا اور وہ جلد باز لوگ تھے، جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشک رہ گئی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہلاکت ہو ایڑیوں کے لئے جہنم سے۔ اچھی طرح وضو کیا کرو۔

یہ تو اچھی طرح وضو نہ کرنے کا عذاب تھا، لیکن جولوگ وضو قاعدہ کے مطابق کرتے ہیں اور جلد بازی میں کہیں تر کہیں خشک نہیں چھوڑتے، فرائض وسنن اور مستحبات پر بھی عمل کرتے ہیں، ان کا ثواب احادیثِ کریمہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

مَنْ تَوضا فاحسن الوضوء خرجت خطاياه من جسده حتى تخرج من تحت أظفاره. (مسلم ج۱/۱۲۵عن عثمان)

جس نے وضو کیا، پس اچھی طرح وضو کیا، اس کی خطائیں اس کے بدن سے نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخن کے نیچے سے بھی۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان امتی یدعون یوم القیامة غر المحجلین من اثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرّته فلیفعل. (بخاری ج۱/۲۵)

میری امت قیامت کے دن اس حال میں پکاری جائے گی کہ آثار وضو سے اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے، پس تم میں سے جو شخص اپنی چمک میں اضافہ کر سکے اسے ضرور کرنا چاہئے۔

## وضو کے فرائض

جیسا کہ اوپر بتایا گیا، آیتِ کریمہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الـــخ میں فرائضِ وضو کا تذکرہ ہے۔ آیتِ کریمہ مع ترجمہ ایک مرتبہ پھر ملاحظہ فرمالیں، دیکھئے اس میں ارکانِ وضو میں سے درج ذیل صرف چار چیزوں کا ذکر ہے:

(۱) ۔ چہرہ دھونا

(۲) دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا

(۳) سر کا مسح کرنا

(۴) دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھونا

آیتِ کریمہ میں یہ تو بتایا گیا ہے کہ سر کا مسح کرو، مگر سر کا مسح کہاں سے کہاں تک کریں، ایک دو بال کافی ہیں؟ یا پورے سر کا، یا آدھے یا چوتھائی سر کا مسح کرنا ہے؟ اِس قسم کی کوئی تفصیل نہیں۔ چنانچہ آیتِ کریمہ کے اس اجمال کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بیان فرمادی اور بتادیا کہ سر کے مسح کی فرض مقدار چوتھائی سر ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ فمسح بناصیته. (مسلم ج۱/۱۳۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوفرمایا پس اپنی پیشانی کی مقدار مسح کیا۔

دوسری روایت میں ہے:

مسح علیٰ الخفین ومقدم رأسه. (مسلم ج۱/۱۳۴، ابوداؤد ج۱/۳۱)

مسح کیا موزوں پر اور اپنے سَر کے اگلے حصے پر۔

سر کے اگلے حصہ یا پیشانی کی مقدار، دونوں سے ایک ہی مراد ہے یعنی سر کا چوتھائی حصہ، کیوں کہ پیشانی سر کے چوتھائی حصہ کے ہی برابر ہوتی ہے۔

## وضو کے سنن ومستحبات

وضو کے سنن ومستحبات درج ذیل احادیث سے مستفاد ہیں:

(۱) انما الاعمال بالنیات. (بخاری ج۱/۲)

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

(۲) لاوضوء لمن لم یذکر اسم الله تعالیٰ علیه. (ابوداؤد ج۱/۲۴)

اس کا وضو نہیں جس نے اپنے وضو میں اللہ کا نام نہیں لیا۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضوفرمایا کرتے تھے، انھوں نے جواب میں خود وضو کرکے دکھایا اور وہ اِس طرح کہ انھوں نے

فدعا باِناء فاکفأ منها علیٰ یدیه فغسلهما ثلثا ثم ادخل یده فاستخرجها فمضمض و استنشق من کف واحدة ففعل ذٰلک ثلثا ثم ادخل یده فاستخرجها فغسل وجهه ثلثاً الخ. (مسلم ج۱/۱۲۳)

پانی کاایک برتن منگایا اوراس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر بہایا اورانھیں تین باردھویا، پھراپنے ہاتھ کو داخل کیا اوراس سے پانی نکالا، پس کلی کی اورناک میں پانی ڈالا، ایک ہتھیلی سے، ایسے ہی تین بارکیا، پھراپنے ہاتھ کوداخل کیا پھرنکالا، پس اپنے چہرے کوتین باردھویا۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ نے لوگوں کومخاطب کرکے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دکھاؤں؟ پھروضوکیا تو سارے اعضاء کوتین تین مرتبہ دھویا فتوضأ ثلثاً ثلثاً (مسلم ج۱/۱۲۱) اسی طرح ایک اعرابی کے سوال پررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوکرکے دکھایا تواعضاء وضوکوتین تین مرتبہ دھویا فأراه ثلثاً ثلثاً. اس کے بعدفرمایا:

هٰکذا الوضوء فمن زاد علیٰ هٰذا فقد أساء وتعدّیٰ وظلم. (نسائی ج۱/۳۳، ابوداؤدج۱/۲۹)

یہ ہے کامل وضو، پس جس نے اس پرزیادہ کیا پس اس نے (سنت کوچھوڑنے کی وجہ سے) بُراکیا، زیادتی کی اورظلم کیا۔

(۵) حضرت زیدبن خالدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

لولا أن أشق علیٰ امتی لأمرتهم بالسواک عندکل صلوٰة. (ابوداؤدج۱/۱۷)

اگرمیں اپنی امت پرشاق نہ سمجھتا توانھیں ہرنماز کےوقت (وجوباً) مسواک کاحکم دیتا۔

(۶) عن ربیعة بنت معوذ انها رأت النبی صلی الله علیه وسلم یتوضأ قالت فمسح رأسه ومسح ماقبل

ربیعہ بنت معوذؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کووضوکرتے ہوئے دیکھا، وہ کہتی ہیں کہ آپؐ نے اپنے

منه وماادبر وصدغيه واذنيه مرة واحدة وفي رواية انه توضأ فادخل اصبعيه في حجري اذنيه.

(ابوداؤد ج ۱/۲۸)

سر کے اگلے اور پچھلے حصہ کا مسح کیا (یعنی پورے سر کا مسح کیا) اور دونوں کانوں کا اور دونوں کانوں کے سوراخ کا ایک مرتبہ، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وضو فرمایا پس داخل کیا اپنی انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے سوراخ میں۔

وضو کے وقت ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں اور داڑھی کے خلال کا بھی احادیث میں ذکر آیا ہے، دیکھئے ابوداؤد ج ۱/۳۰) اور جن جن حضراتِ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان فرمایا ہے سبھی نے بالترتیب اور لگاتار وضو کیا ہے، (یعنی ایک عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کو دھولیا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اذاتوضأ تم فابدؤا بميامنكم.

(ابن ماجہ ص ۳۳)

جب وضو کرو تو شروع کرو دائیں طرف سے۔

## گردن کا مسح

گردن کا مسح مستحب ہے، حضرت موسیٰ بن طلحہؓ سے مروی ہے:

من مسح قفاه مع رأسه وقي من الغل. (۱)

(شرح احیاء العلوم للعلامہ الزبیدی ج ۲/۳۶۵ وغیرہ)

جس نے سر کے ساتھ اپنی گردن کا مسح کیا وہ بچادیا گیا کینے سے۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں گردن کے مسح کا جو مخصوص ثواب وفائدہ بیان کیا گیا ہے، اس میں کسی اجتہاد یا رائے

(۱) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ گردن کے مسح کی احادیث ابوداؤد، بزار اور طحاوی اوران کے علاوہ دیگر محدثین نے نقل کی ہیں، ص ۶۹ حاشیہ ۴۔

وقیاس کو دخل نہیں، کیوں کہ کسی عمل کا مخصوص ثواب یا مخصوص عذاب بیان کیا جانا اجتہاد وقیاس سے خارج ہے۔ لہٰذا صحابیٔ رسولؐ کی اس طرح کی حدیث، حکماً حدیثِ مرفوع ہوتی ہے۔ شارحِ بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصولِ حدیث کی مشہور کتاب شرح نخبۃ الفکر میں اس بات کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ (دیکھئے صفحہ ۷۶و۷۷)

مسند الفردوس میں علامہ دیلمیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے گردن کے مسح کی حدیث مرفوعاً نقل کی ہے۔ (نقایہ ج۱ ص۹) گو یہ حدیث سنداً ضعیف ہے لیکن فضائلِ اعمال میں بالاتفاق ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے (نقایہ ج۱ص۹) اور گردن کا مسح بھی مستحب ہی کہا گیا ہے نہ کہ فرض یا سنت، مزید برآں کوئی روایت مانع بھی نہیں بلکہ متعدد احادیثِ کریمہ سے سر کے مسح کے ساتھ گردن کے کچھ حصہ کا مسح ثابت ہے (۱) اور جب بھی گردن کا مسح کیا جاتا ہے وہ گردن کے کچھ ہی حصہ کا مسح ہوتا ہے نہ کہ پوری گردن کا۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ سر کے علاوہ جن جن اعضاء میں یا جن جن مواقع پر مسح کی اجازت دی گئی ہے کہیں بھی اس عضو کا استیعاب شرط نہیں ہے، مثلاً کان کا مسح موزوں کا مسح، پٹی کا مسح ——— اس اعتبار سے گردن کا مسح بھی کچھ ہی حصے کا ہوگا نہ کہ پوری گردن کا، اور جو لوگ بھی گردن کے مسح کے قائل ہیں وہ تبعیض کے ہی قائل ہیں نہ کہ استیعاب کے۔

---

(۱) دیکھئے ابوداؤد ج۱ص ۲۸، ترمذی ج۱ص ۷، ابن ماجہ ص ۳۵، نیل الاوطار ۱/۱۴۲، خود اہلحدیث علماء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ گردن کے کچھ حصہ کا مسح احادیث سے ثابت ہے، دیکھئے صلوٰۃ النبی ص ۱۹ مطبوعہ الدار السلفیہ بمبئی، اب غور کیجئے کہ ان لوگوں کی بات کہاں تک صحیح ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ گردن کا مسح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ گردن کے مسح کی مزید احادیث کے لئے دیکھئے اعلاء السنن ج۱ص ۶۹، سعایہ ج۱ص ۱۱۷۸، تلخیص الجبیر الحبیر ۱/۳۴، مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کا رسالہ ''تحفۃ الطلبہ فی تحقیق مسح الرقبہ''۔

## خلاصۂ احادیث

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ وضو کے سنن و مستحبات درج ذیل ہیں:

(۱) نیت کرنا

(۲) ابتدائے وضو میں بسم اللہ پڑھنا

(۳) تین بار گٹوں تک ہاتھ دھونا

(۴) مسواک کرنا

(۵) تین بار کلی کرنا

(۶) تین بار ناک میں پانی ڈالنا

(۷) داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا

(۸) دھونے والے اعضاء کو تین تین بار دھونا

(۹) پورے سر کا ایک بار مسح کرنا

(۱۰) سر کے ساتھ کان اور گردن کا مسح کرنا

(۱۱) اعضاء کو ترتیب وار دھونا

(۱۲) لگاتار دھونا، ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا دھولے

(۱۳) دائیں جانب سے دھونا یعنی پہلے دایاں ہاتھ پھر بایاں، پہلے دایاں پاؤں پھر بایاں۔

## وضو کے بعد کی دعاء

وضو کے بعد کلمۂ شہادت

اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَـهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اور یہ دعاء پڑھنی چاہئے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ.

(مسلم ج۱/۱۲۲، ترمذی ج۱/۹)

اے اللہ! بنادے مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے اور بنادے مجھ کو خوب پاکی حاصل کرنے والوں میں سے۔

## موزوں پر مسح

وضو کرنے والا اگر اپنے پاؤں میں چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے ہو تو بجائے پاؤں دھونے کے انھیں موزوں پر مسح کرسکتا ہے، بشرطیکہ طہارتِ کاملہ یعنی وضو کر کے پہنا ہو، اس کے بعد جب وضو ٹوٹے تو صرف ایک بار دونوں موزوں پر مسح کر لینا کافی ہوگا، پاؤں کو دھونے کی ضرورت نہ ہوگی، مسح، موزہ کے اوپر کے حصے میں تین انگلیوں سے خط کھینچتے ہوئے کیا جائے۔ مقیم ایک دن ایک رات مسح کرسکتا ہے، اور مسافر تین دن تین رات۔

(دیکھئے ابوداؤد ج۱ص۳۱، ترمذی ج۱ص۱۵، مسلم ج۱ص۱۳۵، مشکوٰۃ ج۱ص۵۳ وغیرہ)

# جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں

اونی، سوتی، نائیلون وغیرہ کی جرابوں (موزوں) پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، اور جو احادیث اس سلسلے کی بیان کی جاتی ہیں، وہ سب کی سب ضعیف ہیں، استدلال کے لائق نہیں ہیں۔

مثلاً عام طور پر جو تین حدیثیں اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں، ان کے متعلق مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ کی تحفۃ الاحوذی کی روشنی میں تفصیل ملاحظہ کریں۔

## پہلی دلیل کا جائزہ

عن المغيرة بن شعبة قال توضأ النبي صلى الله عليه وسلم ومسح على الجوربين والنعلين.

(ترمذی ج۱ص۲۹)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت اپنے جرابوں پر مسح کیا اور جوتوں پر۔

اس حدیث سے جرابوں کے ساتھ ساتھ جوتوں پر بھی مسح ثابت ہو گیا، جب کہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکؒ پوری لکھتے ہیں:

اعلم ان الترمذی حسن حدیث الباب وصححہ ولکن کثیراً من ائمۃ الحدیث ضعفوہ.

امام ترمذی نے اگر چہ اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے مگر بہت سے ائمہ حدیث نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج۱ص۱۰۰)

پھر اس کی تفصیل یوں کرتے ہیں:

(۱) امام نسائی نے سننِ کبریٰ میں کہا ہے کہ ہم اس روایت کے سلسلے میں ابوقیس کا کوئی متابع نہیں جانتے، اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی جو صحیح روایت ہے وہ صرف خفین (چمڑے کے موزوں) پر مسح کے سلسلے میں ہے۔

(۲) امام ابوداؤدؒ نے سننِ ابوداؤد میں کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ حضرت مغیرہؓ سے جو مشہور روایت ہے وہ صرف خفین (چمڑے کے موزوں) پر مسح کی ہے۔ حضرت مغیرہؓ کی زیر بحث حدیث سے ملتی جلتی روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی مروی ہے، (۱) وہ متصل السند اور قوی نہیں ہے۔ (۲)

(۳) امام بیہقی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے، سفیان ثوریؒ، عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ، علی بن مدینی اور امام مسلم جیسے جلیل القدر محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(۴) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

اتفق الحفاظ علی تضعیفہ ولایقبل قول الترمذی انہ حسن صحیح.

حفاظِ حدیث، اس حدیث کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں، لہٰذا امام ترمذیؒ کا یہ کہنا قبول نہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۵) امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ابوقیس اور ہزیل بن شرحبیل نے

(۱) وہ روایت ابن ماجہ اور بیہقی میں ہے، (۲) ابوداؤد ج۱ص۲۱ باب المسح علی الجوربین۔

اس حدیث کے بقیہ تمام جلیل القدر راویوں کی مخالفت کی ہے، جنھوں نے مغیرہ بن شعبہؓ سے صرف خفین پر مسح کا تذکرہ کیا ہے، لہٰذا ابوقیس اور ہزیل بن شرحبیلؒ جیسے راویوں کی وجہ سے ظاہر قرآن کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔(۱)

(۶) عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ سے کہا کہ اگر آپ ابوقیس اور ہزیل کی سند سے روایت نقل کریں گے تو میں اُسے، آپ سے قبول نہیں کروں گا، سفیان ثوریؒ نے جواب دیا الحدیث ضعیف وہ حدیث ضعیف ہے، (میں اس کو تم سے کیسے بیان کرسکتا ہوں)

(۷) علی بن مدینیؒ کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت کو اہل مدینہ، اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے روایت کیا اور صرف خفین (چمڑے کے موزوں پر مسح کا تذکرہ کیا، مگر یہی روایت جب ہزیل بن شرحبیلؒ نے نقل کی تو اس میں جرابوں پر مسح کا اضافہ کر دیا، اور سارے لوگوں کی مخالفت کر دی۔

(۸) مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ لکھتے ہیں کہ سارے راویوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے خفین پر مسح کی روایت نقل کی، اور ابوقیس نے تنہا ان سب کی مخالفت کر دی اور ہزیل سے جرابوں اور جوتوں پر مسح کرنا، ذکر کیا، اور خفین پر مسح کا ذکر ہی نہیں کیا، لہٰذا یہ ثقہ راوی کا اضافہ نہیں، بلکہ تمام ثقہ راویوں کی مخالفت مانی جائے گی، جب کہ آپ کو یہ معلوم بھی ہو چکا کہ اکثر محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے، حالانکہ وہ ثقہ راوی کی زیادتی والے مسئلہ سے غافل نہ تھے۔ لہٰذا میرے نزدیک اُن ائمہ حدیث کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا، امام ترمذی کے ''حسن صحیح'' کہنے پر مقدم رہے گا۔

---

(۱) اشارہ ہے آیتِ کریمہ کے الفاظ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ کی طرف، کیونکہ جب چمڑے کا موزہ نہ ہو تو قرآن کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔

## دوسری دلیل کا جائزہ

دوسری دلیل حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

ان رسول الله ﷺ توضا ومسح علی الجوربین والنعلین.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔

(۱) اس حدیث کے بارے میں سنن ابوداؤد جلد اول ص ۲۱ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ لیس بالمتصل ولا بالقوی (نہ یہ متصل ہے، نہ قوی ہے)

(۲) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دو کمزوریاں ہیں، ایک یہ کہ ضحاک بن عبدالرحمٰن کا سماع ابوموسیٰ اشعریؓ سے ثابت نہیں، دوم یہ کہ اس کا ایک راوی سنان بن عیسیٰ ضعیف ہے۔

(۳) عیسیٰ بن سنان کے بارے میں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ابن معین نے اسے لین الحدیث کہا ہے، اور ایک جماعت نے ابن معین سے ہی اُسے ضعیف الحدیث ہونا نقل کیا ہے، ابوزرعہ نے مخلط ضعیف الحدیث کہا ہے، ابوحاتم کہتے ہیں کہ حدیث کے باب میں قوی نہیں ہے۔ نسائی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

(۴) مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ضعف کی دو علتوں (انقطاعِ سند اور عیسیٰ بن سنان کا ضعیف ہونا) کے علاوہ مزید ایک علت یہ بھی ہے کہ عیسیٰ بن سنان کو اختلاط ہو جایا کرتا تھا۔

## تیسری دلیل کا جائزہ

یہ روایت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

کان رسول الله ﷺ یمسح علی الخفین والجوربین. (طبرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے موزوں اور جرابوں پر مسح کرتے تھے۔

یہ حدیث بھی ضعیف ہے، وجہ یہ ہے کہ:

(۱) زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی یزید بن زیاد ہے جو کہ ضعیف ہے۔

(۲) اس کی سند میں اعمش راوی مدلّس ہیں، انھوں نے حکم سے عنعنہ سے روایت کیا ہے۔

(۳) حافظ ابن حجر، تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ یزید بن زیاد ضعیف ہے، بڑھاپے میں اس کی حالت بدل گئی تھی، اور وہ شیعہ تھا۔

اس روایت کی دو سندیں ہیں، ایک سند میں یزید بن زیاد ہے، دوسری سند میں نہیں ہے۔ اور اس دوسری سند کے راویوں کے متعلق ہے کہ:

| | |
|---|---|
| اخرجه الطبرانی بسندین رجال احدهما ثقات. | طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں سے تخریج کیا ہے، ان میں سے ایک کے راوی ثقہ ہیں۔ |

مگر اس دوسری سند کو بھی مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ نے بوجوہ ذیل ضعیف قرار دیا ہے۔

(۱) اس دوسری سند میں بھی اعمش ہیں جو کہ مدلّس ہیں، انھوں نے حکم سے عنعنہ کے ذریعہ روایت نقل کی ہے اور مدلّس کا عنعنہ قبول نہیں۔

(۲) یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام راویوں کے ثقہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اس روایت کا متن بھی صحیح ہو، اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس میں ثقہ راوی مدلّس ہو، اور روایت کو عنعنہ سے بیان کر رہا ہو، یا اس میں کوئی دوسری علت ہو۔

پھر آخر میں خلاصہ پیش کرتے ہوئے مولانا مبارک پوریؒ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| والحاصل انه ليس فی باب المسح علی الجوربين حديث مرفوع صحيح خال عن الكلام. | خلاصہ یہ کہ جرابوں پر مسح کرنے کے سلسلے میں کوئی ایسی حدیث مرفوع صحیح موجود نہیں جو محدثین کے جرح وتنقید سے خالی ہو۔ |

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۰۰ تا ۱۰۲)

## چوتھی دلیل کا جائزہ

کچھ حضرات نے حضرت ثوبانؓ کی اس روایت سے بھی جرابوں پر مسح کا جواز تلاش (۱) کیا، مولانا محدث مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:

تنبیہ قد استدل بعض مجوزی المسح علی الجوربین مطلقاً ثخیناً کان اورقیقاً بمارواہ الامام احمد فی مسندہ قال حدثنا یحییٰ بن سعید عن ثور عن راشد بن سعد عن ثوبان قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأصابھم البرد فلما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم شکوا الیہ مااصابھم من البرد فامرھم ان یمسحوا علی العصائب والتساخین.

تنبیہ: ہر طرح کے جرابوں پر- خواہ وہ موٹے ہوں یا پتلے- مطلقاً مسح کے جواز کے قائلین نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو امام احمدؒ اپنی مسند میں لائے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انھوں نے ثورؒ سے، انھوں نے راشد بن سعد سے، انھوں نے ثوبانؓ سے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت (باہر) بھیجی انھیں سفر میں سردی لگ گئی، جب وہ لوگ آئے تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سردی کے لگنے کی شکایت کی، تو آپ نے انھیں پٹیوں اور تساخین (موزوں) پر مسح کرنے کا حکم دیا۔

مولانا مبارک پوریؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بھی جرابوں پر مسح کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی، کیوں کہ:

(۱) یہ حدیث منقطع ہے، راشد بن سعد کا سماع ثوبانؓ سے ثابت نہیں، یہ بات حافظ ابن

(۱) مثلاً صلوٰۃ الرسول کے مصنف مولانا صادق سیالکوٹی نے۔ دیکھئے کتاب کا ص ۱۰۷)

ابی حاتمؒ نے کتاب المراسیل ص۲۲ پر امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کی ہے کہ راشد بن سعد لــم یسمع من ثوبان.

(۲) علاوہ ازیں تساخین کے لغۃً تین معنیٰ بیان کئے گئے ہیں، لہٰذا صرف جراب کا معنیٰ متعین سمجھ کر جرابوں کے مسح کے جواز پر استدلال درست نہیں ہے۔

(۱) ابن الاثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ تساخین سے مراد خفاف (چمڑے کے موزے ہیں)

(۲) حمزہ اصفہانی کہتے ہیں کہ یہ سر کی ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی جیسے علماء پہنتے تھے،

(۳) بعض اہل لغت کے نزدیک ہر وہ چیز مراد ہے جس سے پاؤں کو گرمایا جائے، خواہ وہ چمڑے کے موزے ہوں، یا جراب، یا کوئی اور چیز۔

اتنے احتمالات کی موجودگی میں صرف جراب کا معنیٰ متعین کرنے کی کیسے گنجائش ہوسکتی ہے؟ مولانا مبارک پوریؒ لکھتے ہیں:

ومــن ادعــیٰ ان الــمـراد بهـا فـی حــدیــث ثـوبـان الـمـذكـور كـل مـایسخن به القدم دون غیره فعلیه بیـان الدلیل الصحیح و دونه خرط القتاد. (تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۱۰۴)

(جو یہ دعویٰ کرے کہ حدیثِ ثوبانؓ میں مذکورہ تساخین سے، ہر وہ چیز مراد ہے جس سے قدموں کو گرمایا جائے، اس پر لازم ہے کہ دلیلِ صحیح بیان کرے، ورنہ اس کے بغیر اس کی بات قتاد کے کانٹوں کو ہاتھوں سے جھاڑنا ہے، یعنی ایسی لاحاصل کوشش، جس کا نتیجہ خود کو ہی پریشانی میں ڈالنا ہے)

لیکن یہ لاحاصل کوشش کون کر رہا ہے۔ اہل حدیث حضرات کی مشہور کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کے مصنف مولانا حکیم صادق سیالکوٹی صاحب، وہ ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تساخین ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے پاؤں سردی سے بچایا جائے، خواہ وہ

چمڑے کے موزے ہوں، یا کپڑے وغیرہ کی جرابیں ہوں، پس اس حدیث تساخین سے ثابت ہوا کہ پاؤں جس چیز سے ملفوف ہوں، اسی پر مسح کیا جاسکتا ہے۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۱۰۸)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''پس ثابت ہوا کہ جورب پاؤں کے لفافے یا لباس کو کہتے ہیں، وہ لباس خواہ چرمی ہو، خواہ سوتی یا اونی وغیرہ، ہم اس پر مسح کر سکتے ہیں۔'' (کتاب مذکور ص ۱۱۰)

اس کے برخلاف، آپ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ کی بات پڑھ چکے، اب ایک بڑے اہلحدیث عالم مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ کی بات بھی سن لیجئے، وہ اسی سلسلے کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''الغرض مندرجہ بالا جرابوں پر مسح کی کوئی دلیل نہیں، قرآن کریم سے، نہ سنت سے، نہ اجماع سے اور نہ قیاس صحیح سے، جیسے کہ آپ نے دیکھ لیا۔''

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۲۷ و ۳۳۳)

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ چمڑے کے موزوں پر مسح کیا جاسکتا ہے، لیکن جراب یعنی آج کل کے جو عام طور پر سوتی، اونی، نائلون کے موزے پہنے جاتے ہیں، خاص طور پر سردی کے موسم میں، ان پر مسح جائز نہیں ہے، انھیں اُتار کر پاؤں دھونا چاہئے، اگر پاؤں نہیں دھوئیں گے اور انہی جرابوں پر مسح کرلیں گے تو وضو صحیح نہیں ہوگا، اور جب وضو صحیح نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔

# تیمّم کا بیان

سورۂ مائدہ میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفعِ حاجت سے آئے یا تم نے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْداً طَيِّباً فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْكُمْ مِّنْهُ.
(آیت-۶)

عورتوں سے مباشرت کی ہو، پس پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اس آیتِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ تیمّم کون کرسکتا ہے اور یہ بھی بتادیا کہ تیمّم وضواور غسل دونوں کے لئے ہوسکتا ہے اور ایک ہی جیسا تیمّم ہوگا، طریقے میں کوئی فرق نہ ہوگا، یہ بات احادیثِ نبویہ سے بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے حضرت جابرؓ کی روایت ابوداؤد ج اص ۶۳۔ اور حضرت عطاء بن رباح کی روایت ابن ماجہ ص ۴۳)

آیتِ کریمہ میں یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ کن کن اعضاء کا تیمّم ہوتا ہے یعنی چہرہ اور دونوں ہاتھ، مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ تیمّم کا طریقہ کیا ہوگا اور ہاتھ میں کہاں تک تیمّم کیا جائے گا۔ لہٰذا احادیثِ نبویہ میں اس کی تفصیل آگئی کہ تیمّم میں دوضربیں ہیں یعنی دومرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے، ایک مرتبہ چہرہ کے لئے اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں کے لئے، اور دونوں ہاتھوں کا تیمّم کہنیوں تک ہوگا، جس طرح وضو میں کہنیوں تک دھویا جاتا ہے۔

(دیکھئے ابن ماجہ ص ۴۳، ابوداؤد ج اص ۶۲، ترمذی ج اص ۲۱)

عن عمار قال كنت فى القوم حين نزلت الرخصة فى المسح بالتراب اذا لم نجد الماء فامرنا فضربنا واحدة للوجه ثم ضربة اخرىٰ لليدين الىٰ المرفقين، رواه البزار قال الحافظ فى الدراية باسناد جيد. (آثار السنن حصہ اول ص ۴۰)

حضرت عمارؓ سے مروی ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جن کے سامنے تیمّم کی رخصت نازل ہوئی تھی، پس حضورؐ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم ایک مرتبہ ہاتھ مٹی پر ماریں، چہرہ کا مسح کرنے کے لئے، اور دوسری مرتبہ ماریں دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنے کے لئے، روایت

کیا اس کو بزاز نے اور حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

التیمم ضربة للوجه وضربة للذراعین الیٰ المرفقین رواه الدارقطنی والحاکم وصححه.

تیمّم ایک ضرب ہے چہرہ کے لئے اور دوسری ضرب ہے دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ روایت کیا اس حدیث کو دارقطنی اور حاکم نے اور اسے صحیح قرار دیا۔

(حوالۂ مذکورہ ومستدرک حاکم ج۱ص۱۸۰)

نافعؒ اور سالمؒ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تیمّم کے لئے دوضربوں کی روایت نقل کی ہے۔ (شرح معانی الآثار ج۱ص۵۶)

بلوغ المرام میں ہے:

عن ابن عمر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم التیمم ضربتان ضربة للوجه و ضربة للیدین الیٰ المرفقین رواه الدارقطنی.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیمّم دوضرب ہے، ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ روایت کیا ہے اسے دارقطنی نے۔

(ص۱۱، مستدرک حاکم ج۱ص۱۷۹)

اب رہی یہ بات کہ تیمّم کس چیز سے کیا جائے؟ آیتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہے، وہ یہ کہ مٹی ہو یا مٹی کی جنس کی کوئی چیز مثلاً ریت، بالو، پتھر، غبار، سرمہ، ہڑتال وغیرہ۔

آیتِ کریمہ میں صعیداً طَیِّباً کے الفاظ آئے ہیں، جن کے معنیٰ ہیں ''پاک زمین'' اور ''زمین'' کے حکم میں مذکورہ تمام چیزیں شامل ہیں، لیکن راکھ سے تیمّم جائز

نہیں، اگر وہ لکڑی کی ہو اور اگر پتھر کے کوئلے کی راکھ ہو تو جائز ہے، کیوں کہ پتھر زمین کی جنس سے ہے۔

عن حذیفة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فضلنا علی الناس بثلٰث جعلت صفوفنا کصفوف الملائکة وجعلت لنا الارض کلها مسجداً وجعلت تربتها لنا طهوراً اذالم نجدالماء. (مسلم ج۱ص۱۹۹)

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم دوسری امتوں پر تین وجوہ سے فضیلت دیئے گئے ہیں، ہماری صفیں، ملائکہ کی صفوں کی طرح بنائی گئیں، ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی اور اس کی مٹی سببِ طہارت بنائی گئی جب کہ ہم پانی نہ پائیں۔

دوسری حدیث میں ہے:

جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً (مسلم ج۱ص۱۹۹، بخاری ج۱ص۶۲)

میرے لئے ساری زمین مسجد اور سببِ طہارت بنادی گئی۔

اس حدیث میں مٹی کی تعیین کے بغیر صراحۃً زمین کو ہی سببِ طہارت فرمایا گیا ہے، حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصعید الطیب وضوء المسلم (ترمذی ج۱ص۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پاک زمین مسلمان کا وضو ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے:

ان ناسا من اهل البادیة اتوا النبی صلی الله علیه وسلم فقالوا انا نکون بالرمال الاشهر الثلاثة

کچھ جنگل کے رہنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے عرض کیا ہم ریت اور بالو کے

او الاربعة ويكون فينا الجنب والحائض والنفساء ولانجد الماء فقال عليكم بالأرض .

(مسند احمد، مستدرک حاکم ج۱ص۱۷۹)

(عمدۃ الرعایہ ج۱ص۹۸)

درمیان تین تین ، چار چار ماہ تک رہتے ہیں اور ہم میں جنبی وحائض اور نفاس والی عورتیں بھی ہوتی ہیں، ہم پانی پاتے نہیں (توہم کیا کریں؟) آپ نے فرمایا تمہارے لئے زمین سے تیمّم کرنا ہے۔

## وہ چیزیں جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے

(۱) پیشاب پائخانہ کے مقام سے جس چیز کا بھی خروج ہو وضوٹوٹ جائے گا، خواہ پیشاب پائخانہ ہو، مذی ہو یا ہوا خارج ہو یا کیڑا وغیرہ نکلے۔

ارشاد باری ہے:

اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ.

(مائدہ آیت ٦)

یا آئے تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لاتقبل صلوٰة من أحدث حتى يتوضأ.

اس شخص کی نماز قبول نہیں جس نے حدث کیا یہاں تک کہ وضو کرلے۔

اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، جب انھوں نے حضر موت میں یہ حدیث بیان کی تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ ماالحدث یااباهريرة (حدث کیا ہے؟ اے ابو ہریرہ!) انھوں نے جواب دیا فساء او ضراط بلا آواز ہوا خارج ہونا یا آواز سے۔

(بخاری ج۱ص۲۵، مسلم ج۱ص۱۱۹)

حضرت علیؓ سے مروی ہے:

سألت النبى صلى الله عليه وسلم من المذى فقال من المذى الوضو

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں سوال کیا، آپ ؐ نے فرمایا

ومن المني الغسل. (ترمذی ج۱ص۱۶) مذی سے وضو ہے اور منی سے غسل ہے۔

(۲) نیند جس سے استرخاء مفاصل ہو (جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں) سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وكاء السّه العينان فمن نام فليتوضأ (ابوداؤد ج۱ص۳۹ عن علیؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرین کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں، پس جو سو گیا، وہ وضو کرے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الوضوء على من نام مضطجعاً فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله. (ترمذی ج۱ص۱۲، ابوداؤد ج۱ص۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو اس شخص پر ہے جو پہلو کے بل لیٹا ہو، اس لئے کہ جب پہلو کے بل لیٹ گیا تو استرخاءِ مفاصل ہوگیا (جوڑ ڈھیلے پڑ گئے۔)

لہٰذا چت لیٹ کر سونا یا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر سونا کہ وہ اگر ہٹادی جائے تو ٹیک لگانے والا گر جائے، ناقضِ وضو ہے، کیوں کہ ان تمام صورتوں میں استرخاءِ مفاصل ہوجاتا ہے، لیکن اس کے علاوہ کھڑے، بیٹھے یا رکوع یا سجدہ میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، کیوں کہ استرخاءِ مفاصل نہیں ہوتا۔ نشہ، بیہوشی اور جنون سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ اس میں بھی استرخاء مفاصل موجود ہے، بلکہ یہ استرخائے مفاصل میں نیند سے بڑھ کر ہے۔

(۳) دم سائل (بہنے والا خون) جو بدن سے نکلے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جسے وضو یا غسل میں دھویا جاتا ہو، ناقضِ وضو ہے، یہ خون خواہ ناک سے بہے جسے نکسیر پھوٹنا کہتے ہیں، یا بدن کے کسی دوسرے حصے سے۔

عن عائشة قالت قال رسول الله

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

صلى الله عليه وسلم من اصابه قئ او رعاف اوقلس او مذى فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن علىٰ صلوته وهو فى ذالک لايتكلم.
(ابن ماجہ ص ۸۷، بلوغ المرام ص ۷)

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے (نماز میں) قے ہوگئی ہو یا نکسیر پھوٹی ہو یا قے کا غلبہ ہو یا مذی کا خروج ہوا ہو، وہ جائے اور وضو کرے پھر اپنی نماز پر بنا کرے، بشرطیکہ اس نے بات چیت نہ کی ہو (یعنی جتنی پڑھ چکا ہے وہیں سے آگے پڑھنا شروع کرے۔)

مؤطا امام مالک میں ہے:

عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا رعف انصرف فتوضأ ثم رجع فبنىٰ ولم يتكلم.
(ص ۱۴، ومؤطا امام محمد ص ۶۲)

نافع ؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب (نماز میں) نکسیر پھوٹتی تو واپس جاتے، وضو کرتے پھر لوٹتے اور بناء کرتے اور کسی سے بات نہ کرتے۔

(۴) قے بھی نواقضِ وضو میں سے ہے بشرطیکہ منھ بھر کر ہو، قے کے ناقضِ وضو ہونے کا تذکرہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں آچکا ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی ج ۱ ص ۱۳ پر یہ روایت بھی موجود ہے:

عن معدان بن ابى طلحة عن ابى الدرداء ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قاء فتوضأ فلقيت ثوبان فى مسجد دمشق فذكرت ذالک له فقال صدق انا صببت له وضوءه.

معدان بن ابی طلحہ سے مروی ہے، انھوں نے ابودرداء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی، پس وضو کیا، (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبانؓ سے ملاقات کی اور اس بات کا ذکر کیا، انھوں نے کہا ابودرداءؓ نے سچ کہا، میں نے ہی حضورؐ کے

وضو کے لئے پانی گرایا تھا۔

(۵) نماز میں عاقل و بالغ کا قہقہہ بھی وضو کو توڑ دیتا ہے:

عن ابی موسیٰ قال بینما رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی بالناس اذادخل رجل فتردی فی حفرة کانت فی المسجد و کان فی بصره ضرر فضحک کثیر من القوم وهم فی الصلوٰة فامر رسول الله صلی الله علیه وسلم من ضحک ان یعید الوضوء ویعید الصلوٰة رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله ثقات والارسال صحیح فی الباب.

(آثار السنن الجزء الاول ص، دارقطنی ص ۵۹)

ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جس درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، ایک آدمی داخل ہوا اور مسجد کے (صحن میں واقع) ایک گڑھے میں گر گیا، اس کی بینائی کمزور تھی، (اس کے گرنے پر) بہت سے لوگ نماز میں ہی ہنس پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو ہنس پڑے تھے وضو اور نماز کے دہرانے کا حکم دیا، اس حدیث کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور اس باب میں یہ ارسال صحیح ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوالعالیہ سے یہی روایت موجود ہے (ج۱ ص ۳۸۸) اس روایت کو مرسلِ صحیح، ابن رشد اندلسی مالکیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (دیکھئے بدایۃ المجتہد ج۱ ص ۳۴)

## اِن چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا

(۱) آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ اونٹ بکری وغیرہ کا گوشت ہو یا کوئی اور چیز۔ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم أکل کتف شاة ثم صلی ولم یتوضأ

(بخاری ج۱ ص ۳۴، مسلم ج۱ ص ۱۵۷)

رسول اللہ ﷺ نے ایک بکری کا اگلا دست کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہاں بکری کا پہلو کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا (حوالہ مذکورہ) اسی طرح ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے گوشت روٹی کھائی مگر کسی نے وضو نہیں کیا۔ (ابن ماجہ ص ۳۸)

(۲) عورت کو چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

کنت انام بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم ورجلای فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلیّ فاذا قام بسطتهما والبیوت یومئذ لیس فیها مصابیح.
(بخاری ج ۱ ص ۲۷، مسلم ج ۱ ص ۱۹۸)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سوئی رہتی تھی، میرے پیر اس طرف پھیلے ہوئے ہوتے تھے جدھر حضورؐ کو سجدہ کرنا ہوتا پس جب سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ سے ٹھوکا دیتے، پس میں اپنے پیر سمیٹ لیتی پس جب کھڑے ہوجاتے تو میں دونوں کو پھیلا دیتی اور اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہیں تھے۔

حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بھی موجود ہے:

ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقبل بعض نسائه ثم یصلی ولا یتوضأ رواه البزار واسناده صحیح
(آثار السنن الجزء الاول ص ۳۹ وابن ماجہ ص ۳۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے، پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے، روایت کیا اسے بزار نے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں لیس فی القبلة وضو (بوسہ میں وضو نہیں ہے)
(کتاب الآثار لامام ابی یوسف ص ۵)

(۳) "مس ذکر" (یعنی عضو تناسل کو چھو دینے) سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

عن طلق بن علی قال قال رجل مست ذکری اوقال الرجل یمسه ذکرہ فی الصلوٰۃ أعلیہ وضوء فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا انما ھو بضعۃ منک .

(ابوداؤد ج ا ص ۳۶، ترمذی ج ا ص ۱۳، ابن ماجہ ص ۳۷)

طلق بن علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا میں نماز میں اپنے عضوتناسل کو چھوؤں یا کوئی شخص اپنا عضوتناسل چھوئے، تو کیا اُسے وضو کرنا پڑے گا، آپؐ نے فرمایا، وہ تمہارے جسم کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے، یعنی جس طرح جسم کے کسی اور حصے کے چھونے سے وضو نہیں، اسی طرح اس کے چھونے بھی وضو نہیں ہے۔

اس روایت کے برخلاف حضرت بسرہؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مسِ ذَکر (عضوتناسل کے چھودینے) سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت طلق بن علیؓ اور حضرت بسرہؓ کی روایت کے درمیان فیصلہ کن نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں:

اخرجہ الخمسۃ وصححہ ابن حبان والطبرانی وابن حزم وقال ابن المدینی ھو احسن من حدیث بسرۃ. (آثارالسنن الجزء الاول ص ۳۶)

اس روایت کو پانچوں (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اورامام احمدؒ) نے بیان کیا ہے اورابن حبانؒ، طبرانیؒ اورابن حزمؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اورابن المدینیؒ نے کہا ہے کہ طلق بن علیؓ کی روایت بسرہؓ کی روایت سے زیادہ عمدہ ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ، حذیفہ بن یمانؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابودرداءؓ وغیرہ بھی مسِ ذَکر سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں، خواہ کپڑا درمیان میں حائل ہو یا نہ حائل ہو۔ (دیکھئے شرح معانی الآثار ج ا ص ۴۰، مؤطا امام محمد ص ۵۰)

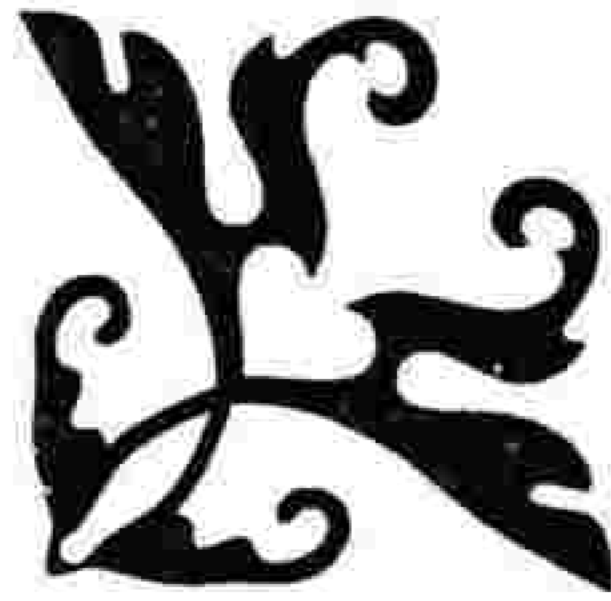
(۴) دودھ پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا

البتہ دودھ پینے والے یا اور کوئی چیز کھانے پینے والے کو چاہئے کہ کلی کر کے نماز پڑھے، خاص طور سے اس وقت جب کہ وہ چکنی ہو۔

| | |
|---|---|
| عن ابن عباس رضی الله عنهما انه شرب اللبن فصلّیٰ. | عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ دودھ پیا پھر نماز پڑھی (وضو نہیں کیا) |
| (آثار امام ابو یوسف ص ۸) | |

مسندِ حارثی میں ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم شرب لبناً فتمضمض وصلّیٰ ولم یتوضأ. (حوالۂ مذکورہ حاشیہ نمبر ۶) | میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دودھ نوش فرمایا، پھر کلی کی اور نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔ |



# اذان واقامت

## اذان کا ثبوت قرآن وحدیث سے

اذان شعائرِ دین میں سے ہے، اذان کا احترام، اذان سے محبت ہر مومن کا ایمانی تقاضا ہے، اوراذان کو کھیل تماشا، ہنسی مذاق کی چیز سمجھنا کفر کی علامت ہے، سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

| | |
|---|---|
| وَاِذانَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُواً وَّلَعِباً ط ذَالِکَ بِأَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ. (آیت ۵۸) | اور جب تم پکارتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو یہ کفار اس کو ہنسی کھیل بناتے ہیں اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ |

اِس آیتِ کریمہ سے نماز کے لئے اذان کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے، اس کے علاوہ سورۂ جمعہ کی درج ذیل آیت سے بھی مشروعیتِ اذان ثابت ہے:

| | |
|---|---|
| اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ. (جمعہ-۹) | جب جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ |

مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| صَلّوا کمَا رَأیْتُمونی اُصلّی فإذا حضرت الصّلوٰۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم. (بخاری ج۱ص۸۸) | نماز پڑھو، جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، پس جب نماز کا وقت آئے تو تم میں کا کوئی اذان دے اور تم میں کا بڑا امامت کرے۔ |

اذان واقامت کے کلمات اس حدیث سے ثابت ہیں جو کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے مروی ہے جس میں انھیں خواب میں فرشتے نے اذان واقامت سکھائی، خواب سے بیدار ہونے کے بعد وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب کا پورا واقعہ بیان کیا، حضورؐ نے ان کے خواب کی تصدیق فرمائی اور حکم دیا کہ بلال کو سکھادو، چنانچہ عبداللہ بن زیدؓ بتاتے جاتے تھے اور حضرت بلالؓ کہتے جاتے تھے، اذان کی آواز سن کر حضرت عمرؓ بھی اپنے گھر سے دوڑتے ہوئے آئے انھوں نے فرمایا یارسول اللہ واللہ لقد رأیت مثل الذی رأی (خدا کی قسم میں نے بھی بالکل یہی خواب دیکھا ہے جو عبداللہ بن زیدؓ نے دیکھا ہے۔ (بخاری ج۱ ص ۸۵، ابن ماجہ ص۵۱، ابوداؤد ج۱ ص ۸۷، ترمذی ج۱ ص۲۶ وغیرہ)

## اذان واقامت کے کلمات

اذان کے کلمات یہ ہیں:

| | |
|---|---|
| اَللّٰهُ اَكْبَر اَللّٰهُ اَكْبَر | اَللّٰهُ اَكْبَر اَللّٰهُ اَكْبَر |
| اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰه | اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰه |
| اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه | اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه |
| حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة | حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة |
| حَيَّ عَلَى الفَلَاح | حَيَّ عَلَى الفَلَاح |
| اَللّٰهُ اَكْبَر اَللّٰهُ اَكْبَر | لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰه |

کلماتِ اذان کی تفصیلات بخاری ج۱ ص۸۵، ابن ماجہ ص۵۱، ابوداؤد ج۱ ص۸۷، ترمذی ج۱ ص۲۷ پر موجود ہیں۔

اقامت کے کلمات وہی ہیں جو اذان کے کلمات ہیں فرق یہ ہے کہ دوسری مرتبہ حَيَّ عَلَى الْفَلَاح کے بعد دو مرتبہ یہ کلمات بھی کہنا ہیں

قَدْقَامَتِ الصَّلوٰۃ قَدْقَامَتِ الصَّلوٰۃ تحقیق کہ نماز کھڑی ہوگئی، تحقیق کہ نماز کھڑی ہوگئی،

اذان کے کلمات بھی دودومرتبہ ہیں، اور تکبیر کے کلمات بھی دودومرتبہ۔ دیکھئے ترمذی ج ا ص ۲۷، اس کے علاوہ ابن ابی شیبہ کی یہ روایت:

عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قال حدثنا اصحاب محمدصلی الله علیہ وسلم ان عبدالله بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی الله علیہ وسلم فقال یارسول الله رأیت فی المنام کانّ رجلا قام وعلیہ بردان اخضران فقام علی حائط فاذن مثنیٰ واقام مثنیٰ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۰۳)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن زید انصاریؓ حضورؐ کی خدمت میں آئے اورعرض کیا اے اللہ کے رسول ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک آدمی کھڑا ہے، اس پر دوسبز چادریں ہیں، اس نے دیوار پر کھڑے ہوکر اذان دی اوردو دومرتبہ کلماتِ اذان اداکئے اوراسی طرح اقامت بھی کہی دودومرتبہ۔

دوسری روایت میں ہے:

عن الاسود بن یزید ان بلالا کان یثنی الاذان ویثنی الاقامة وانه کان یبدأ بالتکبیر ویختم بالتکبیر.

(مصنف عبدالرزاق ج ا ص ۴۶۲، شرح معانی الآثار ج ا ص ۶۶، دارقطنی)

اسود بن یزیدؒ سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ اذان کے کلمات بھی دودومرتبہ اداکرتے تھے، اوراقامت کے کلمات بھی دودومرتبہ اور اللّٰہ اکبر سے اذان شروع کرتے اوراسی پر ختم کرتے۔

حضرت ابومحذورہؓ کی روایت میں بھی اقامت کے ستّرہ کلمات کا ذکر ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اقامت کے کلمات بھی دودومرتبہ ہیں اور یہ سترہ کلمات اذان کے پندرہ کلمات میں قدقامت الصلوٰۃ کے دومرتبہ بڑھ جانے سے ہوئے ہیں،

(دیکھئے ترمذی ج۱ص ۲۷، ابوداؤد ج۱ص ۸۹، نسائی ج۱ص ۱۰۳، ابن ماجہ ص ۵۲، مشکوٰۃ ج۱ص ۶۳، مسند احمد بن حنبل ودارمی وغیرہ)

اس کے علاوہ سوید بن غفلہؓ، ابوجحیفہؓ، سلمہ بن اکوعؓ اور ثوبانؓ کی روایات بھی اذان کی طرح، اقامت کے کلمات کودو دومرتبہ کہنے کا صریح ثبوت ہیں۔ (دیکھئے شرح معانی الآثار ج۱ص ۶۵، آثار السنن الجزء الاول ص ۵۳)

اذان میں ترجیع بھی نہ ہوگی یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰـهَ اِلَّااللّٰـه اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰـه کو پہلے دھیمی آواز سے کہہ کر بلند آواز سے دہرانا نہیں ہے بلکہ صرف بلند آواز سے ہی کہنا ہے، کیوں کہ عبداللہ بن زیدؓ کے خواب والی روایت جس کی حضرت عمرؓ نے بھی تائید وتصویب کی تھی، میں جواذان فرشتوں سے منقول ہے اور وہی اذان کی اساس وبنیاد ہے، اس کے کل پندرہ ہی کلمے بلاترجیع مذکور ہیں۔ (ملاحظہ ہو ترمذی ج۱ص ۲۷، ابوداؤد ج۱ص ۸۷، ابن ماجہ ص ۵۱ وغیرہ) اس کے علاوہ مسلم ج۱ص ۱۶۷ پر حضرت عمرؓ کی روایت جس میں اذان کے جواب کا ذکر ہے اس میں بھی ترجیع نہیں ہے، حضرت بلالؓ جو عہد رسالت کے مؤذن خصوصی تھے، ان کی اذان میں بھی ترجیع نہیں ہے۔ (بخاری ج۱ص ۸۵) عدم ترجیع کی روایتیں صحت کے اعتبار سے قوی اور تعداد کے اعتبار سے کثیر ہیں، مسجد قباء کے مؤذن حضرت سعد قرظ کی اذان میں پندرہ کلمے اور اقامت میں سترہ کلمے ہوا کرتے تھے، اہل مدینہ کا تعامل بھی بلاترجیع تھا۔ (کشف المعضلات ص ۱۶۵) عدم ترجیع کی روایتیں اپنے مدعا میں صریح ہیں جب کہ ترجیع کی روایتیں محتملات سے پُر (حوالۂ مذکورہ)

## فجر کی اذان

فجر کی اذان بھی اسی طرح ہے جس طرح دوسرے وقتوں کی اذانیں، بس اتنا فرق ہے کہ فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دومرتبہ

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم، (نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے) کہنا چاہئے۔ اس کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ کر اذان ختم کرنی چاہئے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۸۸)

## اذان واقامت کا طریقہ

اذان کے کلمات ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنے چاہئیں اور اقامت کے جلدی جلدی۔ (ترمذی ج ا ص ۲۷) ـــــ دونوں انگلیوں کو دونوں کانوں کے سوراخ میں ڈال کر اذان دینی چاہئے، ابن ماجہ کی روایت ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امر بلالا ان يجعل اصبعيه فى اذنيه قال انه ارفع بصوتک. (ص ۵۲)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں، اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر اذان دیں، حضورؐ نے فرمایا تمہاری آواز کو بلند کردے گا۔

## اذان واقامت کا جواب

اذان کا جواب دینے کی بہت فضیلت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔ (مسلم ج ا ص ۱۶۷) اذان کے جواب میں وہی سارے کلمات ادا کئے جائیں گے جو اذان میں ہیں مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے وقت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنا چاہئے۔ (بخاری ج ا ص ۸۶)

اقامت کا جواب بھی بالکل اسی طرح دینا ہے جیسے اس کے کلمات ہیں، یعنی انھیں کلمات کو چپکے چپکے دہرانا ہے مگر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کی جگہ دونوں مرتبہ اَقَامَہَا اللّٰہ وَاَدَامَہَا (اللہ تعالیٰ اس نماز کو قائم ودائم رکھے) کہنا چاہئے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۹۴)

## اذان کی دعاء

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اذان کے بعد یہ دعا پڑھی اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔

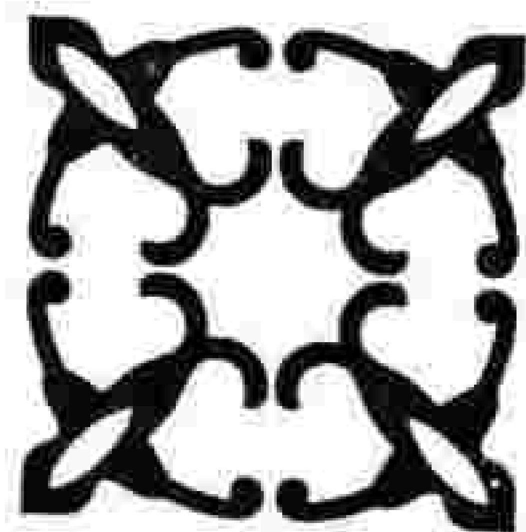
اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَ الصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

(بخاری ج ۱ ص ۸۶، بیہقی ج ۱ ص ۴۱۰)

اے اللہ! جو کہ اِس پوری پکار (اذان) اور قیامت تک قائم رہنے والی نماز کا پروردگار ہے، عطاء کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور پہنچا انھیں اس مقامِ محمود میں جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

شارحینِ حدیث فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اذان کے بعد اس دعاء کو پڑھنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، کیوں کہ حضورؐ کی شفاعت اہل ایمان ہی کے لئے ہوگی۔ (مرقات المفاتیح ج ۱/۴۲۵)

.............



# اوقاتِ نماز

## فجر کا وقت

نمازِ فجر کا وقت طلوعِ صبحِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ووقت صلوٰة الصّبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس.
(مسلم ج۱ص۲۲۳ عن عبداللہ بن عمرو)

نماز صبح کا وقت طلوع صبح صادق سے اس وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہ ہو۔

دوسری حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے:

ولاالفجر المستطيل ولكن الفجر المستطير فی الأفق.

صبحِ کاذب تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے، صبح صادق تو افق میں ہوتی ہے۔

(ترمذی ج۱ص۸۸، مسلم ج۱ص۳۵۰ عن سمرة بن جندب)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کا وقت طلوعِ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے نہ کہ طلوع صبح کاذب سے، اور صبح کاذب کا اجالا طول میں پھیلا ہوا ہوتا ہے، اس کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے، پھر صبحِ صادق نمودار ہوتی ہے اور اس کا اجالا اُفق کی جانب عرض میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

## ظہر کا وقت

ظہر کے وقت کی ابتداء زوال کے بعد سے ہوتی ہے اور اس کا آخری وقت عصر تک ہے۔ اور عصر کے وقت کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب ہر چیز کا سایہ (اصلی سایہ

(ا) کے علاوہ) دو مثل ہو جائے۔

| | |
|---|---|
| عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت الظہر اذازالت الشمس وکان ظل الرجل کطولہ مالم یحضر العصر. (مسلم ج۱ص۲۲۳) | عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ظہر کا وقت اس وقت سے ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہوجائے جب تک عصر کا وقت نہ آئے۔ |

اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت تو زوال کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے، مگر زوال کے فوراً بعد ظہر پڑھنی نہیں ہے بلکہ مؤخر کر کے پڑھنی ہے۔

مؤطا امام مالکؒ میں ہے:

| | |
|---|---|
| عن عبداللہ بن رافع مولی ام سلمة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ سال اباھریرۃ عن وقت الصلوٰۃ فقال ابوھریرۃ انا اخبرک صلی الظھر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک. (مؤطا امام مالکؒ ص۴) | عبداللہ بن رافع جو کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے غلام ہیں، نے حضرت ابوہریرہؓ سے نماز کے وقت کے بارے میں سوال کیا، ابوہریرہؓ نے جواب دیا، سنو! ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے مثل ہوجائے اور عصر اس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے دو مثل ہوجائے۔ |

اس کے علاوہ ظہر کے وقت کے سلسلے میں ان احادیث پر بھی غور کرنا ضروری ہے:

| | |
|---|---|
| (۱) عن ابی ذر الغفاری قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فأراد المؤذن ان | حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، مؤذن نے ارادہ کیا کہ ظہر کی |

(ا) سایہ اصلی کے علاوہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جہاں کہیں بھی ایک مثل یا دو مثل سایہ کا ذکر ہوتا ہے، وہاں سایہ اصلی کی قید بہر حال موجود ہوتی ہے، کیوں کہ سایہ زوال کے بعد پڑنا شروع ہوتا ہے اور زوال کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہی اصلی سایہ کہلاتا ہے۔ (نووی علی المسلم ج۱ص۲۲۴)

يؤذن للظهر فقال النبی صلی الله عليه وسلم ابرد ثم أراد ان يوذن فقال له ابرد حتی رأينا فئ التلول فقال النبی صلی الله عليه وسلم ان شدة الحر من فيح جهنم فاذا اشتد الحرّ فأبردوا بالصلوٰة.

(بخاری ج ا ص ۷۸، مسلم ج ا ص ۲۲۴)

اذان دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھنڈے وقت میں اذان دو، (کچھ دیر کے بعد) پھر اذان کا ارادہ کیا، حضورؐ نے پھر فرمایا، ٹھنڈے وقت میں اذان دو یہاں تک کہ دیکھا ہم نے ٹیلہ کا سایہ، پس حضورؐ نے فرمایا گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے، جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔

(۲) عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال اذا كان اليوم الحارّ فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحرّ من فيح جهنم.

(مسلم ج ا ص ۲۲۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب گرم دن ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔

(۳) عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال اذا كان الحرّ فأبردوا من الصلوٰة فان شدة الحرّ من فيح جهنم وذكر ان النار اشتكت الیٰ ربها فاذن لها فی كل عام بنفسين نفس فی الشتاء ونفس فی الصيف. (حوالۂ مذکورہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب گرمی ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ جہنم نے اپنے پروردگار سے شکایت کی تو اسے سال میں دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی گئی، ایک جاڑے میں، ایک گرمی میں۔

(۴) عن ابی هريرة عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال قالت النار رب اكلنی بعضی بعضاً فاذن

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم نے کہا اے میرے پروردگار! میرے بعض

لی ان أتنفس فاذن لها بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف فما وجدتم من برد اوزمھریر فمن نفس جھنم وما وجدتم من حراو حرور فمن نفس جھنم.

(حوالہٗ مذکورہ)

حصے نے بعض کو کھالیا، پس مجھے سانس لینے کی اجازت مرحمت فرما، چنانچہ اسے دومرتبہ سانس لینے کی اجازت دی گئی، ایک سانس جاڑے میں، ایک گرمی میں۔ پس جوسردی اور ٹھنڈک محسوس کرتے ہو، وہ جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے اور جوگرمی وتپش محسوس کرتے ہو وہ بھی جہنم کے سانس لینے سے ہے۔

یہ احادیث صرف بخاری ومسلم میں نہیں بلکہ بقیہ صحاحِ ستہ ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ کے علاوہ بھی بہت سی کتب حدیث میں موجود ہیں۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے، دوسری طرف موسم گرما میں یہ ٹھنڈا وقت اسی وقت آتا ہے، جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوجائے، خاص طور سے عرب جیسے گرم علاقے میں۔ اب جولوگ ایک مثل پر ظہر کے وقت کو ختم سمجھتے ہیں انھیں غور کرنا چاہئے کہ موسم گرما میں حدیثِ نبویؐ کے مطابق جب ظہر کا افضل وقت آتا ہے تو ان کے یہاں ظہر کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، اور حدیث نبویؐ کے مطابق مستحب وقت میں پڑھی ہوئی نماز ظہر، ان کے نزدیک عصر کے وقت میں ادا ہوتی ہے، یعنی قضا ہوچکی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ مؤطا امام مالک کی روایت میں حضرت ابوہریرہؓ نے عبداللہ بن رافع سے کہا تھا۔

صل الظھر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک.

(ص۴)

ظہر پڑھو، جب تمہارا سایہ تمہارے مثل ہوجائے اور عصر پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے دو مثل ہوجائے۔

یہاں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جس وقت میں نماز ظہر پڑھنے کا حکم دے

رہے ہیں، وہ مثل واحد کے قائلین کے نزدیک اختتام ظہر ہے نہ کہ وقت ظہر۔

ترمذی میں امامتِ جبریلؑ والی روایت میں ہے کہ دوسرے دن جبریلؑ نے ظہر کی نماز ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جانے کے بعد پڑھائی، وصلّی المرة الثانیة الظھر حین کان ظل کل شیئ مثله. (ترمذی ج۱ ص۲۱) ظاہر ہے کہ دوسرے دن کی نمازِ ظہر، مثلِ ثانی میں ہوئی، اس سے صاف پتہ چلا کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک مثل ہو جانے کے بعد بھی رہتا ہے، اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ دو مثل نہ ہو جائے جیسا کہ مؤطا امام مالک کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا۔

بہر حال ان احادیث کا بدیہی تقاضا ہے کہ مثلِ واحد پر وقت ظہر کو ختم نہ کہا جائے بلکہ مثلین تک مانا جائے۔

بہتر یہ ہے کہ نماز ظہر مثل واحد تک پڑھ لی جائے اور نماز عصر مثلین سے قبل نہ پڑھی جائے تا کہ دونوں نمازوں میں احتیاط کے پہلو پر عمل ہو جائے۔

## عصر کا وقت

ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:

من ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر. (بخاری ج۱ ص۸۲، مسلم ج۱ ص۲۲۱)

جس نے عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی اس نے عصر پالی۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ:

لما کان یوم الاحزاب قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ملاء الله قبورھم وبیوتھم ناراً کماجسونا

غزوۂ احزاب کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ کفار کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے، جیسے انھوں

وشغلونا عن الصلوٰة الوسطیٰ حتیٰ غابت الشمس رواه الشیخان ولمسلم فی روایة شغلونا عن الصلوٰة الوسطیٰ صلوٰة العصر.
(بخاری ج ۲ ص ۵۹۰، مسلم ج ا ص ۲۲۶)

نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ نہیں پڑھنے دی، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، مسلم کی روایت میں ہے کہ انھوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر نہیں پڑھنے دی۔

## مغرب کا وقت

نماز مغرب کا وقت سورج ڈوبتے ہی شروع ہوجاتا ہے اور شفق ابیض کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔

ووقت صلوٰة المغرب مالم یغب الشفق. (مسلم ج ا ص ۲۲۳ عن ابن عمرو)

مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔

سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے:

ان رسول الله ﷺ کان یصلی المغرب اذا غربت الشمس وتوارت بالحجاب (بخاری ج ا ص ۷۹، مسلم ج ا ص ۲۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب اُس وقت ادا کرتے جب سورج ڈوب جاتا اور پردہ میں چھپ جاتا۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے:

یصلی المغرب حین تسقط الشمس ویصلی العشاء حین یسود الأفق وربما یؤخرها حتی یجتمع الناس. (ابوداؤد ج ا ص ۷۲)

نماز مغرب پڑھتے جب سورج ڈوب جاتا اور عشاء پڑھتے جب افق پر سیاہی پھیل جاتی اور کبھی اس کو مؤخر بھی کرتے یہاں تک کہ لوگ جمع ہوجاتے۔

بالاتفاق عشاء کا وقت مغرب کا وقت ختم ہونے پر شروع ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ افق کا سیاہ ہوجانا شفق ابیض کے بعد ہی ہوتا ہے، کیوں کہ شفقِ احمر کے بعد

شفقِ ابیض طلوع ہوتی ہے اور شفقِ ابیض کے بعد رات کی سیاہی پھیلنے لگتی ہے۔

## عشاء کا وقت

مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی عشاء کا وقت آجاتا ہے اور طلوع صبح صادق تک رہتا ہے، امامتِ جبرئیل علیہ السلام والی حدیث میں ہے:

وصلی بی العشاء حین غاب الشفق. (ابوداؤد ج اص ۷۱) — مجھے عشاء پڑھائی جب شفق غائب ہوگئی۔

نافع ابن جبیرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کی جانب خط لکھا:

وصلی العشاء أی اللیل شئت ولاتغفلها. (شرح معانی الآثار ج اص ۷۸) — عشاء پڑھو رات کے جس حصے میں چاہو اور اس سے غافل مت ہو۔

عبید بن جریجؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ مَاافراط صلوٰة العشاء (عشاء کا آخری وقت کیا ہے؟) حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیاطلوع الفجر (صبح صادق کا طلوع)۔ (حوالۂ مذکورہ)

## وتر کا وقت

عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھی جاتی ہے، وتر کے متعلق خارجہ بن حذافہؓ روایت کرتے ہیں:

قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ان الله امرکم بصلوٰة هی خیرلکم من حمرالنعم وهی الوتر فجعلها لکم فی مابین العشاء الیٰ طلوع الفجر.

(ابوداؤد ج اص ۲۱۸، ترمذی ج اص ۶۰، ابن ماجہ ص ۸۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا، اللہ نے تم لوگوں کو ایک ایسی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر ہے، پس اسے بنایا ہے تمہارے لئے عشاء اور طلوعِ صبح صادق کے درمیان۔

# مستحب اوقات

یہاں تک نمازِ پنجگانہ کے ابتدائی اور انتہائی اوقات بیان کئے گئے، اب اُن اوقات کو بیان کیا جارہا ہے جن میں نماز پنجگانہ کو ادا کرنا مستحب اور افضل ہے۔

## فجر کا مستحب وقت

نماز فجر کا مستحب وقت یہ ہے کہ اِسفار کر کے پڑھی جائے یعنی ایسے وقت میں شروع ہو کہ روشنی خوب پھیل جائے، لیکن اتنا وقت ضرور ہو کہ اگر خدانخواستہ نماز کو دہرانا پڑجائے تو طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی اسے مستحب طریقے سے دہرایا جاسکے۔

عن رافع بن خديج قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول أسفروا بالفجر فانه أعظم للاجر. (ترمذی ج۱ص۲۲)

رافع بن خدیج ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فجر میں خوب اجالا کرو اس لئے کہ وہ اَجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

نسائی شریف میں ہے:

ماأسفرتم بالصبح فانه أعظم للأجر. (ج۱ص۹۴)

تم صبح کی نماز میں جس قدر اسفار کروگے، وہ اجر کے اعتبار سے بڑا ہے۔

ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے:

أصبحوا بالصبح فانه أعظم لأجوركم أو لأجركم.

(ابن ماجہ ص۴۹، ابوداؤد ج۱ص۷۶)

صبح کی نماز خوب صبح کر کے پڑھو کیوں کہ یہ چیز تمہارے لئے اجروثواب کے اعتبار سے بڑی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا نوّر بصلاة الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلهم من الاِسفار (صبح کی نماز روشنی میں پڑھو یہاں تک کہ لوگ اجالے کی وجہ سے تیراندازی کے نشانہ کو دیکھ لیں) ج۱ص۳۲۱)

## ظہر کا مستحب وقت

گرمی کے موسم میں نماز ظہر میں تاخیر اور سردی کے موسم میں تعجیل افضل ہے، جیسا کہ گرمی میں نماز ظہر پڑھنے کے متعلق بخاری و مسلم کی یہ روایت گزر چکی ہے:

فاذا اشتد الحرّ فأبردوا بالصلوٰة. (بخاری ج۱ص۷۷، مسلم ج۱ص۲۲۴)
جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

یا یہ روایت:

اذا كان اليوم الحار فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحر من فيح جهنم. (مسلم ج۱ص۲۲۴)
جب گرم دن ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی سختی جہنم کے سانس لینے سے ہے۔

اور سردی کے موسم میں نماز ظہر جلد پڑھنے کے متعلق یہ روایت ہے:

عن انس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان الحر ابرد بالصلوٰة واذا كان البرد عجّل. (نسائی ج۱ص۸۷، بخاری ج۱ص۱۲۴)
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم گرمی کے موسم میں نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھتے اور سردی میں جلدی پڑھتے۔

## عصر کا مستحب وقت

عصر کے وقت میں تاخیر مستحب ہے (دیکھئے ترمذی ج۱ص۲۳، ام سلمہؓ کی روایت

نیز تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۴۲ تحت آیتِ کریمہ أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الخ، بخاری ج ۱ ص ۷۹، ابوداؤد ج ۱ ص ۵۹) لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ سورج غروب ہونے کے قریب آ جائے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم تلک صلوة المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا اصفرت وکانت بین قرنی الشیطان قام فنقرها اربعاً لایذکر الله فیها الاقلیلا. (مسلم ج ۱ ص ۲۲۵)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی نماز یہ ہے کہ وہ بیٹھا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب سورج پیلا پڑنے لگتا ہے اور غروب کے قریب ہوتا ہے تو اُٹھ کر جلدی جلدی چار چونچیں مار لیتا ہے اور نہیں یاد کرتا اللہ کو اس میں مگر بہت کم۔

# مغرب کا مستحب وقت

نمازِ مغرب سورج ڈوبتے ہی بلا تاخیر ادا کرنی چاہئے:

عن ابی ایوب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لایزال امتی بخیر اوقال علی الفطرة مالم یؤخروا المغرب الیٰ ان تشتبک النجوم. (ابوداؤد ج ۱ ص ۷۵، ابن ماجہ ص ۵۰ عن عباس ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۱)

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت برابر بھلائی پر رہے گی یا حضورؐ نے فرمایا فطرتِ اسلام پر رہے گی جب تک وہ لوگ مغرب کو اس وقت تک موخر نہیں کریں گے کہ ستارے نکل آئیں۔

مغرب کی اذان کے فوراً بعد جماعت شروع کر دی جائے، نمازِ مغرب سے پہلے کوئی سنت نہیں ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۲ عن ابن عمرؓ، آثار السنن کلاں ج ۱ ص ۳۴۷) اگر سنت پڑھنے لگیں گے تو نمازِ مغرب میں تاخیر ہوگی جو کہ حدیث بالا کے خلاف ہے۔

# عشاء کا مستحب وقت

نمازِ عشاء کو آدھی رات یا تہائی رات تک مؤخر کرنا افضل ہے، (بخاری ج ۱ ص ۷۷و۸۱)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لولا أن اشق على امتى لأمرتهم أن يؤخروا العشاء الىٰ ثلث الليل او نصفه.

(ترمذی ج ۱ ص ۲۳، ابن ماجہ ص ۵۰)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو انھیں ضرور حکم دیتا کہ وہ عشاء کو تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کریں۔

لیکن اگر اتنی تاخیر کرنے سے یہ خطرہ ہو کہ لوگ جماعت میں زیادہ شریک نہ ہوں گے اور جماعت کم ہو جائے گی تو اتنی تاخیر نہیں کرنی چاہئے اور عشاء کا وقت ہو جانے کے بعد ایسے وقت میں نماز پڑھ لینی چاہئے جس میں زیادہ لوگوں کے آنے کا امکان ہو۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نمازِ عشاء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یوں بیان کرتے ہیں:

والعشاء اذا كثر الناس عجّل واذا قلّوا اخّر.

(بخاری ج ۱ ص ۸۰، ابوداؤد ج ۱ ص ۷۳)

اور عشاء، جب لوگ زیادہ ہوتے تو جلد پڑھاتے اور کم ہوتے تو مؤخر کرتے (اس خیال سے کہ جو لوگ نہیں آسکے ہیں وہ آجائیں اور جماعت بڑی ہو جائے)

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت میں لوگوں کی کثرتِ تعداد کا لحاظ کیا جائے گا، جس وقت میں لوگوں کی زیادہ شرکت یقینی ہو، اس وقت میں جماعت ہونی چاہئے اور جس وقت کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ کم تعداد میں لوگ شریک ہوں گے، وہ وقت جماعت کے لئے متعین نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ تکثیرِ جماعت اور تقلیلِ جماعت سے بھی نماز کے

ثواب میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

## وتر کا مستحب وقت

جوآدمی اپنے اوپر یہ اعتماد رکھتا ہو کہ صبحِ صادق سے پہلے بیدار ہوسکتا ہے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے، وتر نہ پڑھے، اس کے بعد صبحِ صادق سے پہلے بیدار ہوکر وتر پڑھے۔

عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من خاف ان لا یقوم من اٰخر اللیل فلیوتر اوله ومن طمع أن یقوم اٰخره فلیوتر اٰخر اللیل فان صلوٰة اٰخر اللیل مشهودة وذالک افضل.
(مسلم ج۱ص ۲۵۸، مشکوٰۃ ج۱ص ۱۱۱)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جسے یہ خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اُٹھ نہیں پائے گا، اسے اوّل شب میں ہی وتر پڑھ لینی چاہئے اور جسے آخر شب میں اُٹھ جانے کی امید ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے، اس لئے کہ آخر شب کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے۔

لیکن جس آدمی کو خوف ہو کہ وہ سوئے گا تو سویا ہی رہ جائے گا، نیند صبحِ صادق سے پہلے نہ کھلے گی، اسے نمازِ عشاء کے ساتھ ہی وتر پڑھ لینی ضروری ہے، جیسا کہ خود حدیث سے ظاہر ہے ــــ اور "اوّل شب" سے مراد عشاء سے قبل نہیں، عشاء کے بعد ہے کیوں کہ وتر کا وقت ہی نمازِ عشاء کے بعد ہے، جیسا کہ وتر کے وقت کی حدیث گزر چکی ہے۔

## اوّل وقت سے کیا مراد ہے؟

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر نماز، ہمیشہ اوّل وقت میں پڑھنا ہی مستحب و مسنون نہیں ہے بلکہ کبھی کسی نماز کی تاخیر مسنون و مستحب ہوتی ہے، کبھی تعجیل، مثلاً

نمازِ عشاء کے متعلق ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں عمل (تعجیل وتاخیر کا) بخاری ومسلم کے حوالے سے گذر چکا ہے، اسی طرح عصر کی نماز بدلی کے موسم میں جلدی پڑھ لینے کا حکم ہے (بخاری ج۱ص۸۳) گرمی کی ظہر ٹھنڈے وقت میں اور سردی میں تعجیل کے ساتھ پڑھنے کی بھی احادیث گذر چکیں، نمازِ فجر کو تکثیر جماعت کی خاطر اِسفار میں پڑھنے کی حدیث بھی گذر چکی، اِسی طرح وتر کے متعلق بھی گزر چکا ہے کہ جو شخص خود سے بیدار ہو سکے، اس کے لئے صبح صادق سے قبل وتر پڑھنا افضل ومستحب ہے اور جسے سوئے رہ جانے کا خطرہ ہو وہ عشاء کے بعد پڑھ لے۔

یہ تمام احادیث اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ تمام نمازوں کو اوّل وقت میں ہی پڑھنے کو افضل ومستحب قرار دینا احادیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

رہیں وہ احادیث جن میں اوّل وقت میں نماز پڑھنے کی تاکید اور فضیلت آئی ہے، تو اس سے مراد مستحب وقت کا اوّل وقت ہے نہ کہ نماز کے پورے وقت کا اوّل، گویا مستحب وقت شروع ہوتے ہی نماز ادا کر لینی چاہئے، اس میں قطعی تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ مثلاً یہ حدیث:

یاعلی ثلٰث لاتؤخرها الصلوٰة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدتها لها كفواً.

(ترمذی ج۱ص۲۴)

اے علیؓ! تین چیزوں کو موخر نہ کرنا، نماز جب اس کا وقت ہوجائے، جنازہ جب حاضر ہوجائے اور بن بیاہی لڑکی، جب اس کا کفول جائے (فوراً) شادی کر دینا۔

یعنی اے علی! جب نماز کا مستحب وقت ہوجائے تو ادائیگی میں تاخیر نہ کرنا اور یہ حدیث:

الوقت الاول من الصلوٰة رضوان

نماز کا اوّل وقت اللہ کی رضامندی کا سبب

الله والوقت الآخر عفو الله.
(ترمذی ج۱ ص۲۴ عن ابن عمر)

ہے اور آخر وقت اللہ کی طرف سے معافی ہے۔

اس حدیث میں بھی اوّل وقت سے مستحب وقت کا اوّل مراد ہے۔

اور یہ حدیث:

عن أم فروة قالت سئل النبی صلی الله علیه وسلم أی الاعمال افضل قال الصلوٰة لأوّل وقتها.
(ترمذی ج۱ ص۲۴، ابوداؤد ج۱ ص۷۶)

ام فروہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا نماز اس کے اوّل وقت میں۔

یہاں بھی اوّل وقت سے مراد مستحب وقت کا اوّل ہے، نہ کہ پورے وقت کا اوّل۔ اسی طرح یہ احادیث:

عن ابی ذر قال قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم یااباذر کیف انت اذا کانت علیک امراء یمیتون الصلوٰة اوقال یؤخرون الصلوٰة قلت یارسول الله فما تأمرنی قال صلی الصلوٰة لوقتها فان ادرکتها معهم فصله فانها لک نافلة. (ابوداؤد ج۱ ص۷۷)

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوذر! تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام مسلّط ہوں گے جو نماز کو مردہ کر کے پڑھیں گے، یا حضورؐ نے یوں فرمایا کہ نماز کو مؤخر کریں گے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ نماز کو نماز کے وقت میں پڑھ لینا، پس اگر ان کے ساتھ بھی پڑھنا پڑ جائے تو وہ بھی پڑھ لینا، وہ تمہارے لئے نفل ہوگی۔

دوسری روایت میں ہے:

عن ابن مسعود قال قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف بکم اذا اتت علیکم امراء یصلون الصلوٰة لغیر میقاتها الخ (حوالۂ مذکورہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام مسلط ہو جائیں گے جو نماز پڑھیں گے مگر غیر وقت میں۔

عبادہ بن صامتؓ کی روایت میں ہے:

تشغلهم اشیاء عن الصلوٰة لوقتها حتی یذهب وقتها. (ابوداؤد ج ا ص ۷۸)

دنیاوی چیزیں انھیں نماز کو نماز کے وقت میں پڑھنے سے غافل کردیں گی یہاں تک کہ نماز کا وقت چلا جائے گا۔

قبیصہؓ بن وقاصؓ کی روایت میں ہے یؤخرون الصلوٰة (نماز کو مؤخر کریں گے۔) (حوالۂ مذکورہ)

ان تمام احادیث کا مطلب یہی ہے کہ وہ امراء کاروبارِ حکومت میں لگے رہیں گے اور نماز سے غافل رہ کر مستحب وقت گزار کر پڑھیں گے، کیوں کہ ایسے وقت میں نماز ادا کرنا کہ نماز کا وقت جانے لگے یا نماز کو مار کر پڑھنا سوائے مکروہ وقت کے کسی اور میں نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ کہ اگر ان تمام احادیث میں ''اوّل وقت'' سے ''وقتِ مستحب'' کا اوّل مراد نہ لیا جائے تو ان احادیث اور سابقہ احادیث میں صریح تعارض پیدا ہو جائے گا جب کہ سابقہ احادیث کی صحت میں کسی کو بھی کلام نہیں۔لہٰذا جمعاً بین الاحادیث ضروری ہے کہ ان احادیث میں اول وقت سے مستحب وقت کا اول مراد ہو، نہ کہ کسی نماز کے پورے وقت کا اوّل (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ۱۶۹ جس میں صراحۃً امام ابن خزیمہؒ نے لکھا ہے کہ ''اوّل وقت'' اپنے لفظی عموم کے باوجود احادیثِ مذکورہ کے پیش نظر عام نہیں)

# اوقاتِ ممنوعہ

## طلوع، غروب، زوال

درج ذیل تین اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے:

(۱) سورج نکلتے وقت (۲) زوال کے وقت (۳) سورج ڈوبتے وقت۔

مسلم شریف کی روایت ہے:

عن عقبة بن عامر قال ثلٰث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا ان نصلى فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (ج ا ص ۲۷۶، بلوغ المرام ص ۱۳)

عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو تین اوقات مین نماز پڑھنے یامردوں کو دفن کرنے (مراد نمازِ جنازہ پڑھنے) سے منع فرمایا ہے، جب سورج نکل رہا ہو یہاں تک کہ نکل کر بلند ہوجائے، اور جب کہ زوال کا وقت ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور جب سورج غروب کے قریب ہو یہاں تک کہ غروب ہوجائے۔

ان اوقات میں نماز جنازہ بھی جائز نہیں کیوں کہ الفاظِ حدیث او نقبر فیھن موتانا سے مراد بالاجماع نماز جنازہ ہی ہے ورنہ اوقاتِ مذکورہ میں تدفینِ میت کسی کے نزدیک بھی ممنوع نہیں ــــــ اسی طرح سجدۂ تلاوت بھی جائز نہیں، کیوں کہ احکام کے اعتبار سے وہ بھی نماز کے معنیٰ میں (۱) ہے۔

---

(۱) لیکن اگر جنازہ اسی وقت تیار ہوا ہو یا آیت سجدہ اسی وقت تلاوت کی ہو تو نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت دونوں جائز ہیں، وقتِ ناقص کا اعتبار کرتے ہوئے۔

البتہ اسی دن کی عصر کی نماز سورج ڈوبتے ہوئے بھی جائز ہے، لیکن نمازِ فجر سورج نکلتے ہوئے جائز نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ فجر کا وقت سورج نکلتے ہی ختم ہوجاتا ہے اور عصر کا وقت سورج ڈوبنے سے ختم نہیں ہوجاتا جب تک کہ بالکل نہ ڈوب جائے، ہاں ڈوبتے وقت، عصر کا وقت کامل نہیں ہوتا، ناقص ہوتا ہے اور وجوبِ ادا، وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے، لہٰذا ناقص وقت میں وجوب بھی ناقص، لہٰذا ادائیگی بھی ناقص ہوگی، اور فجر کے وقت میں سورج نکلنا شروع ہونے تک وقت کامل تھا، لہٰذا وجوب بھی کامل، اور سورج نکلنا شروع ہوتے ہی وقت ختم ہوگیا، لہٰذا کامل وجوب کو ناقص طریقے سے ادا کرنا درست نہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اذا ادرک احدکم سجدۃ من صلوٰۃ العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلوتہ. (بخاری ج ۱ ص ۷۹)

جو شخص سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی پالے اسے چاہئے کہ اپنی نماز مکمل کرے۔ (۲)

## نماز فجر اور نماز عصر کے بعد

نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک، اور نماز عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک، کوئی نفل یا سنت جائز نہیں۔

---

(۲) کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہی حکم حدیث سے نماز فجر کے متعلق بھی ثابت ہوتا ہے، پھر سورج نکلتے ہوئے نماز فجر ادا کرنے کی اجازت کیوں نہیں؟ جواب یہ ہے کہ عقبہ بن عامرؓ کی مذکورہ روایت اور اس روایت میں تعارض پیدا ہوا وہ یہ کہ اُس حدیث سے سورج ڈوبتے وقت اور نکلتے وقت نماز کی ممانعت ثابت ہوئی ہے، اور اس حدیث سے جواز، لہٰذا اصولاً اس بات کی طرف نظر کی گئی کہ سورج نکلتے ہی فجر کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور سورج ڈوبتے ہی عصر کا وقت ختم نہیں ہوجاتا ہے، جب تک سورج مکمل ڈوب نہ جائے، لہٰذا عصر کے وقت میں ناقص وقت کا اعتبار کرنے کی گنجائش نے نماز عصر کے متعلق حدیث کے جزء کو ترجیح دی، اور نماز فجر کے لئے کوئی وجہ ترجیح نہیں جب کہ تعارض پورا پورا موجود ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۹۴)

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ لا صلوٰۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولاصلوٰۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس. (بخاری ج۱ص۸۲، مسلم ج۱ص۲۷۵)

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز صبح کے بعد کوئی نماز نہیں، یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے، اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غائب ہو جائے،

حضرت عمر بن خطابؓ وعبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اِن دونوں اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی احادیث منقول ہیں، (بخاری ج۱ص۸۲، مسلم ج۱ص۲۷۵)

ایک اور روایت میں ہے:

عن معاویة قال انکم لتصلون صلوٰۃ لقد صحبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فمارأیناه یصلیهما وقد نهی عنهما یعنی الرکعتین بعدالعصر. (بخاری ج۱ص۸۳)

حضرت معاویہؓ (اپنے زمانہ کے کچھ لوگوں کو مخاطب کر کے) کہتے ہیں تم لوگ (عصر کے بعد بھی) نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کی ہے، ہم نے حضورؐ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یعنی نماز عصر کے بعد دو رکعتیں،

فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے سنتِ فجر بھی جائز نہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا روایات سے صاف ظاہر ہے، اس کے علاوہ ملاحظہ کیجئے یہ حدیث:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ماتطلع الشمس. (ترمذی ج۱ص۵۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں، وہ انھیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے،

جن روایتوں سے نماز کے بعد ہی سنت پڑھنے کی اجازت ظاہر ہوتی ہے وہ سب

کی سب ضعیف ہیں (دیکھئے ترمذی ج ۱ ص ۵۷، آثار السنن الجزء الثانی ص ۳۴ تا ۳۷ مع حاشیہ)

جس شخص کی سنت کے ساتھ ساتھ نماز فجر بھی چھوٹ گئی ہو وہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد دونوں کی ایک ساتھ قضا کرے، پہلے سنت پڑھے پھر فرض پڑھے جیسا لیلۃ التعریس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔(۱)

(مسلم ج ۱ ص ۲۳۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۷۹، نسائی ج ۱ ص ۱۳۵)

## صبح صادق کے بعد

صبح صادق طلوع ہونے کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ کوئی اور سنت یا نفل پڑھنا مکروہ ہے، کیوں کہ نماز وعبادت میں اس قدر رغبت وخواہش رکھنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم طلوعِ فجر کے بعد دو رکعت سنت ہی پڑھتے تھے، اس کے علاوہ کوئی اور نفل یا سنت نہیں پڑھتے تھے۔

| | |
|---|---|
| عن عبداللہ بن عمر عن اختہ حفصۃ قالت کان رسول اللہ | عبداللہ بن عمرؓ اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ |

(۱) لیلۃ التعریس کا مفہوم ہے رات کے آخری حصے میں قیام، لیلۃ التعریس کا واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب، رات میں سفر کر رہے تھے، رات کے آخری حصے میں طلوعِ صبح صادق سے قبل ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جاگتے رہیں، طلوعِ صبح صادق پر اذان دیں، اور سب لوگوں کو جگائیں، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ سو گئے اور حضرت بلالؓ، اپنے اونٹ کی پالان کی ٹیک لگا کر مشرق کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے کہ اسی طرف سے صبحِ صادق طلوع ہوتی ہے، مگر سب لوگوں کی طرح وہ بھی تھکے ہوئے تھے۔ اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھنے سے انھیں بھی نیند آ گئی، اب سب لوگ سو گئے، کسی کی نیند نہیں کھلی، یہاں تک کہ سورج نکل آیا، سب سے پہلے جس کی نیند کھلی وہ حضور ﷺ تھے، آپ نے جلدی جلدی سب کو جگایا اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کیوں بلالؓ! یہ کیا ہوا؟ حضرت بلالؓ نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ جس ذات نے آپ کو سلایا اسی نے مجھے بھی سلا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے چلو یہ جگہ شیطانوں کا بسیرا ہے، چنانچہ سب لوگ وہاں سے چل پڑے اور کچھ دور جا کر پھر رکے، فجر کی اذان ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کرامؓ نے فجر کی دو رکعت سنت پڑھی پھر جماعت کے ساتھ نماز ہوئی۔

صلی اللہ علیہ وسلم اذا طلع الفجر لایصلی الا رکعتین خفیفتین.
(بخاری ج ۱ ص ۱۵۷، مسلم ج ۱ ص ۲۵۰ واللفظ لہ و ترمذی ج ۱ ص ۵۶)

صلی اللہ علیہ وسلم طلوعِ صبحِ صادق کے بعد سوائے دو ہلکی پھلکی رکعتوں کے کوئی اور (نفل یا سنت) نہیں پڑھتے تھے۔

## غروبِ آفتاب کے بعد

سورج ڈوبنے کے بعد مغرب سے پہلے بھی کوئی نفل جائز نہیں، کیوں کہ یہ تاخیرِ مغرب کو مستلزم ہے جب کہ نمازِ مغرب جلد پڑھنے کی تاکید ہے:

عن ابی ایوب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزال امتی بخیر او قال علی الفطرة مالم یؤخروا المغرب.
(ابوداؤد ج ۱ ص ۷۵)

ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت برابر بھلائی پر رہے گی یا یہ فرمایا کہ فطرتِ اسلام پر رہے گی جب تک وہ لوگ نمازِ مغرب میں تاخیر نہیں کریں گے۔

طاؤسؒ کی روایت میں ہے:

سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال مارأیت احدا یصلیها علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مغرب سے قبل دو رکعتون کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو بھی یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا۔

خلفائے راشدین حضراتِ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وغیرہ نمازِ مغرب سے پہلے کوئی نفل نہیں پڑھتے تھے بلکہ نمازِ مغرب ہی ادا کرتے تھے۔

(آثار امام محمد ص ۳۷، کنز العمال ج ۴ ص ۱۹۲ عن منصور عن ابیہ)

## خطبہ کے وقت

خطبۂ جمعہ کے وقت بھی کوئی نماز جائز نہیں۔ بس خاموشی کے ساتھ خطبہ کی طرف ہی متوجہ رہنا چاہئے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت میں ہے:

| | |
|---|---|
| ثم یصلی ما کتب له ثم ینصت اذا تکلم الامام. (بخاری ج ۱ ص ۱۲۱ و ص ۱۲۴) | پھر نماز پڑھے جو مقرر کی گئی ہے اور جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے۔ |

عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے:

| | |
|---|---|
| اذا قعد الامام علی المنبر فلاصلوٰة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۱) | جب امام منبر پر بیٹھ جائے پس کوئی نماز جائز نہیں۔ |

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| اذا دخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلاصلوٰة ولا کلام حتی یفرغ الامام رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۴) | جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر ہو تو نہ کوئی نماز جائز ہے نہ بات چیت، یہاں تک کہ امام فارغ ہوئے۔ |

اس سلسلے کی مزید مفصل احادیث صفحہ ۳۵۰ پر آرہی ہیں۔



# تعدادِ رکعات

## فرض نمازوں کی تعدادِ رکعات

فجر دو رکعات، ظہر چار رکعات، عصر چار رکعات، مغرب تین رکعات، عشاء چار رکعات ہیں۔ ان نمازوں کی تعدادِ رکعات کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک امت کا اجماعی عملی تواتر تو موجود ہے ہی، اس کے علاوہ ہر کتبِ حدیث کے کتاب الصلوٰۃ میں یہ سارے امور مفصل بیان کردیئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہ کس کی کس رکعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سی سورہ یا کونسا رکوع پڑھا کرتے تھے۔

## سنتِ مؤکدہ

پانچوں نمازوں میں سننِ مؤکدہ بارہ رکعتیں ہیں، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة بنی لهٗ بیت فی الجنة اربعاً قبل الظهر ورکعتین بعدها ورکعتین بعدالمغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر صلوٰة الغداة. (ترمذی ج۱ ص۵۶) | جس نے دن اور رات میں بارہ رکعتیں پڑھیں اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا، چار ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ |

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

ثنتی عشرۃ رکعۃ تطوعاً غیر فریضۃ. بارہ رکعتیں زائد، فرض کے علاوہ (۱)
(ج ا ص ۲۵۱)

## سنتِ غیر مؤکدہ

(۱) ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، (ترمذی ج ا ص ۵۷، ابوداؤد ج ا ص ۱۹۶) ظاہر ہے کہ ظہر کے بعد دو رکعت تو سنتِ مؤکدہ ہوتی تھی، جیسا کہ حدیث گزری۔ اور بقیہ جو بچی وہ سنتِ غیر مؤکدہ ہوئی۔

(۲) ابن عمرؓ کی روایت میں ہے:

رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعاً. (ترمذی ج ا ص ۵۷، ابوداؤد ج ا ص ۱۹۶) اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت پڑھی۔

حضرت علیؓ کی ایک روایت میں دو رکعات کا بھی تذکرہ ہے، (حوالۂ مذکورہ) اس سے ثابت ہوا کہ گنجائش ہو تو چار رکعت پڑھے اور چار کی گنجائش نہ ہو تو دو ہی پڑھ لے۔

(۳) مکحولؒ کی روایت میں مغرب کے بعد دو سنت مؤکدہ کو شامل کر کے کل چار رکعات کا تذکرہ ہے، (دیکھئے مشکوٰۃ ج ا ص ۱۰۵ بحوالۂ بیہقی) ظاہر ہے کہ بعد والی دو سنتِ غیر مؤکدہ میں داخل ہے۔

(۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ماصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علیّ الاصلی اربع رکعات اوست رکعات. (ابوداؤد، ج ا ص ۲۰۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عشاء پڑھ کر میرے پاس آئے، آنے کے بعد چار رکعات یا چھ رکعات پڑھیں۔

---

(۱) وتر کی تعداد رکعات کا مفصل بیان اسی کتاب کے ص ۳۱۷ پر اور نماز جمعہ وعیدین کی تعداد رکعات کا ص ۳۲۸ و ۳۵۹ پر آرہا ہے۔

# جماعت کے احکام

## مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے آداب

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت، پہلے دایاں پاؤں مسجد میں رکھا جائے اور نکلنے کے وقت پہلے بایاں پاؤں مسجد سے نکالا جائے۔ (مستدرک حاکم و فتح الباری ار۴۳۷)

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ — اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب نکلے تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ — اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں

(مسلم ج ا، حدیث نمبر ۱۱۶۵)

## جماعت کے فضائل

جماعت کی نماز، تنہا نماز سے ستائیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ. — جماعت کی نماز، تنہا کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔

(بخاری ج ا ص ۸۹ عن عبداللہ بن عمرؓ)

دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے قصد کرلیا تھا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لئے اذان دی جائے، میں کسی کو حکم دوں کہ وہ نماز پڑھادے، اور میں ان

لوگوں کے یہاں جاؤں جونماز میں حاضر نہیں ہوئے، اوراُن سمیت اُن کے گھروں کوجلادو (بخاری ج ۱ص ۸۹) دوسری روایت میں ہے کہ اگراُن کی عورتوں اوربچوں کا خیال نہ ہوتا( کہ بیچارے بلاقصور ہلاک ہوجائیں گے ) تو میں ضرورایسا کرگزرتا۔

(مشکوٰۃ ج ۱ص ۹۸ بحوالۂ مسنداحمد)

ایک بارایک نابینا صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! مجھے کوئی مسجد تک لانے والانہیں ہے، کیامیں گھر میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دےدی، جب وہ واپس جانے لگےتو حضورؐ نے پھر بلوایااورفرمایا کیاتم اذان کی آواز سنتے ہو؟ انھوں نے عرض کیاجی ہاں۔حضورؐ نے فرمایافَاَجِبْ "توجماعت میں ضرورشریک ہو"

(مسلم ج ۱ص ۲۳۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے مومنِ کامل کی حیثیت سے ملاقات کرے، اسے چاہئے کہ وہ نماز پنجگانہ کو باجماعت ادا کرے۔ پھر عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگرتم منافقوں کی طرح بلاعذر مسجدوں کوچھوڑ کراپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگوگےتواپنے نبی کی سنت کوچھوڑ بیٹھوگے، اوراپنے نبی کی سنت کوچھوڑ دوگےتو گمراہ ہوجاؤگے۔(مسلم ج ۱ص ۲۳۲)

## جماعت کی کم سے کم تعداد

اگردوآدمی بھی ہوں توجماعت قائم ہوجائے گی، ایک امام بنے، دوسرامقتدی۔

| | |
|---|---|
| عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ اثنان فما فوقهما جماعة. (ابن ماجہ ص ۶۹) | ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دویادو کے اوپر جماعت ہیں۔ |

اس صورت میں امام، مقتدی کواپنے دائیں جانب ذرا سا پیچھے کھڑا کرے اوراگرایک اورمقتدی آجائے تواسے بائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے، اورنماز میں ہی امام

آگے بڑھ جائے۔ (اگر آگے بڑھنے کی جگہ ہو) ورنہ مقتدی ہی پیچھے ہٹ کر عام جماعت کی طرح کھڑے ہوں۔ (بخاری ج۱ص۱۰۰)

## امامت کا حق

امامت کا حقدار وہ شخص ہے جو علم وفضل میں بڑھا ہوا ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا۔ (دیکھئے بخاری ج۱ص۹۳) جب کہ قرآن پڑھنے میں حضرت ابی بن کعبؓ ان سے آگے تھے، خود حضورؐ کا ارشاد تھا أقرء کم ابی بن کعب (تم میں سب سے اچھے قاری ابی بن کعبؓ ہیں) لیکن ان کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کا باب یوں باندھا ہے باب اهل العلم و الفضل أحق بالامامة (اہلِ علم وفضل امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ (حوالۂ مذکورہ)

## صفوں کی درستگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

سوّوا صفوفکم فان تسوية الصفوف من اقامة الصلوٰة متفق عليه الا ان عن مسلم من تمام الصلوٰة. (بخاری ج۱ص۱۰۰، مسلم ج۱ص۱۸۲)

اپنی صفوں کو سیدھا رکھو، اس لئے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا اقامتِ صلوٰۃ میں سے ہے، اور مسلم میں ہے کہ نماز کی تمامیت میں سے ہے۔

صفوں کی درستگی کا طریقہ یہ ہے کہ کندھا کندھے سے ملا رہے۔

عن ابی مسعود الانصاری قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح مناكبنا فی الصلوٰة ويقول استووا ولاتختلفوا فتختلف

ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو پکڑتے اور فرماتے سیدھے رہو اور مختلف (مثلاً اوپر نیچے) نہ رہو، ورنہ

قلوبکم. (مسلم ج۱ص۱۸۱)

تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔

دوسری روایت میں ہے:

رصّوا صفوفکم وقاربوا بینهما وحاذوا بالأعناق فوالذی نفسی بیده انی لأری الشیطان یدخل من خلل الصف کانها الحذف.

(ابوداؤد ج۱ص۱۱۳)

اپنی صفوں کو خوب ملاؤ اور قریب قریب کھڑے ہو اور گردنیں ایک دوسرے کے برابر کے رخ پر رکھو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صفوں کے درمیان داخل ہوتا ہے گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

خیارکم ألینکم مناکب فی الصلوٰة. (ابوداؤد ج۱ص۱۱۴)

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو نماز میں کندھوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ نرم ہو۔

یعنی صفوں کی درستگی کے لئے اگر کوئی کندھا پکڑے تو اکڑ کر کندھا سخت نہ کرلے بلکہ اپنے بھائی کی بات مان کر صف کو صحیح اور سیدھا کرلے۔

کندھے سے کندھا ملانے کی کچھ حدیثیں یہ ہیں:

سوّوا صفوفکم وحاذوا بین مناکبکم ولیّنوا فی ایدی اخوانکم وسدوا الخلل رواه احمد.

(مشکوٰۃ ج۱ص۹۹)

صفوں کو برابر رکھو اور کندھے، کندھوں کے مقابل کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو اور رخنہ (چھوٹی ہوئی جگہ) بند کرو۔

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے:

اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب رواه ابوداؤد. (مشکوٰۃ ج۱ص۹۹)

صفیں سیدھی قائم کرو اور کندھے، کندھوں کے مقابل رکھو۔

کندھوں کو ملانے کے ساتھ ساتھ قدم بھی بالکل قریب قریب ہوں اور درمیان میں گنجائش چھوڑ کر نہ کھڑے ہوں اور صفیں بالکل برابر ہوں، (بخاری ۱/۱۰۰، فتح الباری ۲/۲۱۱)

# نماز باجماعت میں قدم اور ٹخنا ملانا

موجودہ زمانہ میں صفوں کی درستگی کے سلسلے میں ایک مسئلہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ نماز باجماعت میں مقتدی ایک دوسرے سے مل کر کس طرح کھڑے ہوں؟

سنت کے مطابق صفوں کو درست کرنے اور مقتدیوں کو کھڑا کرنے کی صورت یہ ہے کہ سب مقتدی قریب قریب کھڑے ہوں، اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوں، درمیان میں جگہ خالی نہ رہے، نہ ہی کوئی شخص، صف میں آگے یا پیچھے نکلا ہوا ہو۔

جمہور علماء امت نے صفوں کی درستگی اور صفوں کے سیدھا رکھنے کا یہی مطلب اور یہی معنیٰ مراد لیا ہے، اس کے بالمقابل کچھ حضرات، ایک نمازی کا ٹخنا اور قدم، دوسرے نمازی کے ٹخنے اور قدم سے ملانا سنت اور ضروری کہتے ہیں، اور جو لوگ ایسا نہ کریں ان پر یہ حضرات زبانِ طعن دراز کرتے ہیں:

ٹخنے سے ٹخنا اور قدم سے قدم ملانے والوں کی دلیل بخاری شریف کا یہ باب اور یہ روایت ہے:

| | |
|---|---|
| باب الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فی الصف وقال النعمان بن بشير رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه. | صف میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہونے کا باب اور نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنا ملا دیتا تھا۔ |

پھر حدیثِ باب یوں ہے:

عن انس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه. (بخاری ج ا ص ۱۰۰)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صفوں کو برابر رکھو، اس لئے کہ میں نے تمہیں اپنی پشت سے (بھی) دیکھتا ہوں، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم، اس کے قدم سے ملاتا تھا۔

غور کیجئے ! اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صرف اتنی ہے کہ صفوں کو برابر رکھو، اس لئے کہ میں تمہیں اپنی پشت سے بھی دیکھتا ہوں۔" ——— حضورؐ کے فرمان میں ٹخنے کو ٹخنے اور قدم کو قدم سے ملانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، البتہ حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں اس کا ذکر ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِن دونوں حضرات کے اقوال میں ٹخنے سے ٹخنا اور قدم سے قدم ملانے سے کیا مراد ہے؟ کیا حقیقۃً ٹخنے سے ٹخنا ملانا اور قدم سے قدم ملانا؟ جو اُن دونوں حضرات کے اقوال کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ یا کچھ اور مراد ہے؟

شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المراد بذالک المبالغة فی تعدیل الصف وسدخلله، وقد ورد الامر بسد خلل الصف والترغیب فیه فی احادیث کثیرة.
(ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الاذان)

اس سے مراد صفوں کی درستگی اور خلا کو پُر کرنے میں مبالغہ ہے۔ صفوں کے خلا کو پُر کرنے کے بارے میں حکم اور ترغیب بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

واشار بهذاالیٰ المبالغة فی تعدیل الصفوف وسد الخلل وقد وردت احادیثٌ کثیرة فی ذالک
(عمدۃ القاری ج۵ ص۲۵۹)

اس سے، صفوں کی درستگی اور خلا کو پر کرنے میں مبالغہ کرنے کی طرف اشارہ ہے، اور اس سلسلے میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔

دونوں شارحین کی باتوں سے ظاہر ہوگیا کہ ٹخنے سے ٹخنا اور قدم سے قدم ملانا، حقیقۃً مراد نہیں، بلکہ صفوں کی درستگی، اسی کو سیدھا رکھنے اور درمیان میں خالی جگہ کو پُر کرنے میں زیادہ سے زیادہ اہتمام اور زیادہ سے زیادہ مبالغہ کرنا مراد ہے۔

خود حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے ہی اس کا حقیقی معنیٰ مراد نہ ہونا، صاف ظاہر ہوجاتا ہے، چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت کے جو الفاظ تعلیقاً بخاری میں نقل ہوئے، اس کی پوری حدیث یوں ہے۔

عن ابی القاسم الجدلی قال سمعت النعمان ابن بشیر یقول اقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم علیٰ الناس بوجهه فقال اقیموا صفوفکم ثلاثا أولیخالفن الله بین قلوبکم قال فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه ورکبته برکبة صاحبه وکعبه بکعبه. (ابوداؤد ج۱ ص۹۷)

ابوالقاسم جدلیؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیر کو سنا وہ کہہ رہے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا رخ لوگوں کی طرف پھیرا اور تین مرتبہ فرمایا اپنی صفوں کو سیدھا رکھو، اللہ کی قسم اگر تم اپنی صفوں کو سیدھا نہیں رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت پیدا کردے گا، نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد سے) میں نے دیکھا کہ ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا گھٹنا، اپنے ساتھی کے گھٹنے سے اور اپنا ٹخنا اپنے ساتھ کے ٹخنے سے ملا دیتا ہے۔

غور کیجئے! نماز کے لئے صف بستہ ہوتے وقت کندھے کو کندھے، گھٹنے کو گھٹنے اور ٹخنے کو ٹخنے سے ملا کر کھڑے ہونے کی صورت کس قسم کی بنے گی؟ کیا اس طرح صف لگانا ممکن ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر اسے بالکل اسی معنیٰ پر محمول کیا جائے جو الفاظ سے ظاہر ہوتے ہیں تو یہ ایک مشکل ترین صورت ہے اور تکلیف مالا یطاق کے قبیل سے ہے۔ یہ بغیر تکلف، تصنع اور کلفت و مشقت ممکن نہیں، پھر شروع سے لے کر آخر تک اس پر برقرار رہنا، اس سے بھی زیادہ مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

فان الزاق الركبة والكعب بالكعب في الصلوٰة مشكل.

نماز میں گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنا ملانا مشکل ہے۔

(بذل المجہود ج۴ص۳۳۰)

مولانا ظفر احمد تھانویؒ لکھتے ہیں:

ولايخفىٰ ان في الزاق الأقدام مع الزاق المناكب بالمناكب مشقة عظيمة لاسيما مع ابقاءها كذالك في اٰخر الصلوٰة كما هو مشاهدة والحرج مدفوع بالنص.

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کندھوں کو کندھوں سے ملانے کے ساتھ قدموں کو قدموں سے ملانے میں مشقتِ عظیمہ ہے، خاص طور سے اس صورت میں جب اس کو اسی طرح نماز کے آخر تک باقی رکھنا ہو جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور حرج نص سے مدفوع ہے۔

(اعلاء السنن ج۴ص۳٦۰)

سورہ حج میں ہے:

مَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (۷۸)

نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں تنگی۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا (۲۸٦)

اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے

بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

ظاہری معنیٰ پر عمل کرنے اور ٹخنے سے ٹخنا ملانے سے پیروں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہو جاتا ہے جو نماز میں خشوع وخضوع کے سراسر خلاف ہے۔

مولانا یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ روایت اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد، راوی کا صف کو درست کرنے اور خلاء کو پُر کرنے میں مبالغہ ہے، جیسا کہ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے اور یہ بات ان کے خلاف جاتی ہے جو ہمارے دیار میں عمل بالسنۃ کے دعویدار اور تمسک بالا حادیث کے زعم میں مبتلا ہیں، وہ اپنے ٹخنوں کو، صف میں کھڑے ہوئے لوگوں کے ٹخنے کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے دونوں قدموں کے درمیان کشادگی کی وجہ سے بہت چوڑے ہو کر اس طرح کھڑے ہوتے ہیں جو تکلف وتصنع تک پہنچتا ہے، اور لوگ طبعی وضع کو بدلتے ہیں اور مناسب خشوع وہیئت کو بگاڑ دیتے ہیں، انھوں نے مقتدیوں کے درمیان خلا کو پُر کرنا چاہا، تو اپنے دونوں قدموں کے درمیان زیادہ خلا اور فاصلہ رکھا، انھوں نے یہ نہیں جانا کہ یہ اس سے زیادہ قبیح ہے۔ (معارف السنن ج۲ص۲۹۷و۲۹۸)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ مل کر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اتنی جگہ نہ چھوٹے کہ تیسرا کھڑا ہو سکے۔ ٹخنے کو ٹخنے اور قدم کو قدم سے حقیقۃً ملانے کا مسئلہ غیر مقلدین کی ایجاد ہے۔ ائمہ اربعہ اس مفہوم کو نہیں لیتے، وہ صرف اسی معنیٰ کو مراد لیتے ہیں جو اوپر بیان ہوا۔ (فیض الباری ج۲ص۲۳۶)

کندھے سے کندھا ملانا، قدم سے قدم ملانا، حقیقۃً اسی وقت ممکن ہے جب سارے نمازیوں کا قد اور سارے نمازیوں کا قدم ایک برابر ہو، جب کہ نمازی مختلف

قد و قامت اور مختلف جسم و جسامت رکھنے والے ہوتے ہیں، لہٰذا حقیقۃً کندھے کو کندھے سے ملا دینا اور قدم کو قدم سے ملا دینا، ناممکن ہوا۔

جو حضرات قدم کو قدم سے حقیقۃً ملانے پر زور دیتے ہیں، وہ بھی صرف قدم کی انگلیاں ملاتے ہیں، نہ کہ پورا قدم، نام لیتے ہیں قدم کا، ملاتے ہیں، قدم کی انگلیاں اور انگلیاں بھی نہیں بلکہ صرف چھنگلی انگلی، ہر کوئی جانتا ہے کہ قدم، ایڑی سے انگلیوں تک کے مجموعے کا نام ہے نہ کہ صرف انگلیوں کا، سوچئے! حدیث پر کہاں عمل ہوا؟ اب سوائے اس کے کوئی اور مطلب نہیں نکلتا کہ ہر نمازی کا قدم، ایک دوسرے کی سیدھ میں ہو، گھٹنا، گھٹنے کی سیدھ میں ہو، ٹخنا، ٹخنے کی سیدھ میں ہو اور بالکل قریب قریب ہوں۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں انوکھا انداز اختیار کیا ہے، کیوں کہ انھوں نے باب باندھا ہے ''کندھے اور قدم کے ملانے کا''۔ جب کہ کندھوں میں حقیقۃً ملانا اس وقت تک متصور نہیں، جب تک پوری صف کے لوگ ایک قد کے نہ ہو۔ اور ایسے ہی قدم کا ملانا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سب لوگ قدم کے اعتبار سے برابر نہ ہوں۔ اور یہ دونوں چیزیں عادۃً محال ہیں، لہٰذا امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں کندھے اور قدم کے ملانے کا تذکرہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں میں، دونوں کو قریب رکھنے اور سیدھ میں رکھنے میں مبالغہ کے سوا، کوئی اور صورت الصاقِ حقیقی والی ممکن نہیں۔ پھر حضرت نعمانؓ کی حدیث کو تعلیقاً ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے دو (کندھے اور قدم) میں جو مراد ہے وہی اس تیسرے (ٹخنے سے ٹخنا ملانے) سے بھی مراد ہے۔ یعنی قربت اور سیدھ میں مبالغہ، کیوں کہ ساری روایات کا سیاق ایک ہے۔

(ہامش اللامع الداری ج ۳ ص ۲۲۸)

اعلاء السنن میں ہے:

ان الزاق تلک الاعضاء باجمعها حقیقة غیر ممکن اذا کان المصلون مختلفی القامة فالمراد منه جعل بعضها فی محاذات بعض. (ج۴ص۳۱۰)

ان سارے اعضاء (گھٹنا) قدم، ٹخنا) کاملانا حقیقۃً غیر ممکن ہے، جب نمازی مختلف قامت کے ہوں، لہٰذا اس سے مراد بعض اعضاء کا بعض کی سیدھ میں رکھنا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''جلدی نہ کرو، اپنے دل میں سوچو! کیا قدموں کے ملانے کے ساتھ کندھوں کا ملانا بغیر ممارستِ شاقہ کے ممکن ہے، بلکہ اس کے بعد بھی ممکن نہیں، لہٰذا یہ غیر مقلدین کی ایجادات میں سے ہے، سلف میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔''

(فیض الباری ۲/۲۲۷)

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

''اقامتِ صف کی حالت میں اتصالِ حقیقی ممکن نہیں ہے، اور حدیث شریف میں سدّ فرجات وخلل (۱) کا حکم آیا ہے۔ حالانکہ اگر پاؤں چکرا کر کھڑے ہوں گے تو دونوں پاؤں کے درمیان ایک وسیع فرجہ پیدا ہو جائے گا (۲) پس اس حالت میں حدیث شریف کے معنیٰ یہی ہوئے کہ مقابلہ اور محاذات، مناکب اور کعاب کا فوت نہ ہونا چاہئے، چنانچہ حدیث شریف ابوداؤد میں بہ تصریح موجود ہے: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولاتذروا فرجات للشیطان (۳)

پس اس سے ظاہر ہے کہ الزاق اور الصاق سے مراد محاذات ہی ہے، نہ الصاق

---

(۱) یعنی کشادگی اور خلا کو پُر کرنے کا حکم ہے، (۲) یعنی دونوں قدموں کے درمیان بہت زیادہ چوڑائی اور جگہ نظر آئے گی۔
(۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو ٹھیک کرو اور مونڈھوں کو ایک دوسرے کے مقابل میں رکھو اور خلا کو بند کرو اور شیطان کے لئے کھلی جگہ نہ چھوڑو۔''

والزاقِ حقیقی۔ ورنہ ادائے ارکانِ نماز میں سخت دشواری پیش آوے گی۔''

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۰۶)

دوسری جگہ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:

''الزاق مناکب والقدم سے اتصالِ صفوف ومحاذاتِ اعضاء مراد ہے۔ اور جو حقیقتِ لحوق مراد ہو تو کعب با کعب کس طرح متصل ہوسکتا ہے کہ آدمی اوپر سے عریض، قدم کے پاس سے دقیق، اگر اقدام کو فراخ کرے اور پھیلا کر رکھے تو خشوع کے خلاف اور موجب کلفت کا ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۶۳)

مولانا اشرف علی تھانویؒ، اسی حدیث سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''حضرت نعمان بن بشیر کی جو روایت ابوداؤد اور صحیح ابن خزیمہ کے حوالہ سے فتح الباری سے نقل کی گئی ہے، وہ صاف طور پر یہ بتلارہی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کرنے سے پہلے لوگوں کو صف سیدھی کرنے کا حکم فرمایا، اس وقت ہر شخص اپنے کندھے کو دوسرے کے کندھے سے اور ٹخنے کو دوسرے کے ٹخنے سے ملاتا تھا، اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ نماز شروع ہوجانے کے بعد نماز کے اندر بھی ٹخنوں کو ٹخنوں سے چپکانا چاہئے۔ کیوں کہ حدیث میں یہ نہیں ہے فرأیت الرجل یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ و کعبہ بکعبہ فی الصلوٰۃ.

اگر فی الصلوٰۃ کا لفظ حدیث میں ہوتا تو اس وقت غیر مقلدین کا استدلال تام ہوسکتا تھا، اور اس کے بغیر استدلال تام نہیں، مطلب یہ ہے کہ جب حضورؐ نے تسویۂ صف کا امر فرمایا اس وقت محاذات اور برابری حاصل کرنے کے لئے کندھے کو کندھے اور ٹخنے کو ٹخنے سے ملا کر دیکھ لیا کرتے تھے کہ محاذات ہوگئی یا نہیں۔ باقی اس کا نماز میں باقی رکھنا کسی دلیل سے ثابت نہیں..........

اگر یہ مان لیا جائے کہ الزاقِ قدم بالقدم شرعاً مطلوب ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ نماز کی ابتداء سے انتہا تک ہر رکن میں مطلوب ہے؟ یا بعض ارکان میں؟ صورت اولیٰ میں

بتلایا جائے کہ بحالتِ قعود الزاق کی کیا صورت ہوگی، اور صورتِ ثانیہ میں بعض ارکان کی تخصیص کس دلیل سے کی جائے گی، اگر یہ کہا جائے کہ بحالتِ قعود الزاق متعذر ہے، اس لئے یہ حالت مستثنیٰ ہے، تو ہم کہیں گے کہ بحالت قیام بھی) یہ الزاق آسان نہیں، اس سے نمازیوں کو قیام میں بہت دشواری ہوتی ہے، چنانچہ تجربہ کرکے دیکھ لیا جائے پس اس الزاق کو ابتداءِ صلوٰۃ کے ساتھ خاص کرنا چاہئے۔

(امداد الاحکام ج ا ص ۲۸۹)

## کندھا و قدم ملانا صحابہؓ میں متروک تھا

بخاری کی زیرِ بحث روایت کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، وہ اپنی روایت نقل کرنے کے بعد صحابہؓ کرام کا کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا ذکر کررہے ہیں۔ مگر دوسری طرف اسی روایت میں مزید وہ یہ بھی کہتے ہیں۔

ولو فعلت كذالك باحدهم اليوم لنفر كأنه بغل شموس.

(فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۹)

اگر آج میں کسی کے ساتھ ایسا کروں (کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملاؤں) تو وہ ایسے بھاگے گا جیسے سرکش خچر۔

وزاد معمر فى روايته ولو فعلت ذالك باحدهم اليوم لنفر كانه بغل شموس. (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۶۰)

معمرؒ نے اپنی روایت میں حضرت انسؓ کے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ اگر میں آج کسی کے ساتھ ایسا کروں تو وہ یوں بھاگے گا جیسے سرکش خچر۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت انسؓ نے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا چھوڑ دیا تھا۔ اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا سنتِ مقصودہ نہیں تھا، ورنہ لوگ ہزار نفرت کرتے، کوئی صحابی، کسی سنت کو، کسی کے نفرت کرنے سے ہرگز نہ چھوڑ سکتے تھے، بلکہ ایسے موقع پر تو اور زیادہ کرتے، تاکہ مردہ سنت کو زندہ کرنے کا ثواب حاصل ہو۔

اس کے برعکس حضرت انسؓ خود ہی بتا رہے ہیں کہ میں اسے چھوڑ چکا ہوں، اگر آج میں یہ کام کسی کے ساتھ کروں تو وہ سرکش خچر کی طرح بھاگے گا، (یعنی اس فعل سے بے زاری اور نفرت کا اظہار کرے گا)

گویا صفوں کی درستگی میں سنتِ مقصودہ وہی ہے جس پر آج تک عمل ہو رہا ہے کہ کندھا، قدم اور ٹخنہ کو ایک سیدھ میں رکھنا اور درمیان میں گنجائش وکشادگی چھوڑے بغیر ملا کر کھڑا ہونا۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

''اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت انسؓ بعد وصالِ نبویؐ کے الزاق کعب بالکعب نہ کرتے تھے، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ الزاق سنتِ مقصودہ نہیں ہے۔ ورنہ صحابی کسی کی نفرت کی وجہ سے اس کو ہرگز ترک نہ کر سکتے تھے، اور نیز نفرت اُس فعل سے ہوا کرتی ہے جو عام طور پر نماز میں نہ کیا جاتا ہو، اور جو فعل عام طور پر سب کرتے ہوں اس سے نفرت نہیں ہوا کرتی، پس اگر یہ الزاق سنتِ مقصودہ ہوتا تو سب صحابہ عام طور پر اس پر عمل کرتے، اور تابعین ان کے عمل دائم وعام کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ یہ سنتِ صلوٰۃ ہے، پھر کسی کو کسی کے الزاقِ کعب سے نفرت ہونے کی کیا وجہ تھی۔ پس حضرت انسؓ کے اس قول سے، جیسا کہ معلوم ہوا کہ وہ لوگوں کی نفرت کے خیال سے الزاق نہ کرتے تھے، ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ فعل صحابہ وتابعین میں عموماً متروک تھا۔ اور یہ دلیل ہے اس فعل کے سنتِ مقصودہ نہ ہونے کی۔

یہی وجہ ہے کہ احادیثِ قولیہ میں الزاقِ کعب کا امر کہیں وارد نہیں، (کما ادّیٰ الیہ نظری) بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں حاذوا بالمناکب وسدوا الخلل وتراصوا وامثالھا وارد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محاذات وفرجات بند کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کا اَمر فرمایا ہے، اِلزاقِ کعب وغیرہ صرف صحابہؓ سے فعلاً منقول ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ صحابہؓ نے حضورؐ

کے ارشادات پر مبالغہ کے ساتھ عمل کرنے کے لئے بعض دفعہ الزاق کیا، اور وہ بھی نماز شروع کرنے سے پہلے، جیسا کہ ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے۔''

(امداد الاحکام ج ۱ ص ۲۹۰)

علاوہ ازیں تعاملِ سلف اور توارث بہت بڑی حجت ہے جو اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ اور جمہور کے ساتھ ہے، کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی حقیقۃً قدم کو قدم سے، کندھے کو کندھے سے، ٹخنے کو ٹخنے سے ملانے کا قائل نہیں، بلکہ صرف صفوں کی درستگی میں خوب مل کر، جڑ کر، خلا پُر کر کے، بغیر گنجائش چھوڑے ہوئے، سیدھے کھڑے ہونے کے قائل تھے۔ (اعلاء السنن ج ۴ ص ۳۶۰)

## ٹانگیں چوڑی کرنے کی دلیل کیا ہے؟

جو لوگ قدم کو قدم سے، بلکہ قدم کی انگلیوں کو دوسرے کے قدم کی انگلیوں سے ملا کر ٹانگوں کو چوڑا کر لیتے ہیں کہ دونوں ٹانگوں کے درمیان بہت زیادہ جگہ اور کشادگی ہو جاتی ہے، آخر اس طرح ٹانگیں چوڑی کرنے اور درمیان میں اتنی زیادہ جگہ بنا دینے کی کونسی حدیث ہے؟

احادیث میں تو صفوں میں گنجائش اور کشادگی چھوڑنے کی ممانعت کی گئی کہ شیطان گھس جائے گا۔

ولا تذروا فرجات للشیطان. (ابوداؤد ج ۱ ص ۹۷)

شیطان کے لئے صفوں میں جگہ خالی نہ چھوڑو۔

فوالذی نفسی بیدہ انی لاریٰ الشیطان یدخل من خلل الصف کانھا الحذف. (حوالۂ مذکورہ)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی خالی جگہ میں گھس آتا ہے،

گویا بھیڑ کا بچہ ہے۔

اسی طرح احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نمازی کے دونوں قدموں کے درمیان زیادہ کشادگی نہ ہو۔ یعنی نہ دونوں قدم بالکل ملے ہوئے ہوں، نہ دونوں کے درمیان بہت جگہ ہوگئی ہو۔

کان ابن عمر لایفرج بین قدمیه ولایمس احداهما بالاخریٰ ولکن بین ذالک لایقارب ولا یباعد. (المغنی ج۱ص ۶۹۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، نہ تو اپنے قدموں کے درمیان بہت کشادگی رکھتے، نہ بالکل ملا دیتے، بلکہ بین بین رکھتے، نہ بالکل قریب کرتے، نہ دور کرتے۔

صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ سے اس طرح کی کوئی بات منقول نہیں کہ وہ جماعت کی نماز اور تنہا نماز میں کھڑے ہونے میں فرق کرتے ہوں۔ یہ نہیں کہ جماعت میں ٹانگیں چوڑی کریں، تنہا میں اتنی چوڑی نہ کریں۔

آج جو لوگ قدم سے قدم بلکہ انگلیوں سے انگلیاں ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اور اس پر بہت زور بھی دیتے ہیں وہ جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو ان کے کھڑے ہونے اور ٹانگوں کی چوڑائی کی کیفیت دوسری ہوتی ہے اور تنہا میں دوسری۔ جبکہ صحابۂ کرام اور تابعین کے کھڑے ہونے، قدموں کے رکھنے، قدموں کے درمیان جگہ چھوڑنے کا انداز تنہا اور جماعت سب میں یکساں ہوتا تھا۔

ابوعبیدہؒ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا کہ اس نے اپنے دونوں قدموں کو ملا دیا تھا، آپ نے فرمایا اس نے سنت پانے میں خطاء کی، اگر یہ آدمی دونوں پیروں کے درمیان ''مراوحہ'' کرتا تو مجھے زیادہ پسند ہوتا۔ (نسائی ج۱ص ۱۰۳)

''مراوحہ'' کہتے ہیں دونوں قدموں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ کرنا، یعنی عبداللہ

بن مسعودؓ چاہتے تھے کہ وہ شخص دونوں قدموں کے درمیان کچھ فاصلہ کر دے، بالکل ملا نہ دے، کیوں کہ اس شخص نے قدم کو قدم سے بالکل ملا دیا تھا تو عبداللہ بن مسعودؓ نے ''مراوحہ'' یعنی دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھنے کی بات کہی۔ اور جب نمازی کے دونوں قدموں کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہوگا، تو دوسرے نمازی کے قدم سے قدم، ٹخنے سے ٹخنا اور گھٹنے سے گھٹنا حقیقۃً مل جانا محال ہوگا۔

جب جب کوئی شخص پاؤں ملانے کے لئے ٹانگیں چوڑی کرے گا تو کندھوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو جائے گا، دونوں کے کندھے نہیں مل پائیں گے، اور اگر بالکل پاؤں کو پاؤں سے، کندھے کو کندھے سے ملا کر نماز پڑھی جائے گی تو نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا، نمازیوں میں دھکم دھکا کی نوبت آجائے گی، پھر آخر حضرت نعمان بن بشیر کی روایت کے مطابق قدم، گھٹنا، ٹخنہ ملانے کی کیفیت کیسے بنے گی؟ اس پر عمل کیسے ہوگا؟ جو لوگ قدم کی انگلیاں ملانے کی بڑی کوششیں کرتے ہیں، وہ خود اسی حدیث کے بقیہ اجزاء کو چھوڑتے ہیں، یعنی گھٹنا، گھٹنے سے نہیں ملتا، کندھا کندھے سے نہیں ملتا، قدم قدم سے نہیں ملتا، صرف قدم کی انگلیاں ملی رہتی ہیں۔

## حالتِ قیام میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ

حالتِ قیام میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ کس طرف ہونا چاہئے؟ آدابِ نماز میں سے ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف رہے، بخاری شریف کا ایک باب بھی اسی کا غماز ہے:

| | |
|---|---|
| باب مایستقبل بأطراف رجلیه للقبلة. (۱۱۲/۱) | اس بات کا باب کہ اپنے پاؤں کے اطراف وانگلیاں قبلہ کی طرف رکھے جائیں |

خواہ قیام کی حالت ہو یا سجدہ کی، ہر حالت میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی جانب

ہونی چاہئیں، اسی طرح رکوع کی حالت ہو یا قومہ کی، پیر کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف ہی رہنا چاہئے۔

جولوگ اپنے قدم کی انگلیاں، دوسروں کے قدم کی انگلیوں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر صرف چھنگلی انگلی سے ملاتے ہیں، ہر شخص مشاہدہ کرسکتا ہے کہ ان کے قدم کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا۔ ترچھا ہوتا ہے اور نماز خلافِ سنت ہو جاتی ہے۔ یہ بات اہل حدیث علماء بھی تسلیم کرتے ہیں، دیکھئے فتاویٰ علماء اہلحدیث ج ۳ ص ۲۰ و ۲۱ وغیرہ۔

## ٹخنا اور قدم ملانے کا حکم حضورؐ نے نہیں دیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صفوں کی درستگی اور مل کر کھڑے ہونے کے متعلق کئی احادیث مروی ہیں، لیکن کسی بھی حدیث میں نہیں آیا کہ ٹخنے سے ٹخنہ، قدم سے قدم اور گھٹنے سے گھٹنا ملایا جائے، اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ قولی حدیث ہے نہ فعلی و عملی، اسی طرح خلفائے راشدین اپنے اپنے عہد خلافت میں صف بندی کا اہتمام کرتے رہے، مگر ان سے بھی قولاً یا عملاً قدم سے قدم، ٹخنہ سے ٹخنہ، گھٹنے سے گھٹنا ملانا ثابت نہیں، خود حضرت نعمان بن بشیرؓ سے بخاری اور ابوداؤد میں بعض صحابۂ کرام کے گھٹنا و ٹخنا ملانے کا ذکر ہے، ان کی یہ روایت ملاحظہ کریں۔

عن النعمان بن بشير قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوى صفوفنا حتى كانما يسوى بها القداح حتى رأى انا قد عقلنا عنه ثم خرج يوماً فقام حتىٰ كاد ان يكبر فراى رجلا بادياً صدره من

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کرتے تھے گویا ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے، یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے کہ ہم کو کس طرح سیدھا

الصف فقال یاعباداللہ لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم . (صحیح مسلم ج۱ص۱۸۲)

اور برابر کھڑا ہونا چاہئے، اس کے بعد ایک دن آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ کھڑے بھی ہوگئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی، جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا، آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں ضرور سیدھی اور درست رکھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ کو ایک دوسرے کے مخالف کردے گا۔

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بأیدی اخوانکم ولاتذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع قطعه الله.

(ابوداؤد ج۱ص۹۷)

صفیں قائم کرو، کندھے ایک دوسرے کی سیدھ میں کرو، خلا کو پُر کرو، (صفوں کی درستگی کے لئے) اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ، شیطان کے لئے صفوں میں خالی جگہ نہ چھوڑو۔ جس نے صف کو ملایا، اللہ اسے ملائے گا، اور جس نے صف کو کاٹا اللہ اس کو کاٹے گا۔

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یتخلل الصف من ناحیة الیٰ ناحیة یمسح صدورنا ومناکبنا ویقول لاتختلفوا فتختلف قلوبکم وکان

صف میں ایک جانب سے دوسری جانب تشریف لے جاتے تھے اور صف کو برابر کرنے کے لئے ہمارے سینوں اور مونڈھوں

يقول ان الله عزوجل وملائكته يصلون على الصفوف الاول.

(ابوداؤد ج ۱ ص ۹۷)

پر دستِ مبارک پھیرتے تھے، اور فرماتے تھے "تم مختلف یعنی آگے پیچھے نہ ہوؤ، ورنہ تمہارے قلوب باہم مختلف ہو جائیں گے، اور فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل اگلی صفوں پر رحمت نازل فرماتا ہے، اور اللہ کے فرشتے اگلی صف والوں کے لئے رحمت کی دعاء کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانے کی بات بخاری میں بیان کی گئی تھی، مگر یہی حضرت انسؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں تو اس میں کندھا اور قدم ملانے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

عن انس بن مالک عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالأعناق فوالذى نفسى بيده انى لأرىٰ الشيطان يدخل من خلل الصف كانها الحذف.

(ابوداؤد ج ۱ ص ۹۷)

حضرت انس بن مالکؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنی صفیں ملاؤ، اور انھیں نزدیک رکھو، اور گردنوں کو برابر ایک سیدھ میں رکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی خالی جگہ میں گھس آتا ہے گویا بھیڑ کا بچہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو مقرر فرمایا تھا، جب تک وہ آپ کو یہ خبر نہ دیدیتا کہ صفیں درست ہوگئیں، آپ تکبیر نہیں کہتے تھے، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں آیا ہے کہ وہ بھی صفوں کی درستگی کا بہت

خیال رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ سیدھے اور برابر ہو جاؤ، حضرت علیؓ فرماتے اے فلاں! آگے ہو، اے فلاں! پیچھے ہو۔

مالک بن عامر انصاری روایت کرتے ہیں کہ:

| | |
|---|---|
| ان عثمان بن عفان کان یقول فی خطبته اذا قامت الصلوٰۃ فاعدلوا الصفوف و حاذوا بالمناکب. (مؤطا امام محمد ص ۸۶) | حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے کہ جب جماعت قائم ہو تو صفوں کو درست کرنا، اور کندھوں کو ایک سیدھ میں برابر کر لینا۔ |

عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۲۵۹ پر تعدیلِ صفوف کے سلسلے کی بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں، مگر ان میں بھی قدم کو قدم سے ملانے، گھٹنے کو گھٹنے سے ملانے، ٹخنے کو ٹخنے سے ملانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اور قارئین دیکھ ہی چکے ہیں کہ ابھی جو احادیثِ کریمہ نقل کی گئی ہیں، ان میں سے کسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھٹنا، ٹخنا اور قدم ملانا ثابت نہیں ہو رہا ہے، صرف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نماز کی صفیں بالکل سیدھی ہونی چاہئیں، درمیان میں جگہ چھوٹی ہوئی نہ ہو، بالکل مل کے کھڑا ہوا جائے۔

## صفوں کی ترتیب

صفوں کی ترتیب اس طرح ہو کہ امام بیچ میں کھڑا ہو، اس کے بعد پہلی صف لگے، وہ پُر ہو جائے تو دوسری، اس طرح تیسری، مگر اس بات کا خیال رہے کہ اگلی صفیں بالغوں کی ہوں اور بچوں کو اس کے بعد الگ صف میں کھڑا کیا جائے اور مخنثوں کی صف اس کے بعد۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۴ عن ابی مالک الاشعری)

| | |
|---|---|
| عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم توسطوا | حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام |

الامام وسدوا الخلل. — کو بیچ میں کھڑا کرو اور رخنہ پُر کرو۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۵)

عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے:

لیلنی منکم أولوا الاولوا الاحلام والنھیٰ ثم الذین یلونھم ثلاثا. (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)

تم میں سے وہ لوگ میرے قریب کھڑے ہوں جو عقل وشعور رکھنے والے بالغ ہیں، پھر وہ جو اُن سے ملے ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں:

اتموا الصف الاول ثم الذی یلیہ فان کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر. (نسائی ج ۱ ص ۱۳۱)

پہلی صف پُر کرو، پھر اس کے بعد والی صف، پس اگر صفوں میں کوئی کمی ہو تو وہ آخر والی صف میں ہو۔

# امام کی ذمہ داری

امام کو مقتدیوں کے حال کی رعایت کرنی چاہئے اور بہت لمبی قرأت، جو قرأتِ مسنونہ سے بھی بڑھ جائے، یا بہت لمبا رکوع وسجدہ جو کہ تسبیحاتِ مسنونہ سے بھی زائد ہو، نہیں کرنا چاہئے، ہاں تنہا پڑھنا ہو تو جتنا جی چاہے طول دے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء. (بخاری ج ۱ ص ۹۷)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے اس لئے کہ جماعت میں ضعیف، بیمار، بوڑھے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور جب تنہا پڑھے تو جتنا چاہے طول دے۔

دوسری روایت میں ہے:

فأيكم ماصلى بالناس فليتجوز فان فيهم الضعيف والكبير وذاالحاجة. (حوالہ مذکورہ)

تم میں سے جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے وہ ذرا عجلت کے ساتھ پڑھائے، اس لئے کہ جماعت میں ضعیف، بوڑھے اور ضرورت والے بھی شامل ہوتے ہیں۔

## مقتدی کے فرائض

مقتدی کو اپنے امام کی مکمل متابعت کرنی چاہئے، امام کے ساتھ نیت باندھنی چاہئے، امام کے ساتھ رکوع، سجدہ کرنا چاہئے، امام کے ساتھ قومہ، جلسہ، سلام وغیرہ کرے، لیکن امام سے پہلے نہیں بلکہ کچھ بعد میں، یعنی نہ امام سے پہلے نیت باندھنی جائز ہے نہ امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں جانا یا سلام پھیرنا، لیکن اتنی تاخیر بھی نہ ہو کہ مثلاً امام سجدہ سے سر اُٹھالے تو یہ جائے ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

عن انس قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فلما قضى صلاته اقبل علينا بوجهه فقال ايها الناس انى امامكم فلاتسبقونى بالركوع ولا بالسجود ولابالقيام. (مسلم ج ۱ ص ۱۸۰)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں، پس رکوع، سجدہ اور قیام میں مجھ پر سبقت نہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے:

لاتبادروا الامام اذا كبّر فكبّروا. (مسلم ج ۱ ص ۱۷۲)

امام پر سبقت نہ کرو، جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو۔

رکوع یا سجدہ میں جو شخص امام سے پہلے سر اُٹھالے اس کے لئے بڑی سخت وعید آئی ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم امایخشی الذی یرفع رأسه قبل الامام ان یحول الله رأسه رأس حمار. (بخاری ج ا ص ۹۶، مسلم ج ا ص ۱۸۱)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کیا وہ شخص ڈرتا نہیں جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیتا ہے، یہ کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سر بنادے۔''

مقتدی کو سارے ارکان امام کی طرح ہی ادا کرنے ہیں، مگر قرأت، خواہ سورۂ فاتحہ کی ہو یا کسی بھی سورہ کی، امام کے ساتھ نہیں کرنی چاہئے بلکہ چُپ چاپ امام کی قرأت کو سننا ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا. (ابن ماجہ ص ۶۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہو۔

یہی روایت نسائی ج ا ص ۱۴۶ پر بھی موجود ہے۔

مسلم کی روایت جو کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت قتادہؓ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں:

واذا قرأ فانصتوا. (مسلم ج ا ص ۱۷۴)

اور جب قرأت کرے تو خاموش رہو۔

مقتدی کو چاہئے کہ امام کو جس حال میں پائے جماعت میں شریک ہوجائے، اب اگر قیام یا رکوع میں پایا ہے تو وہ رکعت پالی ورنہ وہ رکعت شمار نہ ہوگی۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذاجئتم الیٰ الصلوٰة ونحن

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نماز کے

| | |
|---|---|
| سجود فاسجدوا ولا تعدوه شیئا ومن ادرک رکعة فقد ادرک الصلوٰة. (ابوداؤد ج ا ص ۱۴۵) | لئے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کو شمار نہ کرو اور جس نے رکعت پالی اس نے نماز پالی۔ |

اس حدیث میں رکعۃ بالاتفاق بمعنی رکوع ہے، اس مسئلہ کی مزید تفصیل ص ۴۸۰ پر آئے گی۔

دوسری حدیث جو کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اذاأتی احدکم الصلوٰة والامام علی حال فلیصنع کمایصنع الامام. (ترمذی ج ا ص ۷۶) | جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حال مین ہوتو خود بھی ویسا ہی کرے جیسے امام کر رہا ہے۔ |

# قرأتِ مسنونہ

**نمازِ فجر کے لئے:-** نماز فجر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سورۂ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ. وَاللَّيْلِ اِذَاعَسْعَسَ اور سورۂ مومنون پڑھی، کبھی قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْد پڑھا (مسلم ج ا ص ۱۸۶) کبھی سورہ وَطُورِ، کبھی سورۂ تکویر وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ الخ پڑھی (ابوداؤد ج ا ص ۱۳۴، بخاری ج ا ص ۱۰۶، نسائی ج ا ص ۱۵۱)

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ آلٓمٓ تنزیل پہلی رکعت میں اور سورۂ دہر دوسری رکعت میں پڑھتے تھے۔ (بخاری ج ا ص ۱۲۲)

**نماز ظہر کے لئے:-** نماز ظہر میں حضورؐ نے کبھی وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰى پڑھی۔ (مشکوٰۃ ج ا ص ۷۹)

ایک روایت میں ہے کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر کی دونوں رکعتوں میں

اتنی دیر قیام فرماتے جتنی کہ آلمٓ تنزیل السجدہ کے پڑھنے میں لگے، بعض روایتوں میں ہے کہ تیس آیت کی مقدار ایک رکعت میں قیام فرماتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۵)

**نمازِ عصر کے لئے:-** نمازِ عصر میں حضورؐ نے کبھی سورۂ وَاللَّيْلِ اور سورہ أعلیٰ پڑھی، کبھی وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ اور وَالسَّماءِ وَالطَّارِقِ پڑھی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۹، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۳) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نمازِ عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں حضورؐ کا قیام، نمازِ ظہر کی پہلی دونوں رکعتوں کے قیام سے نصف ہوتا تھا۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۵)

**نمازِ مغرب کے لئے:-** نمازِ مغرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سورہ طور، سورۂ مرسلات پڑھی، کبھی پوری سورہ اعراف دونوں رکعتوں میں پڑھی، کبھی حٰمٓ الدخان پڑھی، کبھی سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۵، مسلم ج ۱ ص ۱۸۷، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، ابن ماجہ ص ٦٠)

**نمازِ عشاء کے لئے:-** نمازِ عشاء میں کبھی حضورؐ نے سورۂ والتین، کبھی سورۂ والشمس پڑھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۵، مسلم ج ۱ ص ۱۸۷) کبھی سورۂ والشمس والليل اور سورۂ اعلیٰ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۵۵)

**نمازِ وتر کے لئے:-** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ دوسری میں سورۂ کافرون، تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے (ترمذی ج ۱ ص ٦١، نسائی ج ۱ ص ۲۵۱) کبھی تینوں رکعتوں میں نو سورتیں پڑھیں، ہر رکعت میں تین سورتیں اور آخری رکعت میں جو تین سورتیں پڑھتے تھے، ان میں آخری سورہ، سورہ اخلاص ہوتی تھی۔

(ترمذی ج ۱ ص ٦١)

**نمازِ جمعہ کے لئے:-** نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ جمعہ، دوسری میں إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ پڑھتے تھے۔ کبھی سورۂ أعلیٰ اور سورۂ

غاشیہ پڑھی۔ (مسلم ج ۱ص ۲۸۷و۲۸۸)

**نمازِ عیدین کے لئے:-** عیدین میں بھی یہی دونوں سورتیں پڑھی ہیں۔ جب کبھی عید، جمعہ کے دن پڑی تو جمعہ وعید دونوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھیں، (مسلم ج ۱ص ۲۸۸) کبھی عیدین میں سورۂ قٓ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ پڑھیں (مسلم ج ۱ص ۲۹۱)

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے سلسلے میں جو تفصیلات ملتی ہیں اُن سے مجموعی طور پر پتہ چلتا ہے، نمازِ فجر وظہر میں طوالِ مفصّل نمازِ عصر وعشاء میں اَوساطِ مفصل اور نمازِ مغرب میں قِصارِ مفصّل پڑھنا مسنون ومستحب ہے۔ (نسائی ج ۱ص ۱۵۴، مشکوۃ ۱ص ۸۰)

**طِوالِ مفصّل:-** حجرات سے بروج تک کی سورتیں، طوالِ مفصل کہلاتی ہیں۔

**اَوساطِ مفصل:-** بروج سے لم یکن تک کی سورتیں، اَوساط مفصل کہلاتی ہیں۔

**قِصارِ مفصل:-** لم یکن سے ناس تک کی سورتیں، قصار مفصل کہلاتی ہیں۔

یہ اُس وقت کی بات ہے جب اطمینان سے نماز پڑھنے کا موقع ہو۔ ورنہ سفر یا دیگر ضرورت کے موقع پر حالات کے تقاضے کے مطابق بڑی سورتوں کی جگہ چھوٹی سورتیں پڑھی جا سکتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کی ایک رکعت میں سورۂ کافرون دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھی۔ کبھی دونوں رکعتوں میں اِذَا زُلْزِلَت پڑھی (ابوداؤد ج ۱ص ۱۳۴) ایک بار سفر میں نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ فلق، دوسری میں سورۂ ناس پڑھی۔ (نسائی ج ۱ص ۱۵۱)

نمازِ فجر کی دونوں رکعتوں اور نماز مغرب وعشاء کی پہلی دونوں رکعتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہراً قرأت فرماتے تھے، اسی طرح جمعہ وعیدین میں بھی۔ نماز ظہر وعصر کی چاروں رکعتوں نمازِ مغرب کی تیسری اور نمازِ عشاء کی دونوں آخری رکعتوں میں سراً پڑھتے

تھے۔ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت وغیرہ صرف پہلی ہی دو رکعتوں میں ملاتے تھے، تیسری یا چوتھی میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اور پہلی رکعت کی قرأت دوسری رکعت سے لمبی ہوتی تھی۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ج ا ص ۷۸، باب القرأت فی الصلوٰۃ وغیرہ)

جہاں سورہ ملائی ہوتی ہے، وہاں یا تو سورہ پڑھی جائے یا کسی سورہ کی کچھ آیتیں، مگر وہ آیتیں چھوٹی ہوں تو کم از کم تین ضرور ہوں اور بڑی ہو تو تین آیت کے برابر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے یہی ثابت ہے۔

## جماعت ہو رہی ہو تو آنیوالا کیا کرے؟

کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو اسے فوراً جماعت میں شریک ہو جانا چاہئے، اگرچہ ظہر کا وقت ہو، پھر بھی سنت نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شریک ہو، اور سنت بعد میں پڑھے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه سلم اذا اقیمت الصلوٰة فلاصلوٰة الاالمکتوبة . (مسلم ج ا ص ۲۴۷)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے تو کوئی نماز جائز نہیں سوائے فرض کے۔

## فجر کی سنت کا حکم

البتہ فجر کی سنت اس سے مستثنیٰ ہے۔ جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنت اس وقت تک ضرور پڑھنا چاہئے جب تک یہ گمان ہو کہ سنت پڑھ کر کم از کم ایک رکعت امام کے ساتھ ضرور پا جاؤں گا۔ کیوں کہ ایک رکعت پانے والے کو بھی جماعت کا ثواب ملتا ہے، لہٰذا جب تک جماعت کا ثواب مل جانے کی امید ہو سنتِ فجر پڑھے، لیکن اگر ایک

رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہوتو سنتِ فجر چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور پھر سورج نکلنے کے بعد ان کی قضا کرے۔

سنتِ فجر کا استثناء اس لئے ہے کہ کسی سنت کی اتنی تاکید نہیں آئی جتنی کہ اس سنت کے لئے ہے، اور کسی سنت کی اتنی فضیلت نہیں جتنی اِس سنت کی ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتا الفجر خير من الدنيا ومافيها. (مسلم ج۱ص۲۵۱)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی ہی دوسری روایت میں ہے:

لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم على شئ من النوافل أشد تعاهداً منه على ركعتي الفجر.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی اور حفاظت نہیں کرتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی۔

(بخاری ج۱ص۱۵۶، مسلم ج۱ص۲۵۱)

سنتِ فجر کی اہمیت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ قضا نمازوں کے پڑھتے وقت سنتوں کی قضا نہیں ہوتی بلکہ صرف فرائض وواجبات کی قضا ہوتی ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں نمازِ فجر کی قضا پڑھتے وقت سنتِ فجر کی بھی قضا کی (مسلم ج۱ص۲۳۸، ابوداؤد ج۱ص۹۷، صحیح ابن خزیمہ ج۲ص۱۰۰) اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سنت کے پڑھنے کی جتنی جلدی ہوتی تھی کسی سنت کی اتنی جلدی نہیں ہوتی تھی۔

(مسلم ج۱ص۲۵۱ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ)

امت کو اِس سنت کی تاکید اس حدیث میں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول

صلی علیہ وسلم لاتدعوا رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل. (ابوداؤد ج۱ص۱۹۵)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فجر کی دورکعتوں کو نہ چھوڑو خواہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

ابوداؤد کے اسی صفحہ پر اس حدیث سے پہلے حضرت بلالؓ کی ایک روایت موجود ہے، جس میں سنتِ فجر کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غایتِ اہتمام ظاہر ہوتا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ ایک طرف اوپر والی حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب اقامت کہدی جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی اور نماز جائز نہیں، دوسری طرف یہ احادیث ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فجر کی سنت کو ہر حال میں پڑھنا ہے، خواہ مصلّی پر کچھ بھی گزر جائے۔ لہٰذا جمعاً بین الحدیثین، اور سنتوں کے برخلاف، سنتِ فجر کے لئے اتنی گنجائش دی گئی کہ جب تک جماعت کی فضیلت مل جانے کی امید ہو، اس سنت کو ترک نہ کرے اور صحیح وقت پر ہی اسے ادا کرے (یعنی فرض سے پہلے) لیکن اگر یہ خطرہ ہو کہ سنت میں مشغول ہونے پر جماعت کا ثواب ہی چلا جائے گا تو مجبوراً اسے مؤخر کرے۔ جماعت میں شریک ہو اور سورج نکلنے کے بعد اس کی قضا کرے (جماعت کے بعد نہیں پڑھ سکتا کیوں کہ فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک کسی نفل وغیرہ کے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ اوقاتِ ممنوعہ کی تفصیل میں گزرا۔)

## صحابۂ کرام کا طرزِ عمل

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرزِ عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے باوجود سنتِ فجر پڑھی جا سکتی ہے، البتہ جماعت کی صفوں سے الگ ہو کر کسی گوشے وغیرہ میں پڑھی جائے۔

عن مالک بن مغول قال سمعت

مالک بن مغولؒ کہتے ہیں کہ میں نے نافعؒ

نافعاً یقول ایقظت ابن عمر لصلوٰۃ الفجر وقد اقیمت الصلوٰۃ فقام فصلّٰی رکعتین.

(طحاوی شریف ج ۱ص ۱۸۳)

کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نماز فجر کے لئے جگایا اور نماز کی اقامت کہی جا چکی تھی، پس کھڑے ہوئے، پس دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت ابودرداءؓ کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت موجود ہے:

انہ کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلوٰۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوٰۃ.

(حوالۂ مذکورہ)

حضرت ابودرداءؓ مسجد میں داخل ہوتے اور لوگ نمازِ فجر مین صف بستہ ہوتے پس مسجد کے گوشے میں دو رکعت پڑھتے، پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے۔

حضراتِ صحابہ میں عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعریؓ، حذیفہؓ، عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے اور حضراتِ تابعین میں ابوعثمان نہدیؒ، مسروقؒ اور حسن بصریؒ سے بھی۔ (دیکھئے طحاوی ج ۱ص ۱۸۳، آثارالسنن الجزءالثانی ص ۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۲۵۰)

## سترہ کا بیان

اگر ایسی جگہ، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا جماعت ہو رہی ہو، جہاں آگے سے لوگوں کے گزرنے کا امکان ہو تو آگے سُترہ قائم کر لینا چاہئے تا کہ گزرنے والے سُترہ کے بعد سے گزریں اور گنہگار نہ ہوں اور یہ بھی ان کو گنہگار بنانے یا پریشانی میں مبتلا کرنے کا باعث نہ بنے۔

سُترہ کا مطلب کوئی ایسی چیز رکھ لے جو کم از کم ایک ہاتھ لمبی اور انگلی کے برابر موٹی ہو۔

عن طلحۃ بن عبیداللہ قال قال

طلحہ بن عبیداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول

رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا وضع احدکم بین یدیه مثل موخرة الرحل فلیصل ولایبال من وراء ذالک. (مسلم ج۱ص۱۹۵)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوہ کے آخری حصہ کے برابر کوئی چیز رکھ لے، تو نماز پڑھے، اوراس کے آگے سے گزرنے والوں کی پروانہ کرے۔

مؤخرة الرحل (کجاوہ کے آخری حصہ) کی لمبائی اکثر ایک ذراع (ایک ہاتھ) ہوتی تھی۔

دوسری حدیث میں ہے:

عن ابن عمر قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یغدوالیٰ المصلی والعنزة بین یدیه تحمل وتنصب بالمصلی بین یدیه فیصلی الیها. (بخاری ج۱ص۱۳۳)

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عیدگاہ تشریف لے جاتے توبرچھی حضورؐ کے سامنے عیدگاہ میں کھڑی کردی جاتی اورآپ اسی طرف نماز پڑھتے۔

عنزة (برچھی یانیزہ) کی بھی لمبائی ایک ذراع ہوتی تھی اورموٹائی ایک انگلی کے برابر۔

نماز پڑھنے والےکوچاہئے کہ سُترہ سجدہ گاہ کے قریب رکھے نہ کہ بہت دورتاکہ گزرنے والوں کوبہت آگے سے نہ گزرنا پڑے۔

اذاصلیٰ احدکم الیٰ سترة فلیدن منها. (ابوداؤدج۱ص۱۱۷)

جب کوئی سترہ کی طرف نماز پڑھے تواس سے قریب رہے۔

سُترہ اپنی پیشانی کے بالکل مقابل نہ رکھے بلکہ دائیں یابائیں بھوں کی طرف ہٹاکررکھے۔

عن المقداد بن الاسود قال

مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول

ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى الىٰ عود ولا عمود ولا شجرة الا جعله على حاجبه الايمن او الايسر ولا يصمد له صمداً.

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونہیں دیکھا کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہوئے، مگر یہ کہ آپ اُسے دائیں یا بائیں اَبرو کی طرف رکھتے تھے اور بالکل ہی سیدھے اس کی طرف رخ نہیں کرتے تھے۔

اگر باجماعت نماز ہورہی ہوتو ہر ہر مصلی کے آگے سترہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف امام کے آگے سترہ ہونا چاہئے، امام کا سترہ، تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہوگا۔ بخاری و مسلم کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع پر صحرا و میدان میں نماز پڑھائی اور سُترہ صرف حضورؐ کے ہی آگے ہوتا تھا، گزرنے والے سترہ کے آگے، ہرایک کے سامنے سے گزرتے رہتے تھے۔ (بخاری ج۱ص۷۱)

سُترہ کے مسائل پر مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے طحاوی شریف ج۱ص۲۲۱، مشکوٰۃ شریف ج۱ص۷۳۔

## نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ

نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لو يعلم المار بين يدى المصلى ماذا عليه لكان ان يقف اربعين خيراً له من ان يمر بين يديه.
(مسلم ج۱ص۱۹۷، مشکوٰۃ ج۱ص۷۴)

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جان لے کہ اس پر کتنا بڑا گناہ لکھا گیا تو نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر، اس کے لئے چالیس سال تک کھڑا رہنا ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اگر اسے گناہ کا اندازہ ہو جائے تو وہ زمین میں دھنس

جانے کو اس گناہ کے مقابلے میں اپنے لئے زیادہ آسان سمجھے گا۔ (مؤطا امام مالک ص ۵۹)

سترہ قائم ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص سترہ کے درمیان سے گزر رہا ہے تو اُسے سختی سے باز رکھنا چاہئے۔ (بخاری ج ۱ ص ۷۲، مسلم ج ۱ ص ۱۹۶)

## مسجدِ محلّہ میں جماعتِ ثانیہ

شریعت کا حکم یہ ہے کہ اذان سنتے ہی لوگ مسجد میں حاضر ہو جائیں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، جو لوگ اذان سننے کے بعد ٹال مٹول میں لگے رہتے ہیں یا جماعت سے غیر حاضر رہتے ہیں، یہ حدیث ان کے فعل کو سخت مذموم قرار دیتی ہے۔

عن ابی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد ناسا فى بعض الصلوات فقال لقدهممت أن اٰمر رجلا يصلى بالناس ثم أخالف الى رجال يتخلفون عنها فاٰمر بهم فيحرقوا عليهم بحزم الحطب بيوتهم الخ (مسلم ۱/۲۳۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے بعض نمازوں میں کچھ لوگوں کو نہ پایا، تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں کسی آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، اور (خود) اُن لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور حکم دوں کہ اُن پر، اُن کے گھر، لکڑیوں کے گٹھروں سے جلا دیئے جائیں۔

دوسری روایت میں ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں:

لقد هممت أن اٰمر رجلاً يصلى بالناس فى جماعة ثم انصرف الىٰ قوم سمعوا النداء، فلم يجيبوا فاضرمها عليهم نارا أنه لايتخلف عنها الا منافق.

تحقیق کہ میں نے ارادہ کیا کہ کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں اُن اُن لوگوں کی طرف جاؤں جو اذان سنتے ہیں، لیکن جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، پس میں انھیں آگ سے جلا ڈالوں، سن لو! جماعت

(مجمع الزوائد ۱/۱۵۹) سے وہی پیچھے رہتا ہے جو منافق ہوتا ہے۔

احادیثِ بالا سے ظاہر ہوا کہ اصل جماعت، جو شریعت نے مقرر کی ہے، وہ پہلی جماعت ہے، اس سے پیچھے رہ جانا، اس میں شریک ہونے میں کسی قسم کی کوتاہی کرنا سخت گناہ ہے، جماعتِ ثانیہ کرنے والے اپنے فعل وعمل سے جماعتِ اولیٰ کی اہمیت کو کم کرتے اور گھٹاتے ہیں، جب کہ اصل جماعت، جماعتِ اولیٰ ہی ہے۔

عن ابی بکرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اقبل من نواهی المدینة یرید الصلوٰة فوجد الناس قد صلوا فمال الیٰ منزله فجمع اهله فصلی بهم رواه الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجاله ثقات.
(مجمع الزوائد ۱/۱۶۰، اعلاء السنن ۴/۲۴۸)

حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے اطراف سے آئے، آپ نماز پڑھنا چاہتے تھے، آپ نے پایا کہ لوگ نماز پڑھ چکے (یعنی جماعت ہوچکی) تو آپ اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنے گھر والوں کو جمع کرکے نماز پڑھائی، (یعنی اسی مسجد میں دوسری جماعت نہیں کی، بلکہ گھر آکر جماعت کی)

مدوّنہ کبریٰ میں ہے:

عن عبدالرحمٰن بن المجبر قال دخلت مع سالم بن عبدالله مسجد الجمعة وقد فرغوا من الصلوٰة فقالوا ألا تجمع الصلوٰة فقال سالم لاتجمع صلوٰة واحدة فی مسجد واحد مرتین (المدونہ ۱/۸۹، اعلاء السنن ۴/۲۸۰)

عبدالرحمٰن بن مجبرؒ کہتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہؒ کے ساتھ جمعہ کی مسجد میں داخل ہوا، لوگ نماز سے فارغ ہوچکے تھے، لوگوں نے کہا کہ آپ جماعت کیوں نہیں کرلیتے، سالم بن عبداللہ نے کہا ایک مسجد میں ایک نماز کی دو مرتبہ جماعت نہیں کی جاتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، کتاب الأم میں فرماتے ہیں:

انا قد حفظنا أن قد فاتت رجالاً معه (صلى الله عليه وسلم) الصلوٰة فصلوا بعلمہٖ منفردين وقد كانوا قادرين علىٰ ان يجمعوا، وان قد فاتت الصلوٰة فى الجماعة قوماً فجاؤوا المسجد فصلىٰ كل واحد منهم منفرداً الخ (کتاب الأم ج ۱/۱۳۶)

ہم نے یہ بات بتحقیق یاد کی ہے کہ کچھ لوگوں کی نماز، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھوٹ گئی تو انھوں نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی، جب کہ حضور کو اس کا علم ہوا، حالانکہ وہ لوگ جماعت کرنے پر قادر تھے، اور کچھ لوگوں کی نماز با جماعت چھوٹ گئی، تو وہ لوگ مسجد میں آئے، پس ان میں سے ہر ایک نے تنہا نماز پڑھی۔

امام شافعیؒ اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں:

وانما كرهت ذالك لهم (اى تكرار الجماعة فى المسجد) لأنه ليس مما فعل السلف قبلنا بل قد عابه بعضهم. (۱/۱۳۶)

میں اسے (مسجد میں تکرارِ جماعت کو) اس لئے ناپسند کرتا ہوں کیونکہ ہم سے پہلے ہمارے اسلاف نے ایسا نہیں کیا، بلکہ ان میں کے بعض نے اس پر عیب لگایا ہے۔

اگر کوئی مجتہد سلف سے منسوب کر کے کوئی بات کہے اور یقینی وقطعی انداز میں کہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔

یہاں امام شافعیؒ کا جملہ وانا قد حفظنا (ہم یہ بات بتحقیق یاد کی ہے) اِسی قطعیت اور یقین کا غماز ہے، اور اس میں

دلالة صريحة علىٰ أن الصحابة اذا فاتتهم الجماعة كانوا يصلون فرادىٰ من غير ان يجمعوا الصلوٰة ثانية وقوله قد عابه بعضهم يدل على كراهة الجماعة الثانية عند

صریح دلالت ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی جب جماعت فوت ہوتی تھی تو وہ تنہا تنہا نماز پڑھتے تھے، اس نماز کی جماعتِ ثانیہ نہیں کرتے تھے، اور امام شافعیؒ کا یہ جملہ قد عابه بعضهم (ان میں کے بعض نے

السلف والمراد بالسلف فی کلام المجتھدین ھم الصحابة والتابعون رضی اللہ عنھم. (اعلاء السنن ۴/۲۸۳)

اس پر عیب لگایا ہے) سلف کے نزدیک جماعتِ ثانیہ کی کراہت پر دلالت کرتا ہے، اور مجتہدین کے کلام میں سلف سے مراد صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ ہوتے ہیں۔

اِس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ردالمحتار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو یہ عمل بتایا ہے کہ اُن کی جماعت چھوٹ جاتی تھی تو وہ تنہا تنہا نماز پڑھتے تھے، اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے، جو حضرات اُسے بے اصل قرار دیتے ہیں، امام شافعیؒ کا یہ جملہ وأنا قد حفظنا الخ ان کی تردید کرتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الأم میں مزید فرماتے ہیں:

وأحسب کراھتہ من کرہ ذالک منھم انما کان لتفرق الکلمة وأن یرغب رجل عن الصلوٰة خلف امام جماعة فیتخلف ھو و من أراد عن المسجد فی وقت الصلوٰة فاذا قضیت دخلوا فجمعوا فیکون فی ھذا اختلاف وتفرق کلمة وفیھما المکروہ. (کتاب الام ۱/۱۳۶)

میرا خیال یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسے ناپسند کیا ہے، ان کی ناپسندیدگی اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح مسلمانوں کا اتحاد واتفاق پارہ پارہ ہوتا ہے، اگر کوئی، امامِ جماعت کے پیچھے نماز پڑھنے سے اعراض کرے گا، تو وہ اور اس کے ساتھ والے، نماز کے وقت میں مسجد سے پیچھے رہ جائیں گے، جب نماز پوری ہوجائے گی تو مسجد جائیں گے اور جماعت کریں گے، اس طرح اختلاف پیدا ہوگا، اور مسلمانوں کا اتحاد ختم ہوگا، یہ دونوں ہی ناپسندیدہ ہیں۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ یہ کراہت ہر اس جگہ میں ہے جس میں امام وموذن متعین ہوں، کیوں کہ تفرقِ کلمہ وتفریقِ جماعت، اسی صورت میں لازم آئے گی۔

فأما مسجد بنى علىٰ ظهر الطريق أو ناحية لايؤذن فيه مؤذن راتب ولايكون له امام معلوم ويصلى فيه المارة ويستظلون فلاأكره ذالك فيه لأنه ليس فيه المعنىٰ الذى وصفت من تفرق الكلمة.

(حوالۂ مذکورہ)

جو مسجد راستہ پر بنی ہو، یا کسی کنارے پر ہو اور اس میں کوئی مستقل اذان دینے والا نہ ہو اور امام بھی متعین نہ ہو، وہاں راستہ سے گزرنے والے نماز پڑھتے ہوں اور سایہ حاصل کرتے ہوں، تو میں وہاں دوسری جماعت کو مکروہ نہیں کہتا، کیوں کہ اس صورت میں مسلمانوں کے اتحاد کے ختم ہونے کی بات نہیں پائی جاتی۔

پھر مزید فرماتے ہیں:

وإنما كرهوا لئلا يجمعوا فى مسجد مرتين ولابأس بأن يخرجوا الىٰ موضع فيجمعوا فيه.

(حوالۂ مذکورہ)

یہ بات اس لئے مکروہ ہے تا کہ ایک مسجد میں دومرتبہ جماعت نہ ہو، اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ لوگ کسی دوسری جگہ جا کر جماعت کریں۔ (۱)

اِن تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن روایات سے مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا ثبوت ملتا ہے، وہ اسی مخصوص حالت پر محمول کی جائیں گی جب کہ وہ مسجدِ محلّہ نہ ہو، کسی گزرگاہ پر ہو، امام و موذن متعین نہ ہوں، وغیرہ وغیرہ۔

## نماز میں قرآن سے دیکھ کر پڑھنا

تراویح ہو یا کوئی اور نماز، اگر امام، قرآن میں دیکھ کر قرأت کرے، خواہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت و رکوع، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح اکیلا نماز پڑھنے والا بھی دیکھ کر پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۱) اعلاء السنن جلد رابع ص ۲۸۳ پر کتاب الام کی مذکورہ عبارتیں درج ہیں اور بغیر کسی رد و نقد کے درج ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلک احناف بھی یہی ہے۔

نمازی کو جتنا قرآن یاد ہے، اسی میں سے پڑھے، مزید یاد کرنے کی کوشش کرتا رہے جتنی نماز کے لئے ضرورت پڑتی ہے، اگر بالکل ہی یاد نہ ہو تو اَلحَمدُلِلہِ، اَللّٰہُ اَکبَر اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھے۔

عن رفاعة بن رافع أن رسول الله صلى الله عليه وسلم علّم رجلاً الصلوٰة فقال ان كان معك قرآناً فاقرأ والافاحمد الله وكبره وهلله ثم اركع. (ابوداؤد، ترمذی، نیل الاوطار ۲/۱۸۲)

رفاعہ بن رافعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز سکھائی، پس فرمایا کہ اگر تمہیں قرآن یاد ہو تو قرآن پڑھو، ورنہ اَلحَمدُلِلّٰہ، اَللّٰہُ اَکبَر اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھ کر رکوع کرو۔

دوسری روایت میں ہے:

عن عبدالله بن ابی اوفیٰ قال جاء رجل النبی صلی الله علیه وسلم فقال انی لاأستطیع أن اٰخذ شیئاً من القراٰن فعلّمنی مایجزئنی قال قل سبحان الله والحمدلله ولا اِلٰهَ الاالله والله اکبر ولاحول ولاقوة الا بالله رواه احمد وابوداؤد والنسائی والدارقطنی.

(نیل الاوطار ۲/۲۱۸)

عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا ''میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، آپ مجھے بتائیے کہ میں کیا پڑھوں جو مجھے کافی ہو جائے؟'' آپؐ نے فرمایا سبحان الله والحمدلله ولا اِلٰهَ الاالله والله اکبر ولاحول ولاقوة الا بالله پڑھ لیا کرو۔

تیسری روایت میں ہے:

عن ابن عباس قال نهانا أمیر المؤمنین عمر رضی الله عنه أن

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے ہم کو منع کیا کہ ہم

| | |
|---|---|
| نؤم الناس فی المصحف ونھانا أن یؤمنا الا المحتلم رواہ ابو داؤد وکذا فی کنز العمال ۲۴۶/۴. | قرآن دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں، اور منع کیا کہ ہماری امامت بالغ ہی کرے، نابالغ نہ کرے۔ |

(اعلاء السنن ۶۱/۵)

اگر کوئی امام جو کہ اُن سورتوں کا حافظ نہ ہو، جنھیں قرآن مجید لے کر، یا کہیں رکھ کر پڑھ رہا ہے، وہ گویا مصحف (قرآن مجید) سے بالمشافہہ کلام کو حاصل کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے، یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے کسی دوسرے کے بتانے سے پڑھتا جائے اور بتانے والا نماز کے باہر ہو، ایسی صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیوں کہ تعلیم و تعلّم نماز کے منافی ہے، پھر یہ کہ قرآن کو اٹھانا، اس میں نظر جمانا، اَوراق پلٹنا، عملِ کثیر ہے، جو مفسدِ نماز ہے۔

# نابالغ کی امامت

نابالغ کو کسی نماز میں امام بنانا درست نہیں، خواہ پنجگانہ ہو، جمعہ ہو، عیدین ہو، تراویح ہو، کیوں کہ اس پر نماز فرض نہیں ہوتی، وہ جو پڑھتا ہے، نفل ہے، اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے، فرض پڑھنے والے ہوں، یہ درست نہیں، امام کو حال و کیفیت کے اعتبار سے مقتدیوں سے بلند درجہ ہونا چاہئے، یا کم از کم اُن کے برابر ہو، یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ نابالغ امام جو نماز پڑھ رہا ہے، وہ نفل ادا ہو رہی ہے، جو مقتدی پیچھے کھڑے ہیں وہ فرض ادا کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| الامام ضامن والمؤذن موتمن | امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے۔ |

(مسند احمد، مجمع الزوائد ۱۴۲/۱)

ضامن وہ ہوتا ہے جو کسی کی ذمہ داری اپنے سر لے لے، یہی وجہ ہے کہ امام کی نماز نہیں ہوتی تو مقتدیوں کی بھی نہیں ہوتی۔ امام، مقتدیوں کی نماز کی صحت و فساد کا ذمہ دار

بن جاتا ہے۔ سوچئے! نفل پڑھنے والا امام، فرض پڑھنے والوں کی ذمہ داری کیسے لے پائے گا، اس کی نماز کم درجہ ہے، مقتدیوں کی بلند درجہ۔

عن انس رضی الله عنه ان النبی ﷺ قال انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه. (بخاری حدیث ۶۸۰، مسلم ۹۲۵، زیلعی ۲۴۹/۱، اعلاء السنن ۲۸۹/۴)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام، اس لئے ہوتا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہذا اس پر اختلاف نہ کرو۔

بہرحال کوئی لڑکا اُسی وقت امامت کرسکتا ہے جب وہ بالغ ہو چکا ہو۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال لايؤم الغلام حتى تجب عليه الحدود. (اعلاء السنن ۲۹۸/۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لڑکا امامت نہیں کرسکتا، جب تک اس پر حدود، واجب نہ ہو جائیں۔

عن ابن عباس قال لايؤم الغلام حتى يحتلم. (حوالۂ مذکورہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لڑکا، اُس وقت تک امامت نہ کرے جب تک بالغ نہ ہو جائے۔

عن ابن عباس قال نهانا امير المومنين عمر ان نؤم الناس فى المصحف ونهانا ان يؤمنا الامحتلم. (کنز العمال ۲۴۶/۴)

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے ہم کو منع کیا کہ ہم قرآن دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں، اور منع کیا کہ ہماری امامت بالغ ہی کرے نابالغ نہ کرے۔

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں:

كانوا يكرهون أن يؤم الغلام حتى يحتلم. (المدونۃ الکبریٰ ۸۵/۱)

صحابۂ کرامؓ ناپسند کرتے تھے کہ لڑکا امامت کرے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں

لایؤم من لم یحتلم (المدونہ ۱/۸۶)　　　　وہ امامت نہ کرے جو بالغ نہیں۔

جہاں تک عمرو بن سلمہؓ کے چھ سال کی عمر میں امامت کا واقعہ ہے جو بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس میں اِس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ انھوں نے نابالغ بچہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر یا آپ سے سن کر امام بنایا ہو، بلکہ ان کے قبیلہ والوں نے اپنے اجتہاد سے انھیں امام بنادیا تھا، کہ اُن میں وہی سب سے زیادہ اُس وقت تک قرآن پڑھے ہوئے تھے، کیوں کہ انھوں نے مختلف قافلہ والوں سے سن کر یاد کرلیا تھا۔

جو حضرات اِس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے نابالغ کی امامت کے قائل ہیں انھیں سوچنا چاہئے کہ حدیث رسولؐ کیا کہتی ہے؟ ابوبکرؓ و عمرؓ کیا کہہ رہے ہیں؟، اجلّہ صحابہؓ کا کیا موقف ہے؟ ان اکابر صحابہؓ کے سامنے ایک چھوٹے بچہ کی روایت، جس میں حضورؐ سے پوچھنے اور اجازت لینے کا تذکرہ بھی نہیں، لائقِ استدلال ہوسکتی ہے؟ !

دیکھئے حدیث کے یہ الفاظ!

فنظروا فلم یکن احداکثر قراٰناً منی لما کنت اتلقی من الرکبان فقدمونی بین ایدیھم وانا ابن ست اوسبع سنین. (بخاری ج ا حدیث ۳۹۶۳)

پس قوم نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی نہیں تھا، اس لئے کہ میں قافلہ والوں سے قرآن سیکھتا تھا، پس انھوں نے مجھے اپنے آگے بڑھادیا، اور میں چھ سات برس کا تھا۔

اِس حدیث میں نہ حضورؐ سے پوچھ کر نابالغ کو امامت کے لئے آگے بڑھانے کا تذکرہ ہے، نہ بعد میں ہی حضورؐ کو بتانے کا تذکرہ ہے۔ البتہ اس کا ذکر ضرور ہے کہ قوم نے دیکھا کہ عمرو بن سلمہؓ کو قرآن سب سے زیادہ یاد ہے، اس لئے انہی کو آگے کردیا۔



# نماز کے مفسدات ومکروہات

نماز میں بات چیت کرنا، سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، کسی درد کی وجہ سے آہ، اوہ یا اُف کرنا، درد اور مصیبت کی وجہ سے آواز کے ساتھ رونا، (۱) چھینک آنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا، کسی کی چھینک پر یَرْحَمُکَ اللّٰہ یا اس کے جواب میں یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ کہنا، بری خبر پر اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھنا، اچھی خبر پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا۔ دیکھ کر قرآن پڑھنا، کھانا پینا، کوئی ایسا کام کرنا کہ دیکھنے والا سمجھے کہ یہ نماز میں نہیں ہے۔ ان ساری باتوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

معاویہ بن حکمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| ان هذه الصلوٰة لايصلح فيها شيء من كلام الناس انما هي التسبيح والتكبير وقرأة القرآن. (مسلم ج ۱ ص ۲۰۳) | یہ نماز، کلام الناس میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتی، یہ تو بس تسبیح، تکبیر اور قرأتِ قرآن کا نام ہے۔ |

عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے:

| | |
|---|---|
| كنا نسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وهو في الصلوة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا عليه فلم يرد علينا فقلنا يارسول الله كنا نسلم عليك في الصلوٰة فترد علينا فقال ان في الصلوٰة | ہم لوگ نماز کے دوران ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کرتے تھے اور حضورؐ جواب بھی دیتے تھے، جب ہم نجاشی کے یہاں سے آئے (یعنی حبشہ کی ہجرت سے آئے) تو ہم نے حضورؐ کو سلام کیا۔ حضورؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا، ہم نے کہا اے |

(۱) لیکن جنت اور دوزخ کے ذکر پر رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

لشغلا.
(بخاری ج۱ص۱۶۰، مسلم ج۱ص۲۰۴)

اللہ کے رسولؐ! پہلے تو ہم نماز میں ہی آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ جواب بھی دیتے تھے (اب کیوں نہیں جواب دیا؟) آپؐ نے فرمایا نماز کی مشغولیت کی وجہ سے۔

نماز میں نماز کے علاوہ کاموں میں مشغول نہیں ہونا چاہئے، عبداللہ بن مسعودؓ کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے:

قال انما الصلوٰة لقراءة القرآن وذكر الله فاذا كنت فيها فليكن ذالك شانك. (ابوداؤد ج۱ص۱۵۰)

نماز، قرأتِ قرآن اور ذکراللہ کا نام ہے، جب تم نماز میں ہو تو وہی تمہاری شان ہونی چاہئے۔

نماز میں مٹی وغیرہ سے بچنے کے لئے کپڑوں کو سمیٹنا، انگلیاں چٹخانا، سجدہ گاہ سے کنکریاں ہٹانا (بشرطیکہ ایک مرتبہ سے زائد ہو) انگڑائی لینا، بلاوجہ کھانسنا، نماز میں سستی کے ساتھ کھڑے ہونا، یہ سب چیزیں مکروہ ہیں۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن السدل فى الصلوٰة وأن يغطى الرجل فاه فى الصلوٰة.
(ابوداؤد ج۱ص۱۱۰، ترمذی ج۱ص۵۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سَدل سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے بھی کہ آدمی نماز میں اپنے منھ کو ڈھانک لے۔

سَدْل کا مطلب ہے کہ اپنے سر یا کندھے پر رومال وچادر وغیرہ لٹکائے رکھنا اور اس کا ایک سرا دوسری طرف نہ پھینکنا یا شیروانی وغیرہ کو کندھے پر ڈال لینا بغیر آستین میں ہاتھ ڈالے ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک شخص کو سجدہ میں زمین برابر کرتے ہوئے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا:

ان کنت فاعلا فواحدة. اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو صرف ایک مرتبہ کرو۔ (بخاری ج اص ۱۶۱)

ننگے سر یا صرف بنیائن پہن کر، یا بلا کرتا پہنے صرف رومال لپیٹ کر نماز پڑھنا، یا ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جسے گھر میں تو پہن لیتا ہو مگر کسی بڑے سے ملنے کے وقت نہ پہنے، یہ ساری باتیں مکروہ ہیں اور اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کا کوئی خاص اہتمام واحترام نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جیسے تیسے کپڑے پہن کر لاپروائی کے ساتھ مسجد آ گئے، حالانکہ نماز کو مومنین کی معراج کہا گیا ہے، نماز میں بندہ اپنے رب سے چپکے چپکے باتیں کرتا ہے، نماز میں بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ایسے عالم میں یہ لاپروائی اور سستی انتہائی نامناسب بات ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَبَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. اے اولادِ آدم! لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت۔ (اعراف-۳۱)

مفسدات ومکروہات کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے بخاری ج اص ۱۶۱، مسلم ج اص ۲۰۶، ترمذی اص ۴۹، ابوداؤد ج اص ۱۰۹ وغیرہ۔





# مسجد میں عورتوں کا آنا

بعض احادیث سے جماعت میں عورتوں کے آنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت میں آنے کے بجائے عورتوں کا اپنے گھر کے کونے میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ گویا مردوں اور عورتوں کے درمیان جس طرح دیگر بہت سے معاملات میں الگ الگ احکام ہیں اسی طرح نماز کے متعلق بھی دونوں کا علیٰحدہ حکم ہے۔ مرد اگر جماعت چھوڑ کر اپنے گھر میں نماز پڑھے تو یہ اس کے لئے بالکل ہی بہتر نہیں بلکہ حضورؐ اس قدر ناراض ہوتے تھے کہ ایسے لوگوں کے گھروں کو جلا دینے کی وعید سناتے تھے اور یہ بھی کہ ایسے شخص کی نماز صرف ایک درجہ ثواب کے برابر ہے اور جماعت میں آکر نماز ادا کرنے والے کا ثواب ستائیس درجہ بڑھا ہوا ہے۔

لیکن عورت کو اگرچہ بعض احادیث میں جماعت میں شامل ہونے کی اجازت دی، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ تمہاری بہترین نماز وہی ہے جو جماعت میں آنے کے بجائے گھر کے اندر ہو۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتمنعوا نساء کم المساجد وبیوتهن خیر لهن. (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۴)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو لیکن ان کے گھر ان کے لئے زیادہ بہتر ہیں۔

دوسری روایت میں ہے:

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة المرأة فى بيتها افضل من صلوتها فى حجرتها وصلوتها فى مخدعها افضل من صلاتها فى بيتها.

(حوالۂ مذکورہ)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی نماز اس کے شب باشی کے کمرے میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے، اس نماز سے جو اس کے حجرے میں ہو، اور اس کی نماز اس کے گھر کی کوٹھری میں افضل ہے، اس کے شب باشی کے کمرے سے۔

تیسری روایت میں ہے:

عن ام سلمة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال خير مساجد النساء قعر بيوتهن.

(مسند احمد ج۶ ص۲۹۷، مسند حاکم ج۱ ص۲۰۹)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کی سب سے اچھی مسجد ان کے گھر کا گوشہ ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن ابن مسعود قال ماصلت امرأة خيرلها من فعر بيتها الاان يكون المسجد الحرام اومسجد النبى ﷺ

(الکبیر للطبرانی، آثار السنن ج۱ ص۶۲)

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کسی عورت نے اس نماز سے بہتر نماز نہیں پڑھی جو اس کے گھر کے گوشے میں ہو، سوائے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے۔

ان احادیث کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں بھیجنے پر زور دینا کسی طرح مناسب نظر نہیں آتا۔ زور تو اُس طریقے پر دینا چاہئے جو عورتوں کے لئے افضل ہو، جس میں انھیں اجر وثواب زیادہ مل سکے یعنی انھیں گھر کے اندر ہی، وہ بھی الگ تھلگ کسی کونے میں نماز پڑھنے کی تلقین، نہ کہ انھیں مسجد میں لانے کی تبلیغ۔

ایک بار ابوحمید ساعدیؓ کی بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

| | |
|---|---|
| یارسول اللہ انی احب الصلوٰۃ معک. | اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں۔ |

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| قدعلمت انک تحبین الصلوٰۃ معی وصلوتک فی بیتک خیرلک من صلوتک فی حجرتک وصلوتک فی حجرتک خیرلک من صلوتک فی دارک وصلوتک فی دارک خیرلک من صلوتک فی مسجد قومک. | میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو لیکن تمہاری نماز جو تمہارے شب گزاری کے کمرے میں ہو وہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہاری اس نماز سے جو تمہارے حجرے میں ہو اور تمہارے حجرے کی نماز تمہارے گھر کی نماز سے بہتر ہے اور تمہارے گھر کی نماز تمہارے محلّہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔ |

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے انھوں نے اپنے گھر میں سب سے الگ تھلگ کنارے ایک تاریک گوشہ کو نماز کے لئے منتخب کی اور زندگی بھر اسی جگہ نماز پڑھتی رہیں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۱، صحیح ابن خزیمہ وابن حبان، الترغیب والترہیب ص ۵۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۵)

اس کے علاوہ زمانہ کی فتنہ انگیزی اور حالات کے تغیر کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی جلیل القدر صحابۂ کرامؓ اور صحابیات عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنے لگی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہوتے، تو وہ بھی حالات کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں آنے سے ضرور روکتے۔

| | |
|---|---|
| عن عائشۃ قالت لو أدرک النبی | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ |

صلی اللہ علیہ وسلم ماحدث الناس لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل. (بخاری ج۱ص۱۲۰، مسلم ج۱ص۱۸۳، ابوداؤد ج۱ص۸۴)

اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھتے جو لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں تو عورتوں کو ضرور مسجد جانے سے روکدیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان عورتوں کو جو مسجد میں آجاتی تھیں مسجد سے نکلوایا کرتے تھے۔

عن ابی عمرو الشیبانی انه رأی عبدالله یخرج النساء من المسجد یوم الجمعة ویقول اخرجن الیٰ بیوتکن خیر لکن. (الکبیر للطبرانی، آثار السنن ج۱ص۶۳، مجمع الزوائد ۱/۱۵۶)

ابوعمرو شیبانیؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال رہے ہیں اور فرمارہے ہیں، اپنے گھر لوٹ جاؤ، وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

غور کیجئے! یہ اس زمانہ کی بات ہے جو خیرالقرون تھا مگر وفاتِ رسولؐ کے بعد جو بعض تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ، عورتوں کے مسجد میں جانے پر پابندی لگانے لگے، تو آج کا زمانہ جوکہ شرور وفتن، حالات کی ناسازگاری، عریانیت وفحاشی، بدکاری وبے حیائی میں پچھلے تمام زمانوں کو مات کئے دے رہا ہے۔ کیا آج عورتوں کو مسجد میں جانے کی اور جماعت میں شامل ہونے کی اجازت دینا درست ہوگا؟ ہرگز نہیں، خدانخواستہ اگر کہیں ناعاقبت اندیشی میں یہ قدم اٹھایا گیا تو مسجدوں کا تقدس برقرار رکھنا ناممکن ہوجائے گا۔ فتنوں کے ایسے ایسے دروازے کھلیں گے کہ خدا کی پناہ۔

جو حضرات دینی جلسوں اور تبلیغی پروگراموں میں عورتوں کی شرکت کو بنیاد بنا کر عورتوں کو مسجد میں لانے پر مصر ہیں، انہیں غور کرنا چاہئے کہ دینی جلسے کبھی کبھار ہوتے ہیں نہ کہ روزانہ، اس میں عورتوں کی نشست گاہ کے الگ انتظام کے علاوہ منتظمین عورتوں کی

دیکھ بھال اور نگہداشت کا بھی انتظام کر لیتے ہیں، کیوں کہ منتظمین عام طور پر انتظام ہی میں رہتے ہیں، وہ اپنا منعقد کیا ہوا پروگرام کم ہی سُن پاتے ہیں۔ اس کے برخلاف نماز میں تو سب کو شریک ہونا ہے، ایسا نہیں ہے کہ کچھ لوگ جماعت میں شریک ہوں، کچھ نگرانی کریں۔ پھر کسی کو کیا خبر کہ عورتوں کی صف میں کیا ہو رہا ہے، اور عورتوں کی وجہ سے کون کون لوگ کس نیت سے مسجد میں آنے لگے ہیں، نماز کا معاملہ جلسوں کی طرح کبھی کبھار کا بھی نہیں، روزانہ کا ہے اور وہ بھی پانچ وقت، اور اگر صرف فجر وعشاء کے لئے ہی اجازت دی جائے تو بھی روزانہ دو ہی وقت سہی، کوان کس کا خیال کر پائے گا۔ جب کہ جلسوں کے موقع پر ایک دودن کے لئے نگرانی اور حفاظت کا بندوبست کوئی مشکل کام نہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ نماز میں خواہ وہ پنجوقتہ ہو یا جمعہ وعیدین کی، مرد فارغ ہی کب ہوں گے کہ وہ عورتوں کی طرف دھیان دے سکیں اور کوئی ناخوشگوار واقعہ ہونے سے روک سکیں، وہ سب کے سب خود ہی جماعت میں شریک ہوں گے اور وہ بھی اگلی صفوں میں ——— لہٰذا دینی جلسوں پر جماعت کی حاضری کو قیاس کرنا ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں۔ بخاری ج ۱ ص ۱۲۳ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانۂ خلافت میں عورتوں کا مسجد جانا ناپسند کرتے تھے۔ زمانۂ رسالت میں بھی عام طور پر عورتیں مسجد میں نہیں آتی تھیں، بس چند ہی نام ملتے ہیں، اور امہات المؤمنین تو خاص طور پر، سب اپنے حجرہ میں ہی نماز ادا کرتی تھیں۔

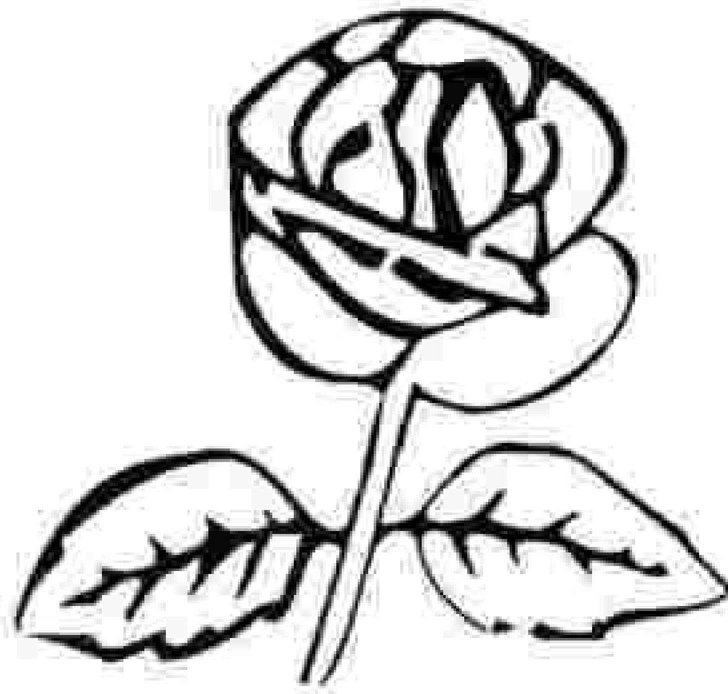
## عورتوں کی تنہا جماعت

عورتوں کی تنہا جماعت جس میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں مرد نہ ہوں مکروہ ہے کیوں کہ اس میں جماعت کے صحیح طریقہ کا ترک لازم آئے گا، جماعت کا صحیح طریقہ یہ

ہے کہ امام صفوں سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو مگر عورتوں کی جماعت میں جو عورت امام بنے گی اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ آگے بڑھ کر نہ کھڑی ہو، بلکہ درمیان میں ذرا سا بڑھ کر کھڑی ہو جائے، جیسے ان لوگوں کا امام جن کے پاس ستر پوشی کے لئے کپڑا نہ ہو۔ صف کے بیچ میں ذرا سا آگے بڑھ کر امامت کرے گا، اور جس طرح اِن لوگوں کی جماعت میں، جماعت کے اصل طریقے سے انحراف لازم آتا ہے۔ اسی طرح عورتوں کی جماعت میں بھی، لہٰذا جس طرح اِن لوگوں کی جماعت مکروہ ہے ایسے ہی عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے۔ اسکے علاوہ اس جماعت میں یہ نقص بھی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے، اس لئے وہ جہری نماز میں بھی جہراً قرأت نہ کر سکے گی۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے اعلاء السنن ۴/۲۴۲ تا ۲۴۵)





# ننگے سر نماز پڑھنا

نماز کے آداب میں سے ہے کہ پورا لباس پہن کر نماز پڑھے اور سر کو بھی ڈھانپے رکھے، ننگے سر نماز نہ پڑھے، اگر کوئی مجبوری ہو تو ننگے سر بھی نماز ہو جائے گی، لیکن کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنا اور ننگے سر رہنا، خلاف سنت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہر شخص کو عام حالات میں بھی ننگے سر نہیں رہنا چاہئے، بلکہ سر کو ڈھانپے رکھنا چاہئے۔

عن انس بن مالک قال کان رسول الله صلی الله صلی الله علیه وسلم یکثر القناع.
(شمائل ترمذی ص ۷۱)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے سر مبارک کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ.
(اعراف ۳۱)

نماز کے وقت، اپنا خوبصورت لباس اختیار کرو۔

بلاشبہ اس خوبصورت لباس میں ٹوپی اور عمامہ بھی شامل ہے، ننگے سر رہنا، نصاریٰ کی مشابہت ہے جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، عام طور پر عمامہ باندھتے یا ٹوپی پہنتے تھے، ننگے سر رہنا ان حضرات کی بالکل عادت نہ تھی، مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک باب ہے:

باب من کان یسجد علیٰ کور

ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے

العمامة ولا يرىٰ به بأسا. | نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس باب میں آٹھ حدیثیں درج کیں، پھر دوسرا باب لائے

باب من كره السجود علىٰ كور العمامة. | ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ مکروہ ہے۔

اس باب میں بارہ احادیث نقل کیں، اس طرح کل ملا کر بیس احادیث ہوگئیں، اِن ساری احادیث سے نماز کے دوران عمامہ پہننا، ثابت ہوگیا، معلوم ہوا کہ سنت طریقہ یہی ہے کہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے، خواہ عمامہ ہو یا ٹوپی۔

اس سلسلے میں ایک اہلِ حدیث عالم کی تحقیق (۱) ملاحظہ کریں، وہ لکھتے ہیں:

''احادیث کے تتبع (تلاش) سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرامؓ سر پر یا تو عمامہ باندھے رہتے یا سر پر ٹوپیاں ہوتی تھیں۔ راقم الحروف کے علم کی حد تک سوائے حج وعمرہ کے کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت ﷺ ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک پر عمامہ وغیرہ تھا، لیکن مسجد میں آکر عمامہ وغیرہ اتار کر رکھ لیا اور ننگے سر نماز پڑھنی شروع کی۔''

ذیل میں چند احادیث لکھتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت عَمرو بن اُمیہ الضّمریؓ بیان کرتے ہیں:

رَأيتُ النبي صلى الله عليه وسلم مسح علىٰ عمامته وخفيه. | میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے عمامہ اور موزوں پر مسح کرتے تھے۔

(صحیح البخاری مع فتح الباری ج۱ ص۳۰۸)

---

(۱) یعنی سندھ (پاکستان) کے معروف اہل حدیث عالم سید محب اللہ شاہ راشدی، ان کا یہ مضمون سب سے پہلے اہل حدیث مسلک کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوا، پھر بہت سے رسائل وجرائد نے نقل کیا، پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع ہوا، یہاں اسی مضمون کی جستہ جستہ عبارتیں نقل کی جارہی ہیں۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور اسی عمامہ سے نماز پڑھی ہوگی، کیوں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ عمامہ پرمسح تو کیا ہو اور جس پر مسح کیا ہو اسے اتار کر نماز پڑھی ہو، یہ حدیث سفر وحضر دونوں کو شامل ہے۔

(۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت نماز فجر سے پہلے قضاءِ حاجت کے لئے نکلے، قضاءِ حاجت کی، پھر لوٹے، پھر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے پانی ڈالا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اس میں یہ الفاظ ہیں:

ثُمَّ مَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ وَعَلىٰ الْعَمَامَةِ الخ. (صحیح مسلم ج۱ص۱۶۱) — پھر اپنی پیشانی مبارک اور عمامہ پر مسح کیا۔

(۳) حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| كَأَنِّيْ أَنْظرِالىٰ رَسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه عمامةٌ سوداءُ أرخىٰ بين كتفيهِ. (صحیح مسلم ج۱ص۴۷۳) | گویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں، ان کے سر پر کالی پگڑی تھی جس کا ایک ٹکڑا پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دیا تھا۔ |

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

| | |
|---|---|
| دَخَلَ رَسولُ الله صلى الله عليه وسلم يومَ فَتحِ مكّةَ وعَلَيْهِ عمامَة سَوداءُ بغَيْرِاحرامٍ. (صحیح مسلم) | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی۔ |

بعض علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری کی اس حدیث سے معارض ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس میں یہ ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر مغفر (خود) تھا۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ پہلے پہل جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سرِ مبارک پر خود تھا، پھر اس کو اتار لیا (جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے) اس کے بعد عمامہ پہن لیا، اس طرح ہر کسی نے جو دیکھا وہ بیان کر دیا۔ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

| | |
|---|---|
| انــه خــطـب الـنـاس وعليـه عمامة سوداءُ | آنحضرتؐ نے لوگوں کو خطبہ دیا اس حال میں کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ |

یہ خطبہ کعبہ کے دروازے کے نزدیک دیا گیا تھا۔ یہ دخول کے تمام ہونے کے بعد ہوا۔ بعض علماء نے ان دونوں روایتوں کو اس طرح بھی جمع کیا ہے کہ یہ کالا عمامہ خود کے اوپر یا نیچے بندھا ہوا تھا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود کے لوہے سے اپنے سر مبارک کو محفوظ رکھیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۶۱-۶۲)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

| | |
|---|---|
| كـان رسـول الـلـه صـلى الله عليه وسـلـم إذا اِعتمّ سدلَ عمامتهٔ بين كتفَيهِ. (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۷۵) | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عمامہ باندھتے تو پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان اس کا ٹکڑا چھوڑ دیتے۔ |

(امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)

(۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| عَـمّمَنی رسولُ الله صلى الله عليه وسـلـم فسـدلهـا بَيـن يـدَيّ ومـن خَلْفي. (مشکوٰۃ بحوالہ ابی داؤد ج ۲ ص ۴۷۵) | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پگڑی باندھی اور میرے سامنے اور پیچھے اس کا تھوڑا سا ٹکڑا چھوڑ دیا۔ |

(۷) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الشھداء أربعة رجل مومنٌ جید الایمان أتی العدو فصدّق الله حتی قُتلَ فذالک الذی یرفع الناس أعینھم الیه یوم القیامة ھکذا ورفع رأسهٗ حتی وقعت قلنسوة فلاأدری قلنسوة عمر أراد أم قلنسة النبی صلی الله علیه وسلم.

(جامع ترمذی)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ شہداء چار ہیں، ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جو عمدہ ایمان والا ہے۔ وہ دشمن کی طرف آیا تو اس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ (کے اجر وثواب) کی تصدیق کی (لڑتا رہا) حتی کہ وہ قتل ہوگیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوگ آنکھیں اٹھائیں گے، اس طرح اور اپنا سر اٹھایا، یہاں تک کہ ٹوپی گرگئی، (راوی کہتا ہے) مجھے معلوم نہیں کہ عمرؓ نے اس ٹوپی کے گرنے سے مراد اپنی ٹوپی لی ہے یا نبی ﷺ کی ٹوپی۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن درجے کی کہا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔

(۸) ابوالشیخ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ذکر کی ہے:

اَنّهٗ صلی الله علیه وسلم یلْبسُ فی السّفرِ ذواتِ الآذان وفی الحضرِ المُضرّ یعنی الشّامیةَ قال العراقی وھو أجودُ الاسناد فی القلانس.

آنحضرت ﷺ سفر میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور حَضر میں مُضر یعنی شامی ٹوپی پہنتے تھے، عراقیؒ کہتے ہیں کہ ٹوپیوں کے بارے میں یہ حدیث بہت عمدہ اسناد والی ہے۔

(۹) مصنف ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں اس کے مانند حضرت امام حسن بصریؒ

سے روایت ہے:

اَنّ اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم کانوا یسجدون وایدیهم فی قلنسوَته وعمامته.
(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہ نماز میں سجدہ کرتے تھے کہ ان کے ہاتھ کپڑوں میں ہوتے اور ان میں سے کوئی اپنی ٹوپی اور پگڑی پر سجدہ کرتا تھا۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ نماز میں ٹوپیاں یا پگڑیاں باندھے ہوئے تھے۔

(۱۰) امام بخاری علیہ الرحمۃ اپنی صحیح کے کتاب اللباس میں باب ''البرانس'' کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث لائے ہیں:

أنَ رَجُلاًسألَ یارَسول الله مایلبس المحرم منَ الثیاب؟ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتلبسوا القمیص ولاالعمائم ولاالسّراویلات ولاالبرانِسَ ولا الخفاف. (فتح الباری ج ۱ص ۲۷۱-۲۷۲)

ایک آدمی نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ! محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا، نہ قمیص پہنے، نہ پگڑیاں باندھے، نہ شلواریں پہنے، نہ برانس پہنےاور نہ ہی موزے پہنے۔

(برانس، برنس کی جمع ہے۔ یہ ایک قسم کی ٹوپی ہے)

امام بخاریؒ اس کے بعد ج ۱ص ۲۷۳ پر باب ''العمائم'' منعقد فرما کر اس کے تحت بھی یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی لائے ہیں۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ ٹوپیاں اور پگڑیاں اکثر و بیشتر پہنے رہتے تھے، ورنہ اگر صحابہؓ کا اکثر و بیشتر چلتے پھرتے یا نماز ادا کرتے ہوئے ننگے سر رہنا ہی معمول ہوتا تو خاص طور پر ان چیزوں کی ممانعت (احرام کی حالت میں) بیان نہ کی جاتی جیسا کہ عورتیں اجانب (غیروں) کے

سامنے نقاب اوڑھے ہی رہتی ہیں، حالانکہ احرام کی حالت میں ان کے لئے حکم ہے کہ وہ منھ پر نقاب نہ ڈالیں اِلّا یہ کہ کوئی اجنبی سامنے آ گیا تو چادر کا پلو منھ پر ڈال لیا، امام بخاریؒ اور دیگر محدثین جنھوں نے کتاب اللباس کے تحت ان احادیث کو ذکر کیا ہے تو اس سے ان کا مقصد ان باتوں میں اقتداء و اتباع تھا، ورنہ ان باتوں کے ذکر سے کیا فائدہ۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. تمہارے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے رسول ﷺ کی ذاتِ مقدسہ میں بہترین نمونہ ہے۔

اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ معمول نہ ہوتا تو جس طرح سر پر عمامہ یا ٹوپی کا ثبوت مل رہا ہے، اس طرح ننگے سر چلتے پھرتے رہنے یا ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق بھی روایات ضرور مل جاتیں، لیکن اس قسم کی ایک روایت بھی میرے علم میں نہیں آئی۔ جب سر ڈھانپے رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ معمول ہوا تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہوگا، لہٰذا استحباب یا ندبیت کا انکار مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ صحابہ کرامؓ کا حال تو یہ تھا کہ لباس وطعام میں جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہوتی تو وہی چیز خود اپنے لئے بھی پسند کرتے تھے۔

صحیح بخاری کے کتاب اللباس میں ''باب النعال السبتیہ وغیرھا'' کے تحت امام بخاریؒ عبید بن جبیرؓ سے روایت لائے ہیں۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ چار باتیں ایسی ہیں کہ میں تم ہی کو کرتے دیکھتا ہوں۔ تمہارے دوسرے اصحاب ان پر عمل نہیں کرتے، ان میں ایک چیز یہ ذکر کی کہ آپ ''سبتیہ نعال'' (بغیر بالوں کے جوتا) ہی پہنتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا:

أما النعال السبتية فانی رأيت ''سبتیہ نعال'' یعنی بغیر بالوں کے جوتے،

رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبس النعال اللتی لیس فیها شعر ویتوضأ فانا احب أن ألبسها.

(فتح الباری ج۱ص۳۰۸)

تو تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ جوتے وہی پہنتے تھے جن میں بال نہ ہوتے اوران ہی میں وضو بھی کرتے تھے۔ لہٰذا میں بھی پسند کرتا ہوں کہ ایسے ہی جوتے پہنا کروں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا سنت کے اتباع میں جو مقام ہے وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں۔

اسی طرح امام بخاریؒ اپنی صحیح کے ''کتاب الاطعمۃ'' میں ''باب الدُبّاء'' کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث لائے ہیں:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم أتی مولاً لهٗ خیاط فأتیٰ بدبّاء فجعل یاکلهٗ فلم أزل أحبه منذ رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یاکلهٗ

رسول اللہ ﷺ اپنے ایک درزی غلام کے پاس تشریف لائے، پھر وہ آپ کیلئے کدو لے آیا، پھر آپ اس کو کھانے لگے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے رسول ؐ کو کدو کھاتے دیکھا تب سے میں اسے پسند کرتا ہوں۔

کیا صحابۂ کرامؓ کا نبی ﷺ کی مرغوب اشیاء کو پسند کرنا باعثِ اجروثواب نہ تھا؟ اگر تھا تو یہی نُدب واستحباب کی علامت ہے، اس لئے سر ڈھانپ کر چلنے پھرنے یا نماز وغیرہ پڑھنے کو پسندیدہ قرار نہ دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا، اسی طرح ہم نے بڑے بڑے علماء وفضلاء کو دیکھا کہ وہ اکثر وبیشتر سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ یہ آج کل نئی نسل نے خصوصاً اہل حدیث جماعت کے افراد نے ننگے سر نماز پڑھنے کا جو معمول بنا رکھا ہے، اسے چلتے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جا سکتا ہے مسنون نہیں، یا کسی چیز کے جائز

ہونے کا یہ مطلب تو ہر گز نہیں ہے کہ مندوبات و مستحبات کو بالکل ترک کر دیا جائے۔

جواز کے اظہار کے لئے کبھی کبھار اتفاقاً ننگے سر رہنے پر عمل بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن آج کل کے معمول سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کتب احادیث میں جو مندوبات و مستحبات، سنن و نوافل کے ابواب موجود ہیں، یہ سراسر فضول ہیں اور ہمیں صرف جواز اور رخصت پر ہی عمل کرنا ہے، یہ کوئی اچھی بات نہیں، لیکن عجیب طُرفہ تماشا ہے کہ گھر سے تو سر پر ٹوپی وغیرہ رکھ کر آتے ہیں لیکن مسجد میں داخل ہو کر سر سے ٹوپی وغیرہ اتار کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور نماز شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے جو بڑی غلط فہمی عوام میں پھیل جاتی ہے اور واقعی پھیل رہی ہے تو اس کی جانب بھی توجہ مبذول کرنا اشد ضروری ہے، اب عوام میں یہ غلط فہمی پھیلتی جاتی ہے کہ گھر سے ٹوپی وغیرہ سر پر رکھ کر آنا چاہئے لیکن مسجد میں آ کر اس کو اتار دینا چاہئے اور ننگے سر نماز پڑھنی چاہئے کیوں کہ یہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اہلِ حدیث جماعت کے بہت سے افراد کا اس پر عمل ہے۔

حالانکہ صحیح تو کجا مجھے ایسی ضعیف حدیث بھی نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تو اس حال میں نکلے کہ سر پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آتے ہی اس کو اتار لیا اور ننگے سر نماز پڑھی، پھر اس طرح اس کو دائمی و مستمرہ معمولات میں بنانے کی وجہ سے لوگوں کو کیا یہ خیال نہ گزرتا ہو گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے بھی کیا یہ اہم و پسندیدہ بات نہیں کہ اکثر و بیشتر سر کو ڈھانپے رکھا جائے، خواہ نماز میں خواہ اس سے باہر، تا کہ یہ غلطی رفع ہو جائے۔ ننگے سر نماز پڑھنے والے اس کی دلیل کے طور پر ایک روایت ذکر کرتے ہیں جسے ابوالشیخ الاصبہانی نے اپنی کتاب ''اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے صفحہ ۱۱۵ پر ذکر کیا ہے جو سنداً تو بالکل ضعیف ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب اس روایت کو لے کر میرا معارضہ یا تعاقب شروع کر دیں، اس لئے حفظِ

ماتقدم کے طور پر یہ روایت مع سند ومتن اوراس کی سند پرکلام کے ساتھ پیش کررہا ہوں تاکہ کوئی صاحب اس کو لے کر میدان میں نہ آجائیں، روایت یہ ہے:

حدثنا محمد بن عمران بن جنيد، نا أحمد بن عيسىٰ المقانعي وسليمان ابن داؤد السلال، نابشر بن يحيىٰ المروزى، نامسلم بن سالم عن العزرمى عن عطاء عن ابن عباسٍ قال كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث قلانس قلنسوة بيضاء مضربة وقلنسوة ذات آذان يلبسها فى السفر وربما وضعها بين يديه اذا صلىٰ.

اس روایت میں ابوالشیخ الاصبہانی کے استاذ اوراس کے دوشیوخ احمد بن عیسیٰ المقانعی اورسلیمان بن داؤد السلال کے حالات ہمارے پاس موجود مصادر ومراجع میں سے کسی میں بھی نہیں ہیں، آگے چوتھے نمبر پر بشر بن یحییٰ المروزی آتے ہیں، ان کا تذکرہ بھی سوائے الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کے اورکسی کتاب میں نہیں ہے اورالجرح والتعدیل میں بھی صرف یہ ہے کہ کان صاحب الرایٔ، یہ الفاظ توثیق وتعدیل کے نہیں ہیں، لہٰذا یہ بھی مجہول الحال ہی ہوا، پھر مسلم بن سالم کا نمبر آتا ہے، یہ بلخی ہیں، متروک اوروضّاع ہیں، جملہ ائمہ محدثین ان کی تضعیف پر متفق ہیں، پھر العزرمی ہیں، اور غالب ظن یقین کے قریب ہے کہ یہ محمد بن عبیداللہ ابن ابی سلیمان العزرمی ہیں اور یہ بھی متروک ہیں، اس کے بعد عطاء ہیں، یہ ابن ابی رباح ہیں اور یہ ثقہ ہیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھیں "تقریب التہذیب"، "المیزان واللسان")

اب ایسی روایت سے جس کی اسناد "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْض" کا مصداق ہو، اس سے استناد کوئی جاہل کرے تو کرسکتا ہے، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے حدیث کے علم سے نوازا ہے وہ اس سے استدلال کی جرأت نہیں کرسکتا۔

بعض حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، جس میں یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور اس میں ٹوپی وغیرہ بھی داخل ہے یعنی بغیر سر ڈھانپے نماز پڑھی۔

اولاً یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی تنگی تھی اور اتنی فراوانی نہ ہوئی تھی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اعتراض کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ہم میں سے ہر ایک کے پاس دو تین کپڑے نہ تھے، اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟

اس سے جو بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

ثانیاً میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے ثبوت سے اس کا نزلہ صرف ٹوپی وغیرہ پر ہی کیوں گرانے پر مصر ہیں، اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے مسنون ہونے کا مدار آپ حضرات ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث پر ہی رکھتے ہیں تو بسم اللہ آ. ب گھر سے ہی ایک کپڑے کے سوا سب اتار کر پھر مسجد آیا کریں اور اس طرح نماز بھی پڑھ لیں، یہ اچھی ستم ظریفی ہے کہ گھر سے تو قمیص، شلوار کوٹ وغیرہ پہن کر آتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد صرف پگڑی یا ٹوپی اتار کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔

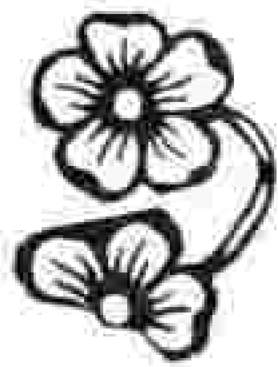
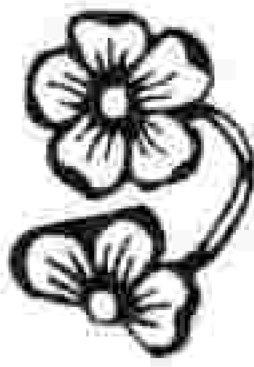
کیا آپ حضرات کے نزدیک اس کا معنیٰ ومطلب یہ ہے کہ اور سب کپڑے پہنے ہونے چاہئیں، صرف ٹوپی وغیرہ کو اتار دیا جائے لیکن یہ مطلب سراسر غلط ہے۔

شاید کچھ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حکم ہے کہ مسجد میں زینت پکڑو یعنی لباس پہنو اور آج جب کپڑوں کی فراوانی ہے تو ہم یہ سارا لباس زیب تن کرتے ہیں لیکن سر کو ننگا رکھتے ہیں۔ لوگوں کی خدمت میں باادب عرض ہے کہ اگر دوسرے کپڑے زینت

میں داخل ہیں تو ٹوپی وغیرہ کو آپ کس دلیل سے اس زمرہ سے نکال باہر کر رہے ہیں، اوپر صفحات میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول سر کو ڈھانپنا تھا، لہٰذا میں ٹوپی وغیرہ سے سر ڈھانپنے کے زینت ہونے پر اور کیا مضبوط ثبوت پیش کر سکتا ہوں، اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ معمول اعلیٰ درجہ کی زینت بھی ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہاں پسندیدہ بھی۔

بہرحال اِن وجوہات کی بنا پر مجھے تو نماز کی حالت میں اور عام حالت میں سر ڈھانپنا ہر حال مین بہتر واولیٰ اور مستحب ومندوب نظر آتا ہے۔



# سجدۂ سہو کا بیان

کسی رکن کے مقدم کر دینے یا مؤخر کرنے یا مکرر کرنے یا کسی واجب کو بدل دینے یا سہواً ترک کر دینے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے۔

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاقام الامام فى الركعتين فان ذكر قبل أن يستوى قائما فليجلس وان استوى قائما فلا يجلس ويسجد سجدة السهو.

(ابوداؤد ج ا ص ۱۶۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام دو رکعت پر کھڑا ہو جائے (اور قعدۂ اولیٰ میں نہ بیٹھے) پس اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو چکا ہو تو نہ بیٹھے، اور سجدۂ سہو کرے۔

گویا ترکِ واجب پر سجدہ سہو کا حکم دیا جا رہا ہے، کیوں کہ قعدۂ اولیٰ واجب ہے۔

سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ تشہد کے بعد صرف دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے، اس کے بعد پھر تشہد، درود اور دعاء ماثورہ پڑھ کر حسبِ معمول سلام پھیر دے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے:

فسجد سجدتين بعد ماسلّم.

(بخاری ج ا ص ۱۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کیے سلام کے بعد۔

یہ حدیث ترمذی ج ا ص ۵۲ پر بھی آئی ہوئی ہے اور اس حدیث کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں ھٰذا حدیث حسن صحیح (یہ حدیث حسن صحیح ہے)

عبداللہ بن جعفرؓ کی روایت میں ہے:

ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من شک فی صلوته فلیسجد سجدتین بعد ماسلم.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی نماز میں شک کرے وہ سجدہ کرے دو سجدے، سلام پھیرنے کے بعد۔

(نسائی (ج ۱ ص ۱۸۵، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۴)

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فی کل سهو سجدتان بعد ما یسلّم. (ابن ماجه ص ۸۶)

ہر سہو میں دو سجدے ہیں سلام پھیرنے کے بعد۔

یہ حدیث قاعدۂ کلیہ ہے جو کہ سہو کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

عمران بن حصینؓ کی روایت میں ہے۔

ثم سلم ثم سجد سجدتین ثم سلّم.

(مسلم ج ۱ ص ۲۱۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۲)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا، پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔

علقمہؒ، عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ:

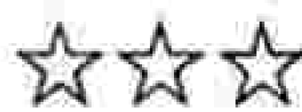
سجد سجدتی السهو بعد السلام وذكر ان النبی صلی الله علیه وسلم فعل ذالک. (ابن ماجہ ص ۸۶)

عبداللہ بن مسعودؓ نے دو سجدۂ سہو کئے سلام کے بعد، اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔

ابوقلابہؒ، عمران بن حصینؓ سے نقل کرتے ہیں کہ

فی سجدتی السهو یسلم ثم یسجد ثم ییسلم. (طحاوی ص ۲۱۴)

سجدۂ سہو میں سلام پھیرتے، پھر سجدۂ سہو کرتے پھر سلام پھیرتے۔



# مسافر کی نماز

انسان گھر رہے اور سفر میں رہے، دونوں حالتیں ایک جیسی نہیں ہیں، سفر میں گھر جیسا سکون واطمینان حاصل نہیں ہوتا، کم یا زیادہ ایک طرح کی الجھن بھی رہتی ہے، اور جب گھر پہنچتا ہے تو پرسکون ہو جاتا ہے، عام انسانی احوال یہی ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ نے سفر کی اس کیفیت کا لحاظ کرتے ہوئے بعض عبادات کی ادائیگی میں کچھ گنجائش اور چھوٹ دی ہے، مثلاً مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی کہ بعد میں رکھ لے گا، اور نماز میں چار رکعت کی جگہ دو رکعت کر دی۔

سورۂ نساء میں ہے:

وَاِذَاضَرَبْتُمْ فِیْ الاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکَافِرِیْنَ کَانُوْا ھُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (۱۰۱)

جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ نماز میں کمی کر دیا کرو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں آزمائش میں ڈال دیں گے، بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

یعلیٰ بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ قرآن کی اس آیت میں حکم یوں ہے کہ ''اگر تمہیں کفار کا خطرہ ہو تو نماز میں کمی کرنے سے تم پر کوئی حرج نہیں، اور اب تو لوگ کفار سے محفوظ ہیں، اسلام کا غلبہ ہے۔'' (لہٰذا قصر کا حکم باقی ہے یا نہیں؟) حضرت عمرؓ نے فرمایا، مجھے بھی یہی تعجب ہوا تھا جو تمہیں ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

صدقة تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقته.
یہ سہولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے، لہٰذا اس کے عطیہ کو قبول کرو۔

(مسلم ج ۱ ص ۲۴۱ صلوٰۃ المسافرین)

یعنی خوف ہو یا امن کی حالت، ہر حالت میں مسافر کو قصر ہی کرنا ہے۔

# مسافر کی نماز کے احکام

سفر میں چار رکعت والی نمازیں (مثلاً ظہر، عصر، عشاء) دو رکعت پڑھی جائیں گی، لیکن دو رکعت اور تین رکعت والی نمازوں میں کوئی کمی نہ ہوگی، یعنی فجر اور مغرب حسبِ معمول دو اور تین رکعت پڑھی جائیں گی۔ (ترمذی ج ۱ ص ۷۲ و بخاری ج ۱ ص ۱۴۸)

اگر کوئی مسافر، مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی متابعت میں اسے بھی چار رکعت والی نماز کو چار رکعت ہی پڑھنا ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۴۳، مسند احمد ۱/۲۱۶)

لیکن اگر مسافر، امام ہو اور مقتدی، مقیم ہوں تو مسافر امام دو رکعت پڑھے گا اور مقتدی کھڑے ہو کر بقیہ دو رکعت مکمل کریں گے، مسافر امام مقتدیوں کو بتا دے کہ میں مسافر ہوں، آپ حضرات اپنی نماز مکمل کرلیں۔ (مؤطا امام مالک باب صلوٰۃ المسافر ص ۱۳۲)

عن عائشة قالت فرضت الصلوٰة رکعتین ثم هاجر رسول الله ﷺ ففرضت اربعاً وترکت صلوٰة السفر علی الفریضة الأولیٰ متفق علیه. (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۹)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نماز دو، دو رکعت ہی فرض تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہجرت کے بعد چار رکعت فرض ہوئی، اور سفر کی نماز پہلے ہی طریقہ پر (دو رکعت) چھوڑ دی گئی۔

عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے:

فرض اللہ الصلوٰة علی لسان
اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علی وسلم

نبیکم صلی الله علیه وسلم فی الحضر اربعاً وفی السفر رکعتین.
(مسلم ج ۱ ص ۲۴۱)

کی زبان پر حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت فرض کی۔

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرؓ دونوں سے روایت ہے کہ:

سن رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوٰة السفر رکعتین وهما تمام غیر قصر والوتر فی السفر سنة. (ابن ماجہ ص ۷۶، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۹)

سفر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت بیان فرمائی ہے اور وہ دونوں رکعتیں بالکل مکمل ہیں، ناتمام نہیں، اور وتر سفر میں سنتِ مستمرہ ہے۔

اگر کسی مقام پر پندرہ روز اقامت کی نیت ہو تو قصر جائز نہیں، اب چار رکعت کی چار رکعت ہی پڑھی جائے گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۳)

## سفرِ شرعی کی مسافت

کتنی دوری کے سفر کا ارادہ ہو تو شرعی مسافر کہلائے گا؟ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے خفین پر مسح کی احادیث ذکر کرتے ہیں

شریح بن ہانیؒ سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا، میں نے ان سے خفین پر مسح کی مدت کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے فرمایا، علی بن ابی طالبؓ کے پاس جاؤ، کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں رہا کرتے تھے (وہ زیادہ بہتر بتا سکیں گے) چنانچہ شریح بن ہانی، حضرت علیؓ کے پاس آئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ

جعل رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاثة ایام ولیا لیهن للمسافر ویوماً ولیلة للمقیم.
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۵ باب التوقیت فی المسح علی الخفین)

رسول اللہ ﷺ نے خفین پر مسح کی مدت مسافر کے لئے تین دن تین رات بیان فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم جعل للمقیم یوماً و لیلة و للمسافر ثلاثة ایام و لیالیهن فی المسح علی الخفین. (المنتقی لابن جارود ص ۳۹ رقم الحدیث ۸۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات، مسافر کے لئے تین دن تین رات خفین پر مسح کی مدت متعین فرمائی ہے۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزوة تبوک بالمسح علی الخفین قال ثلاث للمسافر ویوم ولیلة للمقیم.

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۷، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۵۹ باب التوقیت فی المسح علی الخفین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں ہمیں خفین پر مسح کے سلسلے میں حکم دیا کہ مسافر تین دن کرے اور مقیم ایک دن ایک رات۔

احادیثِ مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شرعی مسافر اس وقت ہوگا جب تین دن تین رات کی مسافت کا قصد کرے، اس سے کم مسافت کا قصد کرنے کی صورت میں وہ شرعی مسافر نہ ہوگا، لہٰذا اسے خفین پر مسح کی مسافر والی گنجائش (تین دن تک والی) نہیں ملے گی۔

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاتسافر المرأة ثلاثة ایام الامع ذی رحم محرم. (بخاری ج ۱ ص ۱۴۷)

عورت، تین دن کا سفر، ذی رحم محرم کے بغیر نہ کرے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایحل لا مرأة ان تسافر ثلاثاً الاومعها ذومحرم منها. (مسلم ج ۱ ص ۴۳۴)

کسی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن کا سفر کرے اور اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو۔

اِن احادیث میں بھی عورت کو تین دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم، کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس سے بھی پتہ چلا کہ تین دن کی مسافت ہو جائے تو چونکہ وہ عورت شرعی مسافر ہو جائے گی، لہٰذا سفر والی مسافت بغیر محرم کے وہ نہیں کر سکتی۔

تین دن کی مسافت سے مراد یہ ہے کہ صبح سے دوپہر تک چلے، نہ کہ صبح سے شام تک، اور چال سے مراد آدمی یا اونٹ کی متوسط چال ہے، اس اعتبار سے ایک آدمی صبح سے دوپہر تک متوسط چال چلتا ہوا سولہ میل جا سکتا ہے، تین دن میں اڑتالیس میل، لہٰذا مسافتِ شرعی اڑتالیس میل ہوئی، جو موجودہ پیمائش کلومیٹر میں $77\frac{1}{4}$ کلومیٹر ہوتی ہے۔

اکثر روایات میں ''چار بُرُد'' کا لفظ آیا ہے، اور ایک بُرد بارہ میل کا ہوتا ہے، اس لئے سفر شرعی کی مسافت ۴۸ میل ہو جاتی ہے۔

عن مالک انه بلغه ان عبدالله بن عباس كان يقصر الصلوٰة فی مثل مابين مكة والطائف وفی مثل مابين مكة وعسفان وفی مثل مابين مكة وجدة قال مالک وذالک اربعة برد قال مالک وذالک احبّ ماتقصر فيه الصلوٰة لايقصر الذی يريدالسفر الصلوٰة حتی يخرج من بيوت القرية ولايتم حتی يدخل اول بيوت القرية.

(مؤطا امام مالک ما یجب فیہ قصر الصلوٰۃ)

امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ عمل معلوم ہوا ہے کہ وہ مکہ اور طائف، مکہ اور عسفان، مکہ اور جدہ جیسے سفر میں قصر کرتے تھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار بُرد کی ہے اور سب سے پسندیدہ مسافت قصر یہی ہے، اور فرمایا کہ بستی کی آبادی سے نکل کر قصر شروع کرے۔ اور واپسی میں بستی میں داخل ہونے پر نماز مکمل پڑھے۔

مکہ مکرمہ سے جدہ کا فاصلہ ۷۲ کلومیٹر ہے، مکہ سے طائف کا فاصلہ ۸۸ کلومیٹر

ہے، اور مکہ مکرمہ سے عسفان کا فاصلہ ۸۰ کلومیٹر ہے۔

كان ابن عمر و ابن عباس رضي الله عنهم يقصران ويفطران في اربعة برد وهي ستة عشر فرسخاً

(بخاری ج۱ ص۱۴۷ فی کم یقصر الصلوٰۃ)

عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چار بُرد کی مسافت والے سفر میں نماز قصر پڑھتے تھے، اور روزہ افطار کرتے تھے، اور چار بُرد سولہ فرسخ کے برابر ہوتے ہیں۔

ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، اس طرح ۱۶ کو تین میں ضرب دیدیا گیا تو ۴۸ میل ہو گئے۔

مسافر آدمی کب مقیم بن جائے گا؟ اس کے متعلق آثار صحابہ ملاحظہ کریں۔

عن مجاهد قال ان ابن عمر رضي الله عنه كان اذا اجمع على اقامة خمسة عشر يوماً اتم الصلوٰة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۴۵۵)

مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب پندرہ دن ٹھہرنے کا عزم کر لیتے تو نماز پوری پڑھتے تھے۔

عن سعيد بن المسيب قال اذا قدمت بلدة فاقمت خمسة عشر يوما فأتم الصلوٰة.

(کتاب الحج للامام محمد بن حسن ج۱ ص۱۷۰)

سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ تم جب کسی شہر میں پہنچو اور پندرہ دن ٹھہرو تو نماز پوری پڑھو۔

اگر کوئی شخص سفر شرعی (کم از کم ۴۸ میل) کے ارادہ سے نکلا، تو اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ۴۸ میل جانے کے بعد ہی نماز قصر پڑھے، بلکہ اپنی بستی سے نکلتے ہی اگر نماز کا وقت آ گیا ہو اور چار رکعت والی نماز ہو تو، قصر کرے گا اور دو رکعت پڑھے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ مکہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

| | |
|---|---|
| أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر بالمدينة اربعاً وصلىٰ العصر بذى الحليفة ركعتين. | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر کی نماز، چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔ |

(بخاری ج۱ص ۱۴۸، مسلم ج۱ص ۲۴۴)

ذوالحلیفہ، مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص تین میل کا سفر کرے تو قصر کرے (۱)، یعنی مسافتِ قصر کی کم سے کم مقدار تین میل ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین میل کے سفر کے لئے نہیں نکلے تھے، بلکہ مکہ مکرمہ جانے کے لئے نکلے تھے، اور مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے، مسافتِ شرعی ۴۸ میل سے کئی گنا زیادہ ہے، تقریباً ۴۰۰ کلومیٹر۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مسافتِ شرعی سے بہت زیادہ ہے۔

اِس حدیث سے یہ مسئلہ یقیناً ثابت ہوگیا کہ مسافرِ شرعی اپنی بستی سے نکلتے ہی قصر کرسکتا ہے، لیکن یہ مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ تین میل کے سفر کا ارادہ کر کے چلے تو بھی قصر کرسکتا ہے۔

---

(۱) مولانا صادق سیالکوٹی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں ''اس حدیث شریف کی رو سے کم از کم مسافتِ قصر کے لئے تین میل ثابت ہوئی۔'' (صلوٰۃ الرسول ص ۳۹۶)، جبکہ اس عبارت سے متصل دو سطر اوپر خود ہی لکھتے ہیں کہ ''حضور تو سفر کے ارادے سے چلے تھے کہ نماز عصر کا وقت آ گیا تھا، پس حضور نے ذوالحلیفہ میں اور گھر سے تین میل کے فاصلے پر عصر میں قصر کرلی۔

# مریض کی نماز

سورۂ نساء میں ارشاد ربانی ہے:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ. (آیت ۱۰۳)

اللہ کو یاد کرو کھڑے ہوکر، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بَل۔

عمران بن حصینؓ نے اپنی ایک بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا، حضورؐ نے فرمایا:

صلّ قائما فإن لم تستطع فقاعداً فان لم تستطع فعلیٰ جنب. (بخاری ج۱ص۱۵۰)

کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگراس کی استطاعت نہ ہوتو بیٹھ کر، اگراس کی بھی استطاعت نہ ہوتو پہلو کے بل۔

نسائی میں یہ الفاظ بھی آئے ہوئے ہیں:

فان لم تستطع فمستلقیا لایکلف الله نفسا الا وسعها. (ودارقطنی ص۴۴۶)

اگرتم پہلو کے بل بھی نماز پڑھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوتو چت لیٹ کر پڑھو۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس پراس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

نافعؒ، عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ:

کان یقول اذا یستطیع المریض السجود أومأأیماءً ولم یرفع الیٰ جبهته شیئاً (مؤطاامام مالک)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب مریض سجدہ کی استطاعت نہ رکھے تواشارہ سے نماز پڑھے، مگر (سجدہ کرنے کے لئے) اپنی پیشانی کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے۔

اشارہ سے مرادسر سے اشارہ کرنا ہے نہ کہ آنکھوں یا پلکوں سے اشارہ، کیوں کہ سر کا ہی اشارہ احادیث سے ثابت ہے۔

# نماز کا طریقہ

## قبلہ رُو ہونا

نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو، ارشادِ ربانی ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ. (بقرہ-۱۴۴)

پس پھیر لیجئے اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے چہروں کو اسی کی طرف پھیر لو۔

سفر ہو یا حضر، ہر جگہ رخ قبلہ کی طرف ہی ہونا چاہئے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ. (بقرہ-۱۵۰)

جہاں کہیں آپ نکلیں، اپنے چہرے کو مسجد حرام کی جانب پھیر لیجئے۔ اور (اے مسلمانو!) تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو، اسی کی جانب اپنے چہروں کو پھیر لو۔

## نیت

نیت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس بات کا قصد اور ارادہ ہو کہ ہم یہ نماز جو کہ فلاں وقت کی ہے خالص اللہ کے لئے پڑھ رہے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ

اور وہ لوگ نہیں حکم دئے گئے مگر اسی بات کا

لَهُ الدِّیْن. (بینہ-۵) کہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنّما الاعمال بالنیات. (بخاری ج۱ص۹) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اصل نیت تو دل کے ارادہ کا ہی نام ہے، لیکن اگر زبان سے بھی کرلی جائے تو بھی جائز ہے کیوں کہ اس سے دل اور زبان دونوں میں مطابقت پیدا ہوگی۔

# تکبیر تحریمہ

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے اللّٰہ أکبَر کہہ کر نیت باندھنا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. (مدثر-۳) اور اپنے رب کی ہی بڑائی بیان کیجئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَاسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی. (اعلیٰ-۱۵) کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے پاکی اختیار کی اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مِفتاح الصلوٰۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم. (ترمذی ج۱ص۳) نماز کی کنجی وضو ہے اور اس کی تحریم 'اللّٰہ اکبَر' کہنا ہے اور اس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے:

اذا قمت الیٰ الصلوٰۃ فاسبغ الوضو ثم استقبل القبلۃ فکبر. (مسلم ج۱ص۱۷۰) جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف رخ کرکے 'اللہ اکبر' کہو۔

ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رو ہونے کے بعد

اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے اس کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے۔ (ابن ماجہ ص ۵۸)

## تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کانوں تک اُٹھانا

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک اُٹھانا چاہئے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھاتے تھے:

عن مالک بن الحویرث انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا کبر رفع یدیه حتی یحاذی بهما اذنیه وفی روایة حتی یحاذی بهما فروع اذنیه. (مسلم ج ا ص ۱۶۸)

مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے، یہاں تک کہ انھیں اپنے دونوں کانوں کے بالمقابل لے آتے، اور ایک روایت میں ہے کہ انھیں اپنے دونوں کانوں کی لَو کے برابر لے آتے۔

عن وائل بن حجر انه ابصر النبی صلی الله علیه وسلم حین قام الیٰ الصلوٰة رفع یدیه حتی کانتا بحیال منکبیه وحاذی بابهامیه اذنیه ثمّ کبّر. (ابوداؤد ج ا ص ۱۲۱)

وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ وہ آپؐ کے دونوں کندھوں کے مقابل میں آگئے، اور آپ کے دونوں انگوٹھے آپ کے دونوں کانوں کے برابر آگئے۔ پھر آپؐ نے اللہ اکبر کہا۔

وائل بن حجرؓ کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے:

قال رأیت النبی صلی الله علیه وسلم حین افتتح الصلوٰة رفع یدیه حیال اذنیه قال ثم اتیتهم فرأیتهم

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز شروع کرتے وقت دیکھا کہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کی لَو

یرفعون ایدیھم الیٰ صدورھم فی افتتاح الصلوٰۃ وعلیھم برانس وأکسیۃ. (ابوداؤد ج ا ص ۱۲۱)

تک اٹھائے، پھر (کچھ دن بعد) میں صحابۂ کرامؓ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نماز کے شروع میں اپنے ہاتھوں کو اپنے سینوں تک اُٹھاتے ہیں اس حال میں کہ اُن پر گرم کپڑے اور چادریں تھیں۔

اِس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر (سردی وغیرہ کے موسم میں) ہاتھ چادر میں لپٹے ہوئے ہوں تو ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانے کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ صحابۂ کرامؓ نے کیا تھا۔ لیکن جب چادر وغیرہ میں لپٹے ہوئے نہ ہوں تو ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک اٹھانا چاہئے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ اگر کانوں کی لَو چھو جائے تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس طرح کانوں کی لَو تک پہنچنا بالکل یقینی ہو جاتا ہے ورنہ آدمی خود تو دیکھتا نہیں کہ اس کا ہاتھ کانوں کی لَو تک پہنچا یا نہیں اور اس صورت میں خود اسے بھی کانوں کی لَو تک پہنچ جانے کا یقین اور سنتِ نبویؐ پر عمل ہو جانے کا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، ویسے کانوں کی لَو کو چھونا ضروری نہیں ہے۔

## ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا

(۱) عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرّۃ.

(زجاجۃ المصابیح ج ا ص ۲۳۲، تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۱۴، آثار السنن ج ا ص ۶۹)

علقمہ بن وائل بن حجر اپنے باپ وائل بن حجرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ہیں ناف کے نیچے۔

(۲) عن الحجاج بن حسان قال سمعت ابامِجلز اوسألته قال قلت كيف اضع قال يضع باطن كف يمينه علىٰ ظاهر كف شماله ويجعلهما اسفل من السرة.
(حوالۂ مذکورہ)

حجاج بن حسانؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابومجلزؒ سے سوال کیا کہ ہاتھ کہاں رکھوں؟ انھوں نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے کرے۔

عن ابراهيم قال يضع يمينه علىٰ شماله في الصلوٰة تحت السرّة.
(حوالۂ مذکورہ)

ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ نماز پڑھنے والا، نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے، ناف کے نیچے۔

یہ ساری حدیثیں صحیح الاسناد ہیں، اس کے بالمقابل وہ حدیثیں جن میں ہاتھ سینے پر باندھنے یا ناف کے اوپر باندھنے کا تذکرہ ہے، وہ سب کی سب ضعیف اور غیر محفوظ ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے آثار السنن الجزء الاول ص ۶۴ تا ۷۱)

ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

وروى ذالك عن علي وابي هريرة وابي مجلز والنخعي والثوري واسحاق لما روى عن علي انه قال من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة رواه الامام احمد وابو داؤد وهٰذا ينصرف الىٰ سنة النبي صلى الله عليه وسلم.
(المغنی ج ۱ ص ۴۷۲)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابومجلزؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ سے مروی ہے، کیوں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''سنت میں سے ہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے'' روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ابوداؤد نے، اور سنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین ومن بعدهم یرون ان یضع الرجل یمینه علی شماله فی الصلوٰة ورأی بعضهم ان یضعها فوق السرة ورأی بعضهم ان یضعهما تحت السرة وکل ذالک واسع عندهم. (ترمذی ج۱ص۳۴)

اہلِ علم صحابہؓ وتابعین وتبع تابعین کا عمل اسی پر ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ، اپنے بائیں پر رکھے، پھر بعض کہتے ہیں کہ ناف کے اوپر (نہ کہ سینے کے اوپر) رکھے اور بعض کہتے ہیں کہ ناف کے نیچے رکھے، اور محدثین کے نزدیک یہ سب جائز ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کردینا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ امام شافعیؒ کی تین روایتوں میں سے ایک روایت ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی ہے اور یہی حال امام احمد بن حنبلؒ کا ہے اور احناف تو اسی کے قائل ہیں (الکوکب الدری ج۱ص۱۲۹) گویا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت کو اکثر ائمہ کی تائید حاصل ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج۱ص۲۱۲)

## ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھنا

تکبیر تحریمہ اور سورۂ فاتحہ کے درمیان سراً ثنا پڑھنی چاہئے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوٰة قال سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولاالٰه غیرک.

(ابوداؤد ج۱ص۱۲۹، ترمذی ج۱ص۳۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو یوں پڑھتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالیٰ جَدُّکَ وَلَااِلٰہَ غَیْرُکَ.

ابن ماجہ ص ۵۸ ونسائی ج اص ۱۴۳ پر یہ روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے ــــــ اسی مفہوم ومضمون کی درج ذیل احادیث بھی موجود ہیں:

عن حميد الطويل عن انس بن مالك قال كان رسول الله ﷺ اذا استفتح الصلوٰة قال سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولااِله غيرك رواه الطبراني وكتابه المفرد في الدعاء واسناده جيد.

حمید طویلؒ، انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کہتے "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالیٰ جَدُّکَ وَلَااِلٰهَ غَیْرُکَ."

دارقطنی اور شرح معانی الآثار میں ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی پڑھتے تھے۔

(دیکھئے شرح معانی الآثار ج اص ۹۶، آثار السنن الجزء الاول ص ۷۲ و ۷۳)

## تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا

ثنا کے بعد چونکہ اب قرأت کرنی ہے (یعنی سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھنا ہے) اس لئے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھ کر قرأت شروع کیجائے۔

ارشادِ باری ہے:

وَاِذَاقَرأتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. (نحل-۹۸)

اور جب آپ قرآن پڑھئے تو اللہ کی پناہ مانگئے شیطانِ رجیم (کے شر) سے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطانِ الرَّجِیْم پڑھئے۔

ثناء کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ اور بِسْمِ اللّٰهِ الخ پڑھنے کے متعلق دیکھئے نسائی

ج ۱ص ۱۴۳، صحیح ابن خزیمہ ج ۱ص ۲۴۰، آثار السنن ج ۱ص ۳۷ وغیرہ۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری ان دونوں کو ہمیشہ سرّاً ہی پڑھنا ہے۔ (نسائی ج ۱ص ۱۴۴ عن عبداللہ بن مسعود)

## سورۂ فاتحہ پڑھنا اور سورہ ملانا

اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنی ہے اور سورۂ فاتحہ ختم ہونے کے بعد سرّاً آمین کہنا ہے پھر کوئی سورہ ملانی ہے یا کسی سورہ کی چند آیتیں پڑھنی ہیں۔

عن عائشة قالت كان رسولِ الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلوٰة بالتكبير والقرأة بالحمد لله ربّ العٰلمين. (مسلم ج ۱ص ۱۹۴)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تھے اَللّٰہُ اَکْبَر سے اور قراَت شروع کرتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الخ سے۔

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے اور سورت ملانے کے متعلق احادیث یہ ہیں:

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. (بخاری ج ۱ص ۱۰۴)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

مسلم کی روایت میں ہے:

لمن لم يقرأ بام الكتاب فصاعداً. (ج ۱ص ۱۶۹)

جس نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد نہیں پڑھا۔



# سورۂ فاتحہ فرض ہے یا واجب؟

نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ قرآن کی کوئی متعین سورہ پڑھنا فرض ہے، یا بلا تعیین، قرآن کی کوئی سورہ یا کوئی بھی حصہ پڑھنا فرض ہے۔

قرآن وحدیث کے بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بلا کسی تعیین کے کوئی بھی سورہ پڑھ دی جائے، فرضیتِ قرأت، ادا ہو جائے گی۔ ادائیگیٔ فرضیت کسی مخصوص سورہ کے پڑھنے پر موقوف نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ نماز کے معاملے میں سورۂ فاتحہ کو بہت اہمیت حاصل ہے مگر اس کے باوجود سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے، واجب ہے، اگر کوئی شخص بھول کر سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، لیکن قرآن کی کوئی سورہ یا چھوٹی تین آیت یا ایک بڑی آیت پڑھ لے تو فرضیت ادا ہوگئی۔ البتہ واجب چھوٹ گیا، اس کا تدارک یوں ہوگا کہ آخر میں سجدۂ سہو کرلے، کیوں کہ بھول کر واجب ترک کر دینے کا یہی حکم ہے، لیکن اگر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہو تو سورۂ فاتحہ بھول کر بھی چھوڑ دینے سے نماز نہ ہوگی، خواہ سجدۂ سہو کرلیا ہو، کیوں کہ سجدۂ سہو سے فرض کا تدارک نہیں ہوتا، واجب کا تدارک ہوتا ہے۔

آیئے! دیکھیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟

سورۂ مزمل میں تہجد (صلوٰۃِ لیل) کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد باری ہے:

فَاقْرَأُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔ پس پڑھئے جو آسان ہو قرآن سے۔

(آیت ۲۰-پ ۲۹)

اسی آیت میں آگے فرمایا جا رہا ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ. (سورہ مزمل) پس پڑھو جو آسان ہو اُس سے۔

اس دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے، اور وہ بھی وہ حصہ جو نماز پڑھنے والا بسہولت پڑھ سکے۔ کوئی لازمی نہیں کہ وہ سورۂ فاتحہ ہی ہو، کوئی بھی سورہ ہو سکتی ہے۔

بعض حضرات اس آیت سے تلاوتِ قرآن مراد لیتے ہیں کہ روزانہ جتنا بسہولت پڑھا جا سکے، تلاوت ضرور کرنی چاہئے۔ لیکن یہ بات درج ذیل وجوہ سے باطل ہے:

(۱) اِن دونوں آیتوں کے آگے پیچھے نماز (نمازِ تہجد) کا ذکر ہے اور اسی میں قرآن پڑھنے کا حکم بیان کیا جارہا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں آیتوں کا تعلق نماز میں قرآن پڑھنے سے ہے۔

نمازِ تہجد کی فرضیت اگر چہ منسوخ ہوگئی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی مخصوص نماز فرض نہ رہے تو نماز کے اندر جو چیز بطورِ رکن و فرضیت ثابت ہو وہ بھی منسوخ ہو جائے۔

انما نسخ وجوب قیام اللیل دون فرض الصلوٰۃ وشرائطها وسائر احکامها. (عمدۃ القاری ج۶ ص۱۱)

قیامِ لیل (تہجد) کا وجوب منسوخ ہوا ہے نہ کہ نماز کے فرائض اور اس کی شرائط، اور اس کے سارے احکام۔

رمضان المبارک کا روزہ فرض ہونے سے پہلے، یومِ عاشورہ (۱۰ ارمحرم الحرام) کا روزہ فرض تھا، بعد میں یہ روزہ نفل بن گیا، (مسلم ج۱ ص۳۵۸) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عاشوراء کا روزہ طلوعِ صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک تھا تو رمضان کے روزہ کا کچھ اور حکم ہو جائے گا، اس میں کھانا پینا، بیوی کے قریب جانا منع تھا تو رمضان میں اس کا حکم بدل جائے، کسی چیز کی فرضیت کی منسوخی کا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہی چیز کسی اور موقع پر کرنے کا حکم ہو تو وہ بدل جائے، ارکان وشرائط میں تبدیلی ہو جائے۔

(۲) دونوں آیتوں میں صیغۂ امر کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم ہے اور خارجِ نماز

قرآن پڑھنا کسی کے نزدیک فرض نہیں، ہاں مسنون ضرور ہے۔ قرآن پڑھنے کی فرضیت صرف نماز میں ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ دونوں آیتیں نماز سے ہی متعلق ہیں۔

(۳) اسی مفہوم سے ملتی جلتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے ایک صحابی خلاد بن رافعؓ مسجد نبویؐ میں آئے اور آ کر نماز پڑھنی شروع کردی، مگر نماز صحیح طریقے کے مطابق ادا نہ کر سکے، حضورؐ کے حکم پر انھوں نے تین مرتبہ نماز دہرائی، پھر بھی صحیح نہ ہو سکی، آخر کار انھوں نے حضورؐ سے عرض کیا عَلِّمْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اے اللہ کے رسول! آپ ہی مجھے سکھا دیجئے، چنانچہ آپؐ نے انھیں نماز سکھائی اور اس میں فرمایا۔

ثـم استـقبـل القبلة فكبر ثم اقرأبما تيسر معك من القرآن.

پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو، پھر اَللّٰـــہُ اَکْبَـر کہہ کر نیت باندھ لو پھر پڑھو جو آسان ہو تمہارے ساتھ قرآن سے۔(۱)

(بخاری ج ا ص ۱۰۵، مسلم ج ا ص ۱۷۰)

(۴) ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی اصل حقیقت تسبیح، تکبیر اور قراءتِ قرآن بتائی ہے۔

عـن مـعـاوية بـن الـحـكـم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هٰـذهٖ الـصـلوٰة لايصح فيها شئ من كـلام الـنــاس انـمـا هـى التسبيح والتكبير وقرأة القرآن.

(مسلم ج ا ص ۲۰۳، بلوغ المرام ص ۱۶)

معاویہ بن حکمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ نماز، نہیں صحیح ہوتی ہے اس میں کلام الناس میں سے کوئی چیز، یہ تو بس تسبیح و تکبیر اور قراءتِ قرآن کا نام ہے۔

---

(۱) کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ثم اقرأبما تیسر معک من القران سے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مراد ہے کیوں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی آسان ہے۔ لیکن یہ بات صراحۃً غلط ہے اول تو اس لئے کہ "پس پڑھو جو آسان ہو قرآن سے" حکم عام ہے، اس میں کسی سورہ کی تخصیص نہیں، لہٰذا آیت سے سورۂ فاتحہ کی تخصیص بلا دلیل ہے۔ دوم اس لئے کہ قرآن میں سے صرف سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا آسان نہیں بلکہ بہت سی سورتیں، سورۂ فاتحہ سے بھی چھوٹی ہیں اور ان کا یاد کرنا اور پڑھنا سورۂ فاتحہ سے بھی آسان ہے۔ لہٰذا نووی علی المسلم ج ا ص ۱۷۰، وغیرہ پر اس آیت سے سورۂ فاتحہ کی تخصیص اور سورۂ فاتحہ کا ہی پڑھنا، آسان قرار دیا جانا بلا وجہ کی زبردستی ہے۔

اس حدیث میں بھی سورۂ فاتحہ کے بجائے نماز کی اصل حقیقت ''قرأتِ قرآن'' بتائی گئی، یعنی قرآن پڑھنا، خواہ کہیں سے پڑھا جائے، یہ فرض نہیں کہ وہ سورۂ فاتحہ ہی ہو۔

## اور یہ حدیث نبوی

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ سورۂ فاتحہ کوفرض کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے لیکن کسی اورسورہ کو پڑھ لے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، خواہ بھول کر چھوڑے یا جان بوجھ کر، اورواجب کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ بھول کرسورۂ فاتحہ چھوڑنے والا اگر سجدۂ سہو کرلے تو نماز ہوجائے گی اور جان بوجھ کر چھوڑے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ ترکِ واجب کا یہی حکم ہے۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں مطلق قرأتِ قرآن کی فرضیت تو ثابت ہوتی ہے، خاص طور پرسورۂ فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، لیکن ایک اورحدیث بھی ہے جس سے اس کے برعکس حکم ثابت ہوتا ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. (بخاری ج۱ص۱۰۴)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا، اُس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ گویا سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں فرض ہے، لیکن آیئے! ذرادیکھیں کہ اس حدیث سے سورۂ فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یانہیں؟

حدیث کے الفاظ لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب (اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی) میں دواحتمالات ہیں، ایک تو یہ کہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے

والے کی سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی، دوسرا یہ کہ کامل نماز نہیں ہوتی نماز تو ہو جاتی ہے مگر ناقص ہوتی ہے۔

ارشادِ نبویؐ لاصلوٰۃ الخ کے اندر یہ دونوں احتمالات بالکل یقینی اور شک وشبہ سے بالاتر ہیں، کیوں کہ عربی زبان میں ''لا'' کا لفظ کبھی نفی وجود پر دلالت کرتا ہے اور کبھی نقص اور نفی کمال پر۔

## ''لا'' نفی وجود کے معنیٰ میں

(۱) مثلاً کلمۂ توحید: لاالہ الا اللّٰہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۲) لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ. نہیں ہے کوئی طاقت اور نہ قوت مگر اللہ ہی کی طرف سے

(۳) لاتثریب علیکم الیوم (یوسف-۹۲) آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، وغیرہ وغیرہ

## ''لا'' نفی کمال کے معنیٰ میں

(۱) عن انس قال قلما خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الا قال لاایمان لمن لاامانۃ لہ ولادین لمن لا عہد لہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان. (مشکوٰۃ ج۱ص۱۵)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا ہو اور یہ بات نہ کہی ہو کہ اس کا ایمان نہیں جس کے اندر امانت کی صفت نہیں، اس کا دین نہیں جس کے اندر پاسِ عہد نہیں۔

حدیث کے الفاظ ''لااِیمانَ'' اور ''لادینَ'' سے مراد باتفاقِ محدثین ایمان اور دین کے وجود کی نفی نہیں بلکہ کمالِ ایمان اور کمالِ دین کی نفی مراد ہے۔

(۲) لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد. (دار قطنی ج۱ص۱۶۱)

نہیں ہے نماز، مسجد کے پڑوسی کی مگر مسجد میں۔

یہاں بھی نماز جائز نہ ہونے کا مطلب کامل ومکمل نماز کی نفی ہے نہ یہ کہ سرے سے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

(۳) لاصلوٰۃ بحضرۃ الطعام. نہیں ہے نماز، کھانے کی موجودگی میں۔

(مسلم ج ۱ ص ۲۰۸)

اس حدیث میں بھی کمال کی نفی مراد ہے نہ کہ وجود کی، چنانچہ صحیح ابن حبان میں ہے **لایصل احدکم بحضرۃ الطعام** (نہ نماز پڑھے تم میں کا کوئی کھانے کی موجودگی میں) کیوں کہ بھوک لگی رہنے اور کھانا حاضر ہو جانے کی صورت میں نماز میں دل نہیں لگے گا۔

(۴) لا صلوٰۃ للعبد الأبق. (......) نہیں ہے نماز بھاگے ہوئے غلام کی۔

(۵) یہ تو احادیث نبویہ تھیں، قرآن مجید میں بھی "لا" عدمِ کمال کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ. (توبہ-۱۲) پس قتال کرو، کفر کے سرداروں سے، بیشک ان کی کوئی قسم ہی نہیں۔

یہاں پر لاایمان لھم (ان کی کوئی قسم ہی نہیں) سے ان کی قسموں کا پختہ وکامل نہ ہونا مراد ہے، نہ کہ اُن کی قسموں کا وجود میں نہ ہونا، کیوں کہ اس سے قبل یوں ارشاد ہوا ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ. اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد

اور بعد میں یوں ارشاد ہوا:

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ. (توبہ/۱۳) کیا نہیں لڑتے ایسے لوگوں سے جو توڑ دیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسولؐ کو نکال دیں۔

اگر ان کی قسموں کا وجود ہی نہ ہوتا تو قسموں کو توڑنے کا کیا معنیٰ۔

عربی کے ایک شعر کا مصرع ہے

**لافتیٰ الّا علی، لا سَیفَ الّا ذوالفقار**

کوئی جوان نہیں، سوائے علیؓ کے اور کوئی تلوار نہیں سوائے ذوالفقار کے۔(۱)

ظاہر ہے کہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت علیؓ کے سوا کسی جوان کا وجود ہی نہیں، اور ذوالفقار کے سوا کسی تلوار کا وجود ہی نہیں۔

## حدیثِ عبادہؓ میں نفیِ کمال مراد ہے

رہی یہ بات کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** (اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی) میں جو ''لا'' استعمال ہوا ہے وہ ''ذاتِ صلوٰۃ'' اور ''وجودِ صلوٰۃ'' کی نفی کے لئے ہے یا ''کمالِ صلوٰۃ'' کی نفی کے لئے؟ تو دوسری احادیث کریمہ جو اسی معنیٰ و مفہوم کی ہیں ''لا'' کو نفی کمال کے معنیٰ میں متعین و مؤکد کرتی ہیں۔

**عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من صلّیٰ صلوٰة لم یقرأ فیها بأم القراٰن فهی خداج ثلاثا غیر تام.**

(مسلم ج ا ص ۱۶۹، ابوداؤد ج ا ص ۱۳۴، ترمذی ج ا ص ۴۰، صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ۲۴۷، مؤطا امام مالک ص ۳۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کوئی نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ اس میں نہیں پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، ناتمام ہے۔

---

(۱) اس مصرع سے شیعیت ٹپکتی ہے، ہم نے یہ مصرع عقیدہ کے طور پر نہیں لکھا بلکہ صرف یہ بتانے کے لئے کہ جس طرح ''لا'' نفی کمال کے لئے قرآن و حدیث میں مستعمل ہے اسی طرح کلامِ عرب میں بھی      اِن مثالوں کے دیکھنے کے بعد اُن حضرات کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے جو کہتے ہیں کہ ''لائے نفی جنس'' نفی کمال کے لئے نہیں بلکہ نفی ذات کے لئے ہی آتا ہے۔ (تحقیق الکلام حصہ اول ص ۱۵) کیوں کہ ہم نے جتنی مثالیں پیش کی ہیں، ہر جگہ لائے نفی جنس ہی آیا ہے اور نفی ذات کے بجائے نفی کمال مراد ہے۔

اِس حدیث میں لفظ ''خِداج'' تین مرتبہ استعمال ہوا، پھراس کے بعد اس کی تشریح حدیث کے اندر ہی لفظ ''غیر تام'' (مکمل نہیں) سے آگئی، جس سے ثابت ہوگیا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص و نامکمل ہوتی ہے نہ یہ کہ سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی۔

''خِداج'' کا ترجمہ ''غیر تام'' خود اسی حدیث سے ثابت ہے، (۱)

اِس کے علاوہ اس حدیث سے بھی:

عن الفضل بن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلوٰة مثنیٰ مثنیٰ تشهد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعهما الیٰ ربک مستقبلا ببطونها وجهک وتقول یارب یارب ومن لم یفعل ذالک فهو کذا وکذا قال ابو عیسیٰ وقال غیر ابن المبارک فی هٰذا الحدیث من لم یفعل ذالک فهو خِداج.

(ترمذی ج ا ص ۵۰)

فضل بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز دو دو رکعت ہے، تشہد پڑھنا ہے ہر دو رکعت میں اور خشوع اور تضرع اختیار کرنا اور مسکینی ظاہر کرنا ہے اور نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاؤ رحم طلب کرنے کے لئے یعنی انھیں اٹھاؤ اپنے پروردگار کی طرف (یعنی دعاء مانگو) اس حال میں کہ ہتھیلی کا رخ اپنے چہرے کی طرف رکھو اور کہو اے رب! اے رب! جو ایسا نہ کرے اس کی نماز ایسی ہے اور ایسی ہے، امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ کے علاوہ دوسرے راویوں کی اسی حدیث میں ہے کہ جو ایسا نہ کرے اس کی نماز خِداج (ناقص) ہے۔

(۲) عن عائشة قالت سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

(۱) لغت میں بھی خداج کے معنیٰ ناقص و ناتمام کے آتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں خدجت الناقۃ اونٹنی نے ناتمام بچہ گرایا۔ دیکھئے کتب لغت ونووی شرح مسلم ج ا ص ۱۶۹۔

يقول كل صلوٰة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج. (ابن ماجہ ص۶۱)

ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ ناقص ہے۔

(۳) عن عمر بن شعيب عن أبيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كل صلوٰة لايقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج فهي خداج. (حوالہ مذکورہ)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ ناقص ہے، ناقص ہے۔

(۴) صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاتجزئ صلوٰة لايقرأ فيها بفاتحة الكتاب. (ج۱ص۲۴۸)

وہ نماز کافی نہیں جس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔

نماز کا کافی نہ ہونا دوسری بات ہے، اور نماز ہی نہ ہونا دوسری بات، سورۂ فاتحہ کے بغیر، احناف کے یہاں بھی نماز نا کافی ہوتی ہے اور بھول کر نہ پڑھنے سے سجدۂ سہو سے اس کی تلافی کا حکم ہوتا ہے اور بالقصد چھوڑنے پر اعادۂ نماز کا۔

## سورۂ فاتحہ فرض نہ ہونے کے مزید دلائل

عبادہ بن صامتؓ کی بخاری والی روایت مسلم میں یوں آئی ہے:

لاصلوٰة لمن لم يقرأ بام القرآن فصاعداً. (۱) (مسلم ج۱ص۱۶۹)

اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد نہیں پڑھا۔

(۱) فصاعداً کی زیادتی ابوداؤد ج۱ص۱۳۵، نسائی ج۱ص۱۴۵، اور ابن حبان میں بھی ہے اور اس زیادتی میں معمرؒ کے متابع موجود ہیں یعنی سفیان بن عیینہؒ، ابوداؤد میں، اور عبدالرحمٰن بن اسحٰقؒ بخاری کے جزء القرأۃ میں، اور اوزاعیؒ اور شعیب بن حمزہؒ بیہقی میں (فتح الملہم ج۲ص۲۰، بذل المجہود ج۲ص۱۵، عمدۃ القاری ج۶ص۱۴) یہ تو متابع کا حال تھا، اس کے علاوہ اس روایت کی ''شاہد'' متعدد روایات موجود ہیں جو آگے آرہی ہیں۔ لہٰذا تحقیق الکلام حصہ اول ص۳۲ پر اس کے مصنف یا کسی کا بھی یہ دعویٰ کہ فصاعداً کی زیادتی میں معمر کا متابع موجود نہیں صحیح نہیں۔

لہٰذا اگر حضرت عبادہؓ کی بخاری والی روایت سے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض کیا جائے تو مسلم شریف کی اس روایت سے سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآن کی کوئی اور سورت یا آیات پڑھنا بھی فرض کہنا ہوگا۔ یعنی یا تو دونوں کو فرض کہئے یا دونوں کو واجب، کیوں کہ دونوں کے متعلق ایک ہی انداز سے حدیث موجود ہے، احناف تو دونوں کو واجب کہتے ہیں اور مطلق قرأتِ قرآن کو فرض، لیکن مقام حیرت ہے ان لوگوں پر، جو بخاری والی حضرت عبادہؓ کی روایت کو بنیاد بنا کر سورۂ فاتحہ کو فرض کہتے ہیں لیکن حضرت عبادہؓ کی ہی مسلم والی روایت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ ملانے کو فرض نہیں کہتے۔(۱)

تنہا مسلم کی ہی روایت نہیں، دیگر روایات بھی موجود ہیں۔

| | |
|---|---|
| عن ابی هريرة انه قال قال لی رسول الله صلی الله عليه وسلم اخرج فناد فی المدينة انه لاصلوٰة الا بقراٰن ولو بفاتحة الكتاب فمازاد. (ابوداؤد ج۱ص۱۳۴) | حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا نکلو، پس مدینہ میں پکار آؤ کہ کوئی نماز نہیں مگر قرآن پڑھنے سے، اگرچہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا اس سے زائد۔ |

یہ روایت اس طرح بھی آئی ہوئی ہے:

| | |
|---|---|
| وانادی انه لا صلوٰة الا بقراءةِ فاتحة الكتاب فمازاد. (حوالۂ مذکورہ) | میں پکار آؤں کہ کوئی نماز نہیں، مگر سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد پڑھنے سے۔ |

پہلی روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں مطلق قرأت فرض ہے نہ کہ سورۂ فاتحہ کا ہی پڑھنا، اور دوسری روایت سے سورۂ فاتحہ اور سورہ ملانا، دونوں کا حکم ایک ہی انداز

(۱) کچھ حضرات نے اس اعتراض کے جواب میں سورۂ فاتحہ اور سورہ ملانے میں فرق کرنے والی کچھ احادیث پیش کی ہیں مگر ان میں سے کوئی نہ حقیقۃً مرفوع ہے نہ حکماً (دیکھئے بذل ج۲ص۴۹) اس کے برعکس دونوں کو ایک حیثیت عطاء کرنے والی بکثرت احادیث مرفوعہ موجود ہیں جیسا کہ یہی مسلم کی روایت اور آگے آنے والی دوسری روایتیں بھی۔

کا معلوم ہوتا ہے، یعنی سورۂ فاتحہ فرض ہو تو سورت ملانا بھی فرض ہونا چاہئے اور وہ فرض نہ ہو تو سورت کا ملانا بھی فرض نہیں ہونا چاہئے، یعنی عبادہ بن صامتؓ کی مسلم والی روایت کے مثل۔

ترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ فی فریضۃ اوغیرھا. (ج۱ص۳۲)

اس کی نماز نہیں جس نے الحمد اور سورت نہیں پڑھی، فرض یا غیر فرض میں۔

یہی روایت ابن ماجہ ص۶۱ پر بھی ہے، یہ روایت بھی حضرت عبادہ بن صامتؓ کی مسلم والی روایت کے مثل سورۂ فاتحہ اور سورت ملانے کو ایک نہج پر رکھنے کی دعوت دیتی ہے نہ کہ تفریق پر، کہ ایک کو فرض کہیں، دوسرے کو فرض نہ کہیں، ایک کو واجب کہیں، دوسرے کو واجب نہ کہیں۔

ابوداؤد ج۱ص۱۳۴، احمد، ابویعلیٰ اور ابن حبان کی روایت میں ہے:

عن ابی سعید قال امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وماتیسر.

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو

طحاوی اور بیہقی کی روایت میں ہے:

عن جابر قال وکنا نتحدث انہ لا صلوٰۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فمافوق ذالک او فما اکثر من ذالک.

جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم حدیث بیان کرتے تھے کہ کوئی نماز نہیں مگر سورۂ فاتحہ اور اس کے زائد کے پڑھنے سے۔

رفاعہ بن رافع کی حدیث میں مسند احمد میں ہے:

ثم اقرأ بأم القراٰن ثم اقرأ بما شئت

پھر سورۂ فاتحہ پڑھو، پھر جو چاہو پڑھو۔

بعض روایات میں ثم اقرأ بأم القرآن وبما شاء اللہ (پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو اللہ چاہے) بعض میں شئی معھا (سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور) بعض میں معھا غیرھا (سورۂ

فاتحہ کے ساتھ اس کے علاوہ ) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یہ ساری روایات سورۂ فاتحہ کو ہی نماز میں فرض قرار دینے سے مانع ہیں (بذل ج ۲ ص ۵۱ وغیرہ)

ایک طرف وہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ہیں (جن کا حوالہ شروع میں دیا گیا) جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں مطلق قرأت ( کہیں سے بھی قرآن کا پڑھ دینا) فرض ہے، دوسری طرف یہ احادیث نبویہ ہیں جن سے سورۂ فاتحہ اور سورت کا ملانا فرض ثابت ہوتا ہے، بہ ظاہر دونوں میں تعارض ہے لہٰذا قرآن وحدیث دونوں پر عمل کرنے کی صورت یہ ہے مطلق قرأت چونکہ قرآن سے بھی ثابت ہے اس لئے اسے فرض کہا جائے اور سورۂ فاتحہ اور کسی سورت کا ملانا چونکہ صرف حدیث سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا انھیں واجب کہا جائے، تاکہ قرآن وحدیث میں سے کسی کے حکم کو ترک کرنا بھی لازم نہ آئے اور قرآن پر حدیث کو ترجیح دینے والی بات بھی پیدا نہ ہو۔

## علامہ شعرانیؒ شافعی کا اعترافِ حق

مشہور بزرگ اور عالم شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ اگرچہ شافعی المسلک ہیں مگر وہ سورۂ فاتحہ کو فرض کے بجائے واجب قرار دینے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بے حد مداح ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث سے ثابت احکام میں جس فرقِ مراتب کا لحاظ امام ابوحنیفہؒ نے کیا ہے، کسی نے نہیں کیا۔

فرحم الله الامام اباحنيفة حيث غاير بين لفظ الفرض والواجب وبين معناهما فجعل مافرضه الله تعالىٰ اعلىٰ مما فرضه رسول الله صلى الله عليه وسلم وان كان

اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہؒ پر رحم فرمائے کہ انھوں نے فرض اور واجب کے الفاظ اور ان کے معنیٰ جدا جدا رکھے، پس جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا اس کا درجہ اونچا رکھا، اس چیز سے جس کو رسول اللہ

لاینطق عن الهویٰ ادباً مع الله تعالیٰ ونفس رسول الله یمدح الامام اباحنیفة علیٰ مثل ذالک لانہ صلی الله علیه وسلم یحب رفع رتبة تشریع ربّه علی تشریعه هو ولو کان ذالک باذنه تعالیٰ ولم ینظر الیٰ ذالک من جعل الفرض والواجب مترادفین.

(المیزان الکبریٰ، فتح الملہم ج۲ص۱۹)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کیا، اللہ تعالیٰ کے ادب کالحاظ رکھتے ہوئے، اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش سے نہیں کہتے تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام ابوحنیفہؒ کی ایسی چیزوں پر مدح فرماتے ہیں کیوں کہ اگرچہ آپ کی ہر بات اللہ کے حکم سے ہی ہوتی ہے، پھر بھی آپ اپنے رب کے جاری کردہ قانون کے درجہ کو اپنے جاری کردہ قانون پر بلند رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس بات کی طرف ان لوگوں نے نظر نہیں کی جنھوں نے فرض اور واجب کو مترادف قرار دیا ہے۔



# قرأت خلف الامام

اس بات کے منقح ہو جانے کے بعد کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، ایک دوسرا مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر نماز با جماعت ہو رہی ہو، تو مقتدی قرأت کرے گا یا نہیں؟ اسی مسئلہ کا نام ہے ''قرأت خلف الامام''

## تنقیحِ مسئلہ

اِس مسئلہ کے تعلق سے چند باتیں بطور تمہید جان لینا ضروری ہیں:

(۱) قرأت میں عام طور پر دو چیزیں شامل ہوتی ہیں، ایک سورۂ فاتحہ دوسرے کسی سورہ یا چند آیات کا ملانا —— اختلاف صرف سورۂ فاتحہ کے بارے میں ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے یا نہیں، اس کے علاوہ جو سورہ ملائی جاتی ہے یا جو رکوع وغیرہ پڑھا جاتا ہے وہ کسی کے نزدیک مقتدی کو نہیں پڑھنا ہے، بلکہ سارے ائمہ کے نزدیک اس میں امام کی قرأت، مقتدی کے لئے کافی ہو جاتی ہے، مقتدی کو نہ امام والا رکوع یا سورہ پڑھنی ہوتی، نہ کوئی سورہ یا رکوع اپنی طرف سے پڑھنا ہوتا، بس چپ چاپ کھڑے رہنا ہے، اگر جہری نماز ہو تو دھیان لگا کر امام کی قرأت سنے، ورنہ خاموشی کے ساتھ اللہ کی طرف لَو لگائے رہے۔

(۲) اختلاف صرف اس میں ہے کہ سورہ یا رکوع کی طرح، امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی مقتدی کی طرف سے کافی ہوگا یا نہیں، اگر کافی ہوگا تو کیا جہری اور سرّی ہر نماز میں، یا صرف جہری یا صرف سری نماز میں۔

امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہری اورسرّی ہرنماز میں دیگر سورہ یا رکوع کی طرح، امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی مقتدی کی طرف سے کافی ہوگا، لہٰذا مقتدی کوسورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں۔ (موطاامام محمد ص ۹۴، فیض الباری ج ۲ ص ۲۷۴)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہری نمازوں (فجر، مغرب، عشاء) میں امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہوگا، لہٰذا جہری نمازوں میں مقتدی کوسورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ چپ چاپ خاموشی کے ساتھ امام کی قرأت سننی چاہئے اوراگرکوئی مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا ——— اورسرّی نمازوں (ظہر، عصر) میں مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے، واجب یا فرض نہیں۔

(بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۲۱، المیزان الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۱۵۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی وفات سے دوسال قبل مصر میں قیام پذیر ہوئے تھے، ان کا اسی آخری دور کا قول یہ ہے کہ ہرنماز میں خواہ جہری ہو یاسری مقتدی کوسورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے (المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۷) لیکن مصر آنے سے پہلے امام مالک کی طرح وہ بھی جہری نماز میں مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ کہتے تھے۔ (کشف المعضلات ص ۱۹۳)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہری نمازوں میں مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اورسری نمازوں میں مستحب ہے اور جہری نمازوں میں بھی اس وقت مستحب ہے جب مقتدی امام کی قرأت کوسن نہ سکے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۶۶)

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعۂ اقوال کتاب الام ج ۹۳ سے مترشح ہوتا ہے کہ جہری نماز میں امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں۔

(کشف المعضلات ص ۱۹۳)

(۴) ائمہ اربعہ کے مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جہری

نمازوں میں عام طور پر سبھی حضرات نے امام کے سورۂ فاتحہ کے پڑھ لینے کو ہی مقتدی کے لئے کافی قرار دیا ہے، چنانچہ اسی لئے فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

**ماسمعنا احداً من اهل الاسلام يقول أن الامام اذاجهر بالقراء ة لاتجزئ صلوٰة من خلفه اذا لم يقرأوا قال هٰذاالنبى صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعون وهٰذا مالک فى اهل الحجاز وهٰذا الثورى فى اهل العراق وهٰذا الاوزاعى فى اهل الشام وهٰذا ليث فى اهل مصر ماقالوا الرجل صلى وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلاة باطلة**

(ج۱ص۵۶۴)

ہم نے اہلِ اسلام میں سے کسی شخص کو بھی نہیں سنا کہ جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہراً قرأت کرے، تو جس نے اس کے پیچھے قرأت نہیں کی اس کی نماز کافی نہیں ہوئی اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ یا تابعینؒ نے اس طرح کی بات کہی ہو، یہ اہل حجاز میں امام مالک ہیں، یہ اہلِ عراق میں سفیان ثوریؒ ہیں، یہ اہلِ شام میں امام اوزاعیؒ ہیں، یہ اہلِ مصر میں لیثؒ ہیں کسی نے بھی نہیں کہا کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اور امام نے قرأت کی اور اس نے قرأت نہیں کی تو اس کی نماز باطل ہے۔

(۵) یہ تو جہری نمازوں کا معاملہ ہوا، سری نمازوں میں بھی بعض صورتوں میں ائمہ اربعہ نے امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی قرار دیا ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں اس وقت آئے جب جماعت کھڑی ہوچکی ہو اور امام رکوع میں جاچکا ہو، لہٰذا یہ بھی فوراً نیت باندھ کر رکوع میں چلا جائے (خواہ نماز سرّی ہو یا جہری) ایسی صورت میں ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق اس شخص نے وہ رکعت پالی اور بالاجماع اس پر قرأت واجب نہیں۔

(عمدۃ القاری ج۶ص۱۳، فتح الملہم ج۲ص۲۱)

صاف ظاہر ہے کہ اس صورت میں امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہوئی ورنہ خود اس نے تو سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھی نہیں، کیوں کہ اس پر قرأت واجب ہی نہ تھی، اس کے باوجود اس کو وہ رکعت مل گئی۔

(٦) مذکورہ تنقیحات سے صاف ظاہر ہے کہ قرأت خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت اور امام کی قرأت کو مقتدی کی قرأت قرار دینے میں امام ابوحنیفہؒ تنہا نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ امام صاحبؒ سری اور جہری دونوں ہی نمازوں میں امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی کہتے ہیں اور دیگر ائمہ صرف جہری میں، لیکن مُدرِک فی الرکوع کے مسئلہ میں تو سب امام صاحبؒ کے ہی مسلک کو قبول کرنے پر مجبور ہیں، اب امام صاحب کے مسلک کے دلائل اور وجہِ ترجیح ملاحظہ کیجئے۔



# مقتدی قرأت نہ کرے

## قرآن سے ثبوت

سورۂ اعراف میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (آیت-۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اکثر مفسرین کے مطابق یہ آیت نماز، اور بعض کے نزدیک خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ نماز میں جب قرآن پڑھا جائے تو اس وقت خاموش رہنا ہے، اور اسے غور سے سننا ہے، اسی طرح جمعہ کے خطبہ کے وقت بھی نہ نماز جائز ہوگی نہ بات چیت، بلکہ صرف خطبہ ہی سننا ہے۔

تفسیر کبیر میں امام رازیؒ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصلوة المكتوبة وقرأ أصحابه وراءه رافعين أصواتهم فخلطوا عليه فنزلت هذه الآية. (ج۴ص۵۰۰)

عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز میں قرأت کی اور آپ کے پیچھے آپ کے اصحاب نے بھی بلند آواز سے قرأت کی، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت میں گڑبڑی پیدا ہوئی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

روح المعانی میں ہے:

فقد أخرج عبدبن حميد و ابن ابی حاتم و بيهقی فی سننه عن مجاهد قال قرأ رجل من الأنصار خلف رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فی الصلوٰة فنزلت وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ ...... الخ وأخرج ابن جرير وغيره عن ابن مسعود انه صلی بأصحابه فسمع أناسا يقرء ون خلفه فلما انصرف قال اما ان لكم ان تفهموا أما أن تعقلوا واذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فاستمعوا له وأنْصِتُوْا كما امركم الله تعالیٰ

(ج۹ص۱۵۰)

عبد بن حمیدؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اور بیہقیؒ نے اپنی سنن میں مجاہدؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں قرأت کی تو یہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ نازل ہوئی، اور ابن جریرؒ وغیرہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی، پس سنا کہ کچھ لوگ پیچھے قرأت کررہے ہیں، پس جب حضورؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا کیا تم سوچتے اور سمجھتے نہیں، دیکھو جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے اور اصحابِ رسولؐ میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مغفلؓ اور تابعین میں سعید بن جبیرؒ، عطاء بن رباحؒ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ، ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، حسن بصریؒ، ابن شہاب زہریؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ اور عبید بن عمیرؒ کے اسمائے گرامی نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ اِن تمام حضرات کی روایات کے مطابق اس آیتِ کریمہ کا تعلق نماز میں قرآن پڑھنے اور خطبہ سے ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج۲ص۲۸۰وص۲۸۱)

ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

قال احمد فالناس علی ان ھٰذا فی الصلوٰۃ وعن سعیدبن المسیب والحسن وابراھیم ومحمدبن کعب والزھری فانھانزلت فی شان الصلوٰۃ وقال زیدبن مسلم و ابوالعالیۃ کانوا یقرء ون خلف الامام فنزلت واذا قری القراٰن فاستمعوا لہ وأنصتوا لعلکم ترحمون وقال احمد فی روایۃ ابی داؤد أجمع الناس علیٰ ان ھٰذہٖ الأیۃ فی الصلوٰۃ ولأنہ عام فیناول بعمومہ الصلوٰۃ.

(ج۱ص۵۶۳)

امام احمدؒ نے فرمایا سب لوگ اسی کے قائل ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے، سعید بن المسیبؒ ، حسنؒ، ابراہیمؒ، محمد بن کعبؒ اورزہریؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زید بن اسلمؒ اورابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کرام حضورؐ کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ......الخ نازل ہوئی ، ابوداؤدکی ایک روایت میں امام احمدؒ سےمنقول ہے کہ لوگوں کااس پراجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے اوراِس وجہ سے بھی کہ یہ آیت عام ہے، لہٰذا اپنے عموم کی وجہ سے نمازکوبھی شامل ہوگی۔

یہی بات امام ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں یوں فرماتے ہیں:

وقد استفاض عن السلف انھا نزلت فی القراء ۃ فی الصلوٰۃ وقال بعضھم فی الخطبۃ وذکر أحمد بن حنبل الاجماع علیٰ انھا نزلت فی ذالک ، (فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲۳ص۲۶۹)

سلف سے شہرت اوراستفاضہ کے طریقے سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت سے متعلق نازل ہوئی ہے، اوربعض کہتے ہیں کہ خطبہ کے بارے میں ہے، اورامام احمد بن حنبلؒ نے اجماع نقل کیاہے کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

أحدھا ماذکرہ الامام أحمد من

ایک تو وہ جسے امام احمدؒ نے ذکر کیاہے کہ

| | |
|---|---|
| اجماع الناس علی أنھا نزلت فی الصلوٰۃ وفی الخطبۃ وکذالک قولہ واذا قریٔ فانصتوا. (ج ۲۳ص۳۱۲) | لوگوں کااس پراجماع ہے کہ یہ نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی، ایسے ہی حضور ﷺ کا فرمان وَاِذَا قُرِئَ فَانْصِتُوا (جب امام قرأت کرے توتم چپ رہو) |

آیتِ کریمہ اوراس کی تفسیر کی روشنی میں درج ذیل امور منقح ہوکر سامنے آگئے:

(۱) نماز میں جب قرآن پڑھا جائے تو سب لوگوں کو خاموشی کے ساتھ اسے سننا ہے اور خود نہیں پڑھنا ہے، کیوں کہ اگر خود پڑھنے لگیں تو غور سے سننا اور خاموش رہنا کیسے پایا جائے گا۔

(۲) ظاہر ہے کہ نماز میں قرآن پڑھنے والا امام ہوگا اور جنھیں خاموش رہنے کا حکم دیا جارہاہے وہ مقتدی ہیں۔

(۳) قرآن کا لفظ عام ہے، سورۂ فاتحہ بھی قرآن ہے اور دیگر سورتیں بھی، لہٰذا سورۂ فاتحہ پڑھی جائے یا کوئی اور سورہ، ہر حال میں مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے، ایسا نہیں ہے کہ امام کے سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت مقتدی خود بھی پڑھنے لگیں اور دیگر سورتوں کے پڑھتے وقت خاموش رہیں۔

(۴) آیتِ کریمہ میں مقتدی کے لئے بلا کسی قید کے مطلقاً قرأت کی ممانعت ہے، خواہ جہری نماز ہو یا سرّی، لہٰذا جس طرح بلا کسی تخصیص کے جہری اور سرّی دونوں نمازوں میں امام قرأت کرتا ہے، اسی طرح بلا کسی تخصیص کے چپ رہنا اور غور سے سننا بھی دونوں میں عام ہونا چاہئے۔ لیکن غور سے سننے کی بات ظاہر ہے کہ جہری نماز میں ہی ممکن ہے، سری نماز میں نہیں، لہٰذا غور سے سننا جہر کے ساتھ خاص ہوگا اور چپ رہنا دونوں میں ممکن ہے لہٰذا یہ حکم دونوں کو عام ہوگا۔

(۵) مطلق قرأت، امام اور مقتدی دونوں پر فرض ہوتی ہے، اس آیتِ کریمہ میں مقتدی کو قرأت کرنے سے مطلقاً منع کر دیا گیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز باجماعت میں قرأت، مقتدی کے ذمہ نہیں، بلکہ یہ فرض اس کی طرف سے امام ادا کرے گا اور مقتدی خاموش رہے گا، اور امام کا ادا کرنا مقتدی کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

## آیت کا تعلق اہلِ ایمان سے ہے

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آیتِ کریمہ اِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ الخ نماز میں قرآن پڑھنے اور خطبہ سے متعلق ہے، تو یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آیت کا شانِ نزول مسلمان ہیں نہ کہ کفار، ظاہر ہے کہ نماز کون پڑھے گا؟ جمعہ کا خطبہ سننے کون آئے گا؟ پھر یہ کہ سابقہ حوالوں میں صراحت کے ساتھ گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرأت کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کیا اس کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیتِ کریمہ کا شانِ نزول مسلمان ہیں یا کفار؟

اِس کے ساتھ ہی آیت کا سیاق وسباق بھی گواہی دیتا ہے کہ آیت کا تعلق مسلمانوں سے ہے نہ کہ کفار ومشرکین سے —— چنانچہ اس سے پہلی آیت میں یہ ارشادِ خداوندی ملتا ہے:

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ.
(اعراف-۲۰۳)

یہ بصیرت کی چیزیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو مومن ہیں۔

ترجمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں اہلِ ایمان کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے فوراً بعد آیت زیرِ بحث آتی ہے:

وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (اعراف-۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

گویا کہا جا رہا ہے کہ جب یہ قرآن، مومنین کے لئے بصیرت اور ہدایت کی چیز ہے تو انھیں اُس کو خاموشی کے ساتھ غور سے سننا چاہئے، خواہ وہ جب بھی پڑھا جائے نماز میں یا غیر نماز میں، اور نماز میں تو خاص طور سے خاموش رہتے ہوئے غور سے سننا چاہئے کیوں کہ نماز، بندہ کے باری تعالیٰ کی طرف پوری توجہ لگا دینے کا سب سے خاص وقت ہوتا ہے، اس لئے اور بھی اس کے کلام کو بغور سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا مومنین اگر ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر رحم و کرم کی امید ہے۔

پھر فرمایا جا رہا ہے:

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ. | اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے، اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو، صبح کے وقت اور شام کے وقت اور نہ ہو غافلوں میں سے۔ |

## آیت کا تعلق کفار سے نہیں

امام رازیؒ آیتِ کریمہ کے متعلق ایسے چار اقوال (۱) نقل کرنے کے بعد جن

---

(۱) چاروں اقوال امام رازیؒ کی ترتیب کے مطابق یہ ہیں [۱] آیت اپنے عموم پر جاری ہے، لہٰذا جس جگہ بھی قرآن پڑھا جائے غور سے سننا اور سکوت اختیار کرنا ضروری ہے، اس قول کی بنیاد پر راستہ چلنے والے اور بچوں کے اساتذہ پر بھی خاموش رہ کر غور سے سننا واجب ہے، حسن اور اصحابِ ظواہر کا یہی قول ہے۔ [۲] نماز میں پہلے بات چیت کی اجازت تھی، اس آیت کے ذریعہ وہ اجازت منسوخ ہوگئی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے۔ [۳] اس آیت کے ذریعہ امام کے پیچھے جہراً قرأت ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے۔ [۴] اس آیت میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور خطبہ کو غور سے سننے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، عطاء اور امام شافعیؒ و دیگر بہت سے لوگوں سے منقول ہے قارئین کرام اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ ان چاروں اقوال میں سے جس قول کو بھی اختیار کیا جائے خطاب مسلمانوں سے ہی ہوگا نہ کہ کفار سے۔

سے اہلِ ایمان سے خطاب ہونا ظاہر ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

وفی الأیۃ قول خامس وھو ان قولہٗ تعالیٰ واذا قریٔ القراٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا خطاب مع الکفار فی ابتداء التبلیغ ولیس خطابا مع المسلمین. (تفسیر کبیر ج۴ ص۵۰۲)

اور آیت کے بارے میں ایک پانچواں قول بھی ہے، وہ یہ کہ اس آیت میں ابتدائے تبلیغ میں کفار سے خطاب ہے۔ مسلمانوں سے خطاب نہیں ہے۔

مگر امام رازیؒ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ پانچواں قول کس کا ہے اور صحابہ، تابعین و تبع تابعین میں سے کس سے منقول ہے، جب کہ بقیہ چاروں قولوں کے متعلق تصریح کرتے گئے کہ یہ فلاں کا قول ہے اور یہ فلاں کا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پانچواں قول صحابہ، تابعین، تبع تابعین، یا ائمہ اربعہ میں سے کسی سے بھی منقول نہیں، یہ امام رازیؒ کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے کہ انھوں نے بتایا کہ آیتِ کریمہ میں ایک پانچواں احتمال بھی نکل سکتا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں بجائے مسلمانوں کے، کفار سے خطاب ہو۔

اب پانچویں قول کے مطابق آیتِ کریمہ میں بجائے مسلمانوں کے، کفار سے خطاب ہونے کی دلیل کیا ہے؟ اس سلسلے میں امام رازیؒ لکھتے ہیں:

وممّا یقوی أن حمل الأیۃ علی ماذکرناہ اولیٰ وجوہ (الاول) انہ تعالیٰ حکی عن الکفار انھم قالوا لَاتَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ فلما حکی عنھم ذالک ناسب أن یّامرھم

آیت کو ہمارے (۱) بیان کردہ قول پر محمول کرنے کو اولیٰ قرار دینے کے کئی وجوہ ہیں، اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور کرو تاکہ تم غالب آجاؤ، پس جب ان کے متعلق یہ

(۱) ثابت ہوا کہ یہ امام رازیؒ کا اپنا قول ہے، نہ کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین یا ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔

بالاستماع والسكوت حتى
يمكنهم الوقوف علىٰ مافى القراٰن
من الوجوه الكثيرة البالغة الىٰ حد
الاعجاز (والوجه الثانى) انه تعالىٰ
قال قبل هٰذه الأية هٰذا بصائر مِن
رَّبكم وهُدىً وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
فحكم تعالىٰ يكون هٰذا القراٰن
رحمة للمؤمنين علىٰ سبيل القطع
والجزم ثم قال واذا قرئ القراٰن
فاستمعوا له وأنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ولو كان المخاطبون
بقوله فاستمعوا له وأنصتوا هم
المؤمنون لما قال لعلكم ترحمون
لانه جزم تعالىٰ قبل هٰذه الأية
يكون القراٰن رحمة للمؤمنين قطعاً
فكيف يقول بعده من غير فصل
لعل استماع القراٰن يكون رحمة
للمؤمنين اما اذا قلنا ان المخاطبين
بقوله فاستمعوا له وانصتوا هم
الكافرون صح حينئذٍ قوله لعلكم
ترحمون لان المعنى فاستمعوا له
وانصتوا فلعلكم تطلعون علىٰ
مافيه من دلائل الاعجاز فتؤمنوا

بات بیان فرمائی تو مناسب ہوا کہ انھیں غور
سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دے تا کہ
ان کے لئے قرآن کے اُن وجوہِ کثیرہ
پر مطلع ہونا ممکن ہو جائے جو حد اِعجاز کو پہنچے
ہوئے ہیں، دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس
آیت سے پہلے فرمایا ہے ''یہ بصیرت کی
چیزیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف
سے اور ہدایت اور رحمت ہے مومنین کے
لئے'' پس اللہ تعالیٰ نے اِس قرآن کو
مومنین کے لئے قطعی اور یقینی طور پر رحمت
قرار دیا، پھر فرمایا ''اور جب قرآن پڑھا
جائے تو اُسے غور سے سنو اور خاموش رہو
تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' اگر فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ
وَأَنْصِتُوْا سے مخاطب مومنین ہوتے تو
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ نہ فرماتا۔ اس لئے کہ
اس آیت سے پہلے قطعی طور پر قرآن
کو مومنین کے لئے رحمت فرمایا ہے تو یہ
کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کے فوراً بعد بلا فصل
فرمائے گا کہ امید ہے کہ قرآن کو غور سے
سننا مومنین کے لئے رحمت ہو، لیکن جب
ہم فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا کا مخاطب
کافروں کو قرار دیں تو اس وقت لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ کہنا صحیح ہو جائے گا، اس لئے

بالرسول فتصيروا مرحومين فثبت انا لو حملناه على ماقلناه حسن قوله لعلكم ترحمون ولو قلنا ان الخطاب خطاب مع المؤمنين لم يحسن ذكر لفظ لعل. (ج۴ص۵۰۲)

کہ مطلب یہ ہوگا کہ پس قرآن کو غور سے سنو اور خاموش رہو پس ہوسکتا ہے کہ تم قرآن کے دلائلِ اعجاز پر مطلع ہو، پس ایمان لے آؤ اور تم رحم کیے ہوئے لوگوں میں ہو جاؤ، پس ثابت ہوا کہ اگر ہم اسی پر محمول کریں جو ہم نے کہا تو لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کہنا درست رہے گا، اور اگر ہم کہیں کہ خطاب مومنین سے ہے تو "لَعَلَّ" کا لفظ درست نہیں رہے گا۔

## استدلال کی کمزوری

لیکن جمہور کے مقابلے میں امام رازیؒ کے یہ دونوں استدلال غلط ہیں۔ پہلا استدلال غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی دلیل میں سورۂ حمٓ سجدہ کی درج ذیل آیت پیش کی ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ. (آیت-۲۶)

اور کافروں نے کہا کہ مت سنو اس قرآن کو اور شور کرو اس کے پڑھنے میں، شاید تم غالب آجاؤ۔

کہ کفار، قرآن سننے سے منع کرتے تھے اور جب قرآن پڑھا جاتا تو شور و غوغا کرتے تاکہ ان کے شور و شغب میں قرآن کی آواز دب جائے، تب انہیں حکم دیا گیا کہ قرآن کو غور سے سنو اور شور و غوغا نہ کرو بلکہ خاموش رہو، تاکہ تم قرآن کے معجزانہ اسلوب سے مطلع ہوسکو۔

| | |
|---|---|
| فلما حکی عنهم ذالک ناسب ان یأمرهم بالاستماع والسکوت حتی یمکنهم الوقوف علیٰ مافی القراٰن من الوجوہ الکثیرۃ البالغۃ الیٰ حدالاعجاز. (ج۴ص۵۰۲) | پس جب ان کے متعلق یہ بات بیان فرمائی تو مناسب ہوا کہ انھیں غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دے تا کہ ان کے لئے قرآن کے اُن وجوہِ کثیرہ پر مطلع ہونا ممکن ہو جائے جو حدا عجاز کو پہنچے ہوئے ہیں۔ |

گویاامام رازیؒ کے اِس بیان سے ثابت ہوا کہ سورۂ حٰمٓ سجدہ کی آیت وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْالَاتَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ الخ پہلے نازل ہوئی اوراس میں قرآن پڑھتے وقت کفار کے شور وغوغا کا ذکر کیا گیا، اس کے بعد سورۂ اعراف کی زیر بحث آیت اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا نازل ہوگئی اور کفار کو خاموش رہ کر قرآن غور سے سننے کا حکم دیا گیا۔

حالانکہ معاملہ برعکس ہے، کیوں کہ سورہ اعراف پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ حٰمٓ سجدہ بعد میں (دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن ج۱ص۱۱، عبداللہ بن عباس کی روایت)

ممکن ہے کہ ہمارے اس اعتراض سے بچنے کے لئے کوئی صاحب کہیں کہ سورۂ اعراف اور سورۂ حٰمٓ سجدہ دونوں مکی ہیں، یہ صحیح ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ حٰم سجدہ سے پہلے سورۂ اعراف نازل ہوئی ہے، مگر سورۂ اعراف کی آیت زیر بحث اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ، سورہ حٰمٓ سجدہ کے بعد نازل ہوئی کیوں کہ یہ آیت مدنی ہے، جیسا کہ بیہقی وغیرہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی تو یہ آیتِ کریمہ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ ......الخ نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ انصارِ مدینہ کو، انصار کا لقب مدینہ ہجرت کے بعد ہی ملا، اس سے پتہ چلا کہ سورۂ اعراف اگر چہ مکی ہے، مگر خاص یہ آیت مدنی ہے، اور حٰمٓ سجدہ پوری مکی ہے، اس اعتبار سے یہ آیت حٰمٓ سجدہ کی آیت وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ......الخ سے نزول کے اعتبار سے مؤخر ہو جائے گی۔

مگر اس کا سیدھا سادہ جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ جب یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور انصاری صحابی کا نماز میں ''قرأت کرنا'' اس کا شانِ نزول ہے تو کفار کو اس کا مخاطب قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس سے خود ثابت ہوگیا کہ آیت کے مخاطب مسلمان ہیں نہ کہ کفار۔

اب یا تو یہ ثابت کیجئے کہ حٰمٓ سجدہ، سورۂ اعراف سے پہلے نازل ہوئی ہے، یا یہ ثابت کیجئے کہ اعراف ہی پہلے نازل ہوئی ہے، مگر اسی سورہ کی آیت زیر بحث، حٰمٓ سجدہ کے بعد مکہ میں ہی نازل ہوئی ہے، نری قیاس آرائی سے کام نہیں چلے گا، مدلل ومکمل ثبوت چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا ...... الخ میں ایک عام حکم دیا جارہا ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو، ایسا نہیں ہے کہ غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم کفار کو تو ہو، مگر مسلمانوں کو نہ ہو، مسلمان تو اس حکم کے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مخاطب ہیں کہ جب قرآن پڑھا جارہا ہو، خواہ نماز میں یا نماز کے باہر، تو خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔

امام رازیؒ کا دوسرا استدلال آیت کے الفاظ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ سے تھا، انھیں سب سے بڑی پریشانی لفظ ''لعل'' سے تھی کہ اس میں رحم کئے جانے کی قطعی بات نہیں کہی گئی، حالانکہ یہ خطاب مومنین سے ہوتا تو جس طرح قرآن کو، اس سے قبل والی آیت هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ میں مومنین کے لئے سببِ رحمت قطعی طور پر کہا گیا، تو اس کے فوراً بعد آنے والی زیر بحث آیت میں بھی قطعی حکم ہی ہونا چاہئے۔

لیکن قطعی حکم نہ ہونے پر حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ عقائد کی کتابوں میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالی پر أصلح للعبد واجب نہیں (۱) اسی طرح طاعت پر

(۱) شرح عقائد نسفی ص ۷۵۔

ثواب دینا اور مصیبت پر سزا دینا بھی اللہ پر واجب نہیں، اگر اللہ تعالیٰ طاعت پر ثواب دیتا ہے تو یہ اس کا کرم ہے اور معصیت پر سزا نہیں دیتا تو بھی عین عدل ہے، اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں، خود امام رازیؒ تفسیر کبیر کی اسی جلد میں شروع میں لکھ چکے ہیں:

| | |
|---|---|
| دلالة الأية علـــى أن الطـاعة لا توجب الثواب والمعصية لاتوجب العقاب. (ج۴ص۲۵) | آیت نے دلالت کیا کہ طاعت، ثواب کوواجب نہیں کرتی اور معصیت، عقاب کوواجب نہیں کرتی۔ |

لہٰذا اگر مومنین کو خطاب کرنے کے باوجود رحم کئے جانے کی قطعی بات نہیں کہی گئی ہے، تو بھی اس سے مومنین کے مخاطب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

علامہ آلوسیؒ نے اس کے علاوہ دو جوابات دیئے ہیں، فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| أجيب بأن الرحمة المرجوة غير تلك الرحمة ولئن سلّم كونها اياها فالاطماع من الكريم واجب فلم يبق فرق. (روح المعانی ج۹/۱۵۳) | جواب دیا گیا ہے کہ وہ رحمت جس کی (لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ میں) امید دلائی گئی ہے، وہ اس رحمت کے علاوہ ہے (جو وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ میں ہے)، لیکن اگر مان لیا جائے کہ یہ بھی وہی رحمت ہے تو بھی کریم ذات (باری تعالیٰ) سے امید رکھنا واجب ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ |

اِس ذیل میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ کا تحقیق الکلام حصہ دوم ص ۶۴ پر امام رازیؒ کے قول کو نظم قرآن سے مرتبط کہنا اور مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی پر رد کرنا سراسر غلط ہے۔ کیوں کہ نظم قرآن اس آیت کا مخاطب اہل ایمان کو ہی قرار دیتا ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے، علامہ طیبیؒ نے اسی بات کو مفصل و مکمل بیان کیا ہے۔
(دیکھئے روح المعانی ج۹ص۱۵۳)

# قرأت خلف الامام پر امام رازیؒ کے اعتراضات

امام رازیؒ کے اِس قول سے کچھ لوگ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام رازیؒ قرأت خلف الامام کے قائل تھے، حالانکہ اسی آیت کی تفسیر میں قولِ رابع کے تحت امام رازیؒ نے قرأت خلف الامام پر اتنے سخت اعتراضات کئے ہیں کہ قائلینِ قرأت سے شاید ہی ان کے جوابات بن پڑیں۔

امام رازیؒ کی اصل عبارت پیش کرنے سے قبل ہم بطور تمہید تین باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ قدماء کا طریقہ ہے کہ اگر وہ اپنی کتاب میں کسی اختلافی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور اس میں کوئی اعتراض کی گنجائش ہوتی ہے تو عام طور پر اعتراض کو بجائے اپنی طرف منسوب کرنے کے پیرایۂ بیان بدل کر یوں کہتے ہیں لقائل ان یقول (کسی کہنے والے کو حق ہے کہ وہ کہے) اس کے بعد اصل اعتراض لکھتے ہیں، حقیقت میں وہ اعتراض انہیں کا ہوتا ہے، مگر اُسے کسی مجہول قائل کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، قدماء کا یہ اندازِ اعتراض، اتنا عام ہے کہ درس وتدریس سے شغف رکھنے والا ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ ایسے موقعوں پر اعتراض کس کا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی جہری نمازوں میں عین امام کی قرأت کے وقت، مقتدی کی قرأت کو معیوب اور آیتِ کریمہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور ارشاد نبویؐ وَاِذَا قَرأَ فَاَنْصِتُوْا (جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو) کے خلاف سمجھتے ہیں، لہٰذا وہ بھی سکتاتِ امام میں مقتدی کو قرأت کا حکم دیتے ہیں، یعنی جب امام ایک آیت پڑھ کر رک جائے اور سانس توڑ دے تو پہلی آیت اور دوسری آیت کے درمیان خاموشی کا جو وقفہ ہوتا ہے، اسی وقفہ میں مقتدی

کوقرأت کی اجازت دیتے ہیں۔ (۱)

تیسری بات یہ ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ نے بھی اس معاملے میں امام شافعیؒ کی ہمنوائی کی ہے، لکھتے ہیں:

''پس ہر امام کے واسطے سکتات واوقافِ مذکورہ کم سے کم مسنون تو ضرور ہوں گے، جب تم یہ سب باتیں معلوم کر چکے تو سنو کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰن سے ان سکتات واوقافِ امام میں قرأت خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ (تحقیق الاکلام ج۲ص۵۶)

اِن تمہیدات وتوضیحات کے بعد اب سنئے کہ امام رازیؒ، سکتاتِ امام میں مقتدی کے قرأت کرنے پر کس طرح اعتراض کرتے ہیں:

ولقائل ان یقول سکوت الامام اما أن نقول انه من الواجبات والاول باطل بالاجماع والثانی یقتضی ان یجوز له ان لا یسکت فتقدیره ان لا یسکت یلزم ان تحصل قرأة المأموم مع قراء ة الامام وذالک یفضی الیٰ ترک الاستماع والیٰ ترک السکوت عند قراء ة الامام وذالک علیٰ خلاف النص وایضاً لهذا السکوت لیس له حد محدود

کسی کہنے والے کو حق ہے، کہ کہے کہ امام کا سکوت یا تو ہم اسے واجب کہیں گے یا واجب نہیں کہیں گے، واجب کہنا بالاجماع باطل ہے، اور واجب نہ ہونے کی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ امام سکوت نہ کرے، لہٰذا اگر امام سکوت نہ کرے تو مقتدی کی قرأت، امام کی قرأت کے ساتھ پائی جائے گی اور اس سے امام کی قرأت کے وقت غور سے سننے اور خاموش رہنے کا ترک لازم آئے گا،

---

(۱) یہ سارے اعتراضات اس بنیاد پر ہیں کہ جب آیت میں قرأتِ قرآن کے وقت خاموش رہنے اور غور سے سننے کا ایک عام حکم دیا جا رہا ہے، تو سورۂ فاتحہ کی تخصیص کر کے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ امام شافعیؒ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ سکتات واوقافِ امام میں مقتدی پڑھے گا تو آیت کے عموم کی مخالفت لازم نہیں آئے گی۔ لیکن امام رازیؒ اس جواب سے مطمئن نہیں ہیں، چنانچہ وہ اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں، جیسا کہ آ رہا ہے۔

ومقدار مخصوص والسكتة للمامومين مختلفة بالثقل والخفة فربما لايتمكن الماموم من اتمام قراءة الفاتحةفي مقدارسكوت الامام وحينئذ يلزم المحذور المذكور وايضاً فالامام انما يبقیٰ ساكتا ليتمكن الماموم من اتمام القرأة وحينئذ ينقلب الامام ماموما والماموم اماما لان الامام في هٰذا السكوت يصير كالتابع للماموم وذالک غير جائز.

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۰۰)

اور یہ بات نص کے خلاف ہے، اس کے علاوہ اس سکوت کی کوئی حد یا کوئی مخصوص مقدار نہیں اور امام کا سکتہ، مقتدیوں (کے مختلف الأحوال ہونے کی وجہ سے) ثقل اور خفت میں مختلف ہوتا ہے، پس بسا اوقات امام کے سکوت کی مقدار میں، مقتدی مکمل سورۂ فاتحہ پڑھنے پر قادر نہیں ہوتا (لہٰذا اگر وہ امام کی قرأت کے ساتھ اپنی سورۂ فاتحہ مکمل کرنے لگے تو) پھر وہی سابقہ خرابی لازم آئے گی، یعنی نص کے خلاف عمل کرنا، علاوہ ازیں امام کا اس لئے سکوت اختیار کرنا کہ مقتدی، سورۂ فاتحہ مکمل کرلے اس میں قلبِ موضوع ہے کہ امام مقتدی بن گیا اور مقتدی امام، اس لئے کہ اِس صورت میں جب مقتدی کے واسطے امام سکوت اختیار کرے گا تو وہ مقتدی کے تابع ہوگیا اور یہ جائز نہیں (کیوں کہ امام اس لئے ہوتا۔ ہے کہ مقتدی اس کے تابع ہوں نہ اس لئے کہ امام مقتدی کے تابع ہو)

اِس اعتراض کے بعد —— جو سکتات واوقافِ امام میں مقتدی کی قرأت کرنے سے متعلق تھا —— امام رازیؒ ایک دوسرا اعتراض کرتے ہیں، دوسرے اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے کہنا شروع کردیا کہ زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ

وَأَنْصِتُوْا (غور سے سنو اور خاموش رہو) کے الفاظ ہیں، اور ''اِنصات'' جہراً قرأت نہ کرنے کا نام ہے، اہلِ عرب اس شخص کو ''مُنصِت'' کہتے ہیں جو جہراً نہ پڑھے اگر چہ دل میں بایں طور پڑھے کہ کوئی دوسرا نہ سنے، لہٰذا امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی اجازت اس طور پر ملے گی کہ وہ جہراً قرأت نہ کرے مگر دل میں پڑھے اور کسی کو نہ سنائے۔

امام رازیؒ مقتدی کی اس طرح کی قرأت کے بھی مخالف ہیں اور آیتِ کریمہ اِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۔کے خلاف سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ولقائل ان يقول انه تعالىٰ امرهٗ اوّلا بالاستماع وأشتغاله بالقرأة يمنعه من الاستماع لأن الاسماع غير والاستماع غير فالاستماع عبارة عن كونه بحيث يحيط بذالك الكلام المسموع على الوجه الكامل قال الله تعالىٰ لموسىٰ وأنا اخترتك فاستمع لما يوحىٰ والمراد ماذكرناه واذا ثبت هٰذا وظهر ان الاشتغال بالقرأة مما يمنع الاستماع علمنا ان الامر بالاستماع يفيد النهي عن القرأة.

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۰۲)

کسی کہنے والے کو حق ہے، کہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے استماع (غور سے سننے) کا حکم دیا ہے اور مقتدی کا قرأت میں مشغول ہونا، امام کی قرأت کو غور سے سننے سے مانع ہے، اس لئے کہ ''اسماع'' ایک الگ چیز ہے اور ''استماع'' ایک الگ چیز، پس ''استماع'' نام ہے اِس بات کا کہ کلام مسموع کا پورے طور پر احاطہ کرلیا جائے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحىٰ میں نے تمہیں چن لیا ہے پس جو وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنو، یعنی اس کا پورے طور پر احاطہ کرو، اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ (اللہ تعالیٰ نے غور سے سننے کا حکم دیا ہے) تو ظاہر ہوگیا کہ مقتدی

کا قرأت میں مشغول ہونا امام کی قرأت
کوغور سے سننے اوراس کا پورے طور
پراحاطہ کرنے سے روک دے گا، معلوم ہوا
کہ غور سے سننے کا حکم، قرأت کی ممانعت
کا فائدہ دیتا ہے۔

## امام ابن تیمیہؒ مقتدی کی قرأت کے مخالف

امام ابن تیمیہؒ مقتدی کی قرأت کے سخت مخالف ہیں، اورانھوں نے قرأت خلف الامام کی ممانعت پرسورۂ اعراف کی اِسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

قـولـه تـعـالـىٰ اِذَاقُـرِئَ الْقُـرْاٰنُ فَـاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لفظ عام فأما أن يـخـتـص القرأة فى الصلوٰة أوفى الـقرأة فـى غيـر الـصـلوٰة اويعمهما والثانى باطل قطعاً لأنه لم يقل احد مـن المسلمين انه يجب الأستماع خارج الصلوٰة ولايجب فى الصلوٰة لان استـمـاع الـمستـمع الىٰ قراءة الامـام الـذى يـأتـم بـه ويجب عليه متـابعته أولىٰ من استماعه الىٰ قراءة مـن يـقـرأ خـارج الصلوٰة داخلة فى الأية اماعلىٰ سبيل الخصوص واما علىٰ سبيل العموم وعلىٰ التقديرين فـالأية دالة عـلـى أمر الـمـامـوم

اللہ تعالیٰ کا فرمان اِذَاقُـرِئَ الْقُـرْاٰنُ فَـاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا عام الفاظ ہیں، پس یا تو یہ حکم نماز کی قرأت کے ساتھ خاص ہوگا یا نماز کے علاوہ کی قرأت کے ساتھ خاص ہوگا، یا نماز وغیر نماز سب کی قرأت کو عام ہوگا، دوسری صورت قطعی طور پر باطل ہے، کیوں کہ کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ خارج نماز قرأت کو غور سے سننا واجب ہے اور نماز میں قرأت کو غور سے سننا واجب نہیں، اس لئے کہ مقتدی کا اپنے اُس امام کی قرأت کو غور سے سننا جس کی وہ اقتداء کررہا ہے اور جس کی متابعت اس پر لازم ہے، اولیٰ ہے اس شخص کی قرأت کو غور سے سننے سے جو

بالانصات لقراءة الامام وسواء
كان امر ايجاب او استحباب
فالمقصود حاصل فان المراد ان
الاستماع اولىٰ من القراءة وهٰذا
صريح فى دلالة الأية علىٰ كل
تقدير والمنازع يسلم ان
الاستماع مامور به دون القرأة
فيما زاد علىٰ الفاتحة والأية امرت
بالانصات اذا قرئ القراٰن
والفاتحة ام القراٰن وهى التى لابد
من قرأتها فى كل صلوٰة والفاتحة
أفضل سور القراٰن وهى التى لم
ينزل فى التوراة ولافى الانجيل
ولافى الزبور ولا فى الفرقان مثلها
فيمتنع ان يكون المراد بالأية
الاستماع الىٰ غيرها دونها مع
اطلاق لفظ الأية وعمومها مع أن
قرأتها أكثر وأشهر وهى أفضل من
غيرها فان قوله اذا قرئ القراٰن
يتناولها كما يتناول غيرها وشموله
لها اظهر لفظاً ومعنىً والعادل عن
استماعها الىٰ قرأتها انما يعدل لأن

خارج نماز قرأت کررہا ہے، لہٰذا نماز کی
قرأت، آیت میں داخل ہے، یا خصوصیت
کے ساتھ (پہلی شق کے مطابق) یا عموم
کے طریقے پر (تیسری شق کے مطابق
اوردوسری شق کا بطلان تو ظاہر ہی ہو چکا)
دونوں صورتوں میں آیت اس بات
پر دلالت کررہی ہے کہ مقتدی کو امام کی
قرأت کے لئے خاموش رہنا ہے خواہ یہ حکم
ایجابی ہو یا استحبابی، مقصود دونوں صورتوں
میں حاصل ہے، اس لئے کہ مراد یہ ہے کہ
مقتدی کا امام کی قرأت کو توجہ سے سننا، خود
قرأت کرنے سے اولیٰ ہے، یہ آیت کی
صریح دلالت ہے، دونوں میں سے ہر
صورت میں، اورفریق مخالف (شوافع
وغیرہ) اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ سورۂ
فاتحہ سے زائد میں مقتدی کے لئے غور سے
سننے کا ہی حکم ہے نہ کہ قرأت کا، اور اس
آیت نے، جب بھی قرآن پڑھا جائے
سکوت کا حکم دیا ہے، اورسورۂ فاتحہ ام
القرآن ہے، اِسے ہرنماز میں پڑھنا
ضروری ہے سورۂ فاتحہ قرآن کی تمام
سورتوں سے افضل ہے، اس جیسی سورہ نہ

قراتها عنده أفضل من الاستماع وهٰذا غلط يخالف النص والاجماع فان الكتاب والسنة امرت المؤتم بالاستماع دون القرأة والأمة متفقة علىٰ أن استماعه لمازاد على الفاتحة أفضل من قرأته لمازاد عليها.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۶۹ تا ص ۲۷۱)

توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ خود قرآن میں، پس یہ بات محال ہے کہ آیتِ کریمہ میں سورہ کے علاوہ کاغور سے سننا تومراد ہومگرخود سورۂ فاتحہ کاغور سے سننا مراد نہ ہو جب کہ آیت کے الفاظ میں اطلاق بھی ہے اور تعمیم بھی، حالانکہ سورہ فاتحہ ہی سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اورسب سے زیادہ مشہوربھی ہے،اورتمام سورتوں سے افضل بھی جب کہ ہوناتو یہ چاہئے کہ وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ لفظ اور معنیٰ کے اعتبار سے سورۂ فاتحہ کوضرور شامل ہو جیسا کہ اس کے غیر کوشامل ہے، جوشخص سورۂ فاتحہ کو غور سے سننے کے بجائے، اس کی قرأت کی طرف عدول کرتا ہے، وہ اس لئے عدول کرتا ہے کہ اس کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی قرأت،سورۂ فاتحہ کوغور سے سننے سے افضل ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہےاورنص اوراجماع کے خلاف ہے،اس لئے کہ کتاب وسنت نے مقتدی کواپنے امام کی قرأت کوتوجہ سے سننے کاحکم دیاہے نہ کہ قرأت کا۔اورامت متفق ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے زائدکوغور سے سنااس کی قرأت سے افضل ہے۔

اس کے بعد یہ بتاتے ہوئے کہ جب امام کے پیچھے زائد علی الفاتحہ کوغور سے سننا پڑھنے سے افضل ہے،تو سورۂ فاتحہ کوبھی پڑھنے کے بجائےغور سے سننااور خاموش رہناہی افضل ہوگا۔لہٰذا افضل (استماع وانصات) کوچھوڑ کر غیر افضل (قرأتِ فاتحہ) کواختیار کرنادرست نہیں،امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

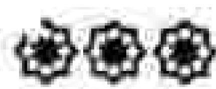
المصلحة الحاصلة له بالقرأة يحصل بالاستماع ماهو افضل منها بدليل استماعه لمازاد على

جومصلحت قرأت سے حاصل ہوتی ہے وہ امام کی اس سورہ کی قرأت کوغور سے سننے سے بھی حاصل ہوگی، جوکہ بقیہ کی قرأت

الفاتحة فلولا انه يحصل له بالاستماع ماهو افضل من القرأة لكان الاولىٰ ان يفعل افضل الامرين وهو القرأة فلما دل الكتاب والسنة والاجماع علىٰ ان الاستماع افضل لهٗ من القرأة علم أن المستمع يحصل له افضل مما يحصل للقاری وهٰذا المعنیٰ موجود فی الفاتحة وغيرها فالمستمع لقرأة الامام يحصل له أفضل مما يحصل بالقرأة وحينئذ فلايجوز أن يؤمر بالأدنیٰ وينهیٰ عن الاعلیٰ.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۷۱)

سے افضل ہے، دلیل یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ سے زائد کو مقتدی کو غور سے سننے کا حکم ہے، پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سورۂ فاتحہ کے زائد کو غور سے سننا قرأت سے افضل ہے تو دوامروں میں سے افضل کو ہی کرنا اولیٰ تھا۔ یعنی قرأت (لیکن سورۂ فاتحہ سے زائد میں قرأت کا حکم نہ دے کر سکوت واستماعِ اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرأت سے افضل سکوت واستماع ہی ہے) دوسری طرف کتاب وسنت اور اجماع سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں مقتدی کے لئے قرأت سے افضل امام کی قرأت کو غور سے سننا ہے، معلوم ہوا کہ غور سے سننے والے کو اس سے زیادہ فضیلت حاصل ہوگی جو قرأت کرنے والے کو ہوگی (جیسا کہ سورۂ فاتحہ سے زائد میں یہی صورت حال ہے) اور یہ معنیٰ (مقتدی مستمع کا، مقتدیٔ قاری سے افضل ہونا) سورۂ فاتحہ اور غیر فاتحہ سب میں موجود ہے، لہٰذا امام کی قرأت کو توجہ سے سننے والے کو اس سے افضل ثواب ملے گا جو قرأت سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا جائز نہیں کہ مقتدی کو ادنیٰ کا حکم دیا جائے (یعنی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا جب کہ افضل غور سے سننا ہے) اور اعلیٰ سے منع کیا جائے (یعنی غور سے سننے سے منع کر کے قرأتِ فاتحہ کا حکم دیا جائے)



# احادیث سے ثبوت

مقتدی کے قرأت نہ کرنے کے متعلق سورۂ اعراف کی جو آیت گزری، اس میں ایک عام حکم دیا گیا تھا اور ہر صورت میں مقتدی کی قرأت ممنوع تھی، خواہ جہری نماز ہو یا سری، سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہو یا کسی دوسری سورہ کا، اب ہم یہاں ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لیں گے۔

## جہری نمازوں میں قرأت کی ممانعت

(۱) عن ابی موسیٰ قال علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قمتم الیٰ الصلوٰۃ فلیؤمکم احدکم واذا قرأ الامام فانصتوا.
(مسند احمد بن حنبل ج۴ص۴۱۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سکھایا کہ جب تم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو اور تم میں کا کوئی امامت کرے پس جب امام قرأت کرے تو تم لوگ خاموش ہو جاؤ۔

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین. (مسلم ج۱ص۱۷۴، ابوداؤد ج۱ص۱۰۵، ابن ماجہ ص۶۱، نسائی ج۱ص۱۴۶،

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھے تو تم لوگ بھی اسی طرح نیت باندھ لو اور جب وہ قرأت شروع کرے تو تم تم لوگ چپ رہو، اور جب وہ وَلاالضالّین کہے تو

مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۷۶)

تو تم لوگ آمین کہو۔

(۳) عن سفيان بن عيينة عن الزهرى عن ابن اكيمة قال سمعت اباهريرة يقول صلى النبى صلى الله عليه وسلم باصحابه صلوٰة نظن انها الصبح فقال هل قرأمنكم احد قال رجل انا قال انى اقول مالى أنازع القراٰن .

(ابن ماجہ ص ۶۱)

سفیان بن عیینہؒ زہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن اکیمہؒ نے کہا کہ میں نے ابو ہریرہؓ کو فرماتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی (راوی کہتے ہیں غالباً وہ صبح کی نماز تھی، نماز کے بعد) حضورؐ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے قرأت کی؟ ایک شخص نے جواب دیا میں نے اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا میں بھی کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے کہ میں قرآن کے بارے میں نزاع کیا جا رہا ہوں۔

دوسری روایت میں ہے:

فسكتوا بعد فيما جهر فيه الامام.

(حوالۂ مذکورہ)

پس صحابۂ کرامؓ خاموش ہو گئے ان نمازوں میں جن میں امام جہر کرتا ہے۔

نسائی میں ہے:

فانتهى الناس عن القرأة فيما جهر فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقرأة حين سمعوا ذالك.

(ج ۱ ص ۱۴۶)

پس لوگ رک گئے قرأت سے، اس نماز میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہراً قرأت کرتے، حضورؐ سے یہ بات سننے کے بعد۔

مؤطا امام مالکؒ میں ہے:

فانتهىٰ الناس عن القرأة مع رسول الله ﷺ فيما جهر فيه رسول الله

پس لوگ ان نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرأت سے رک گئے جس

صلی الله علیه وسلم بالقراۃ حین سمعوا ذالک. (ص۳۱)

میں رسول اللہ ﷺ بالجہر قرأت فرماتے، جس وقت حضور کی زبانی یہ بات سنی۔

بہر حال مذکورہ بالا احادیث میں امام ومقتدی کے فرائض بتا دیئے گئے کہ جب وہ اللہ أکبر کہے تو تم بھی اللہ أکبر کہو مگر جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو وغیرہ وغیرہ، اگر مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنی ہوتی تو ضرور کہا جاتا کہ جب امام قرأت کرے تو تم بھی سورۂ فاتحہ ضرور پڑھ لو۔ بلکہ اس کے برعکس کہا گیا کہ واذا قرأ فانصِتوا (جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو)

## جہری وسّری سب نمازوں میں مقتدی کی قرأت ممنوع

(۱) عن عمران بن حصین انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظھر فجعل رجل یقرأ خلفه بسبح اسم ربک الاعلیٰ فلما انصرف قال ایکم قرأ اوایکم القاری قال رجل انا فقال قد ظننت انّ بعضکم خالجنیھا.

(مسلم ج۱ ص۱۷۲، نسائی ج۱ ص۱۷۶، ابوداؤد ج۱ ص۱۳۶)

عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی پس ایک آدمی حضورؐ کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلیٰ پڑھنے لگا، سلام پھیرنے کے بعد حضورؐ نے فرمایا، تم میں سے کس نے پڑھا تھا؟ اسی آدمی نے جواب دیا کہ میں نے، حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے بھی گمان کیا کہ تم میں کا کوئی اس کو مجھ سے چھین رہا ہے۔

مسلم شریف کے اسی صفحہ پر اسی مضمون کی دو روایتیں اور بھی ہیں، یہ روایت نسائی ج۱ ص۱۴۶ پر بھی موجود ہے، امام نسائیؒ نے اس حدیث کا باب یوں باندھا ہے:

ترک القراۃ خلف الامام فیما لم یجھر فیه.

اُس نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کا بیان جس میں امام نے جہراً قرأت نہیں کی۔

(۲) ابوالاحوصؒ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

كانوا يقرأون خلف النبي صلى الله عليه وسلم فقال خلطتم علىّ القرأة. (شرح معانی الآثار ج اص ۱۰۶، طبرانی)

صحابۂ کرامؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے، پس حضورؐ نے فرمایا تم لوگوں نے مجھ پر قرأت گربڑ کردی

(۳) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كان له امام فقرأة الامام له قرأة (موطا امام محمد ص ۹۸، طحاوی ص ۱۰۶، کتاب الآثار ج اص ۱۰۷، دارقطنی ج اص ۱۲۲، مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۳۹)

جس کے لئے امام ہو پس امام کی قرأت، اسی کی قرأت ہے۔

اس حدیث کو حافظ احمد بن منیع نے بھی اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔

(آثار السنن الجزء الاول ص ۸۷)

یہی روایت ابن ماجہ ص ۶۱۴ پر بھی موجود ہے، مگر ہم نے اسے بالقصد نقل نہیں کیا، کیوں کہ اس کے سلسلۂ سند میں جابر جعفی کا نام آگیا ہے، جسے لے کر بہت سے "کرم فرما" بہت شور مچاتے ہیں، لہٰذا ہم نے اس روایت کو چھوڑ کر مؤطا امام محمد وغیرہ والی روایت لی، جس کے سلسلۂ سند میں کلام کرنے کی قطعی کوئی گنجائش نہیں، ہاں اگر کوئی معاندت ومخالفت پر ہی آمادہ ہو تو اس کی زبان کون بند کرسکتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وثبت انه فى هذا الحال قرأة الامام له قرأة كما قال ذالک جماهير السلف والخلف من الصحابة والتابعين لهم باحسان. وفى ذالک الحديث المعروف عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من كان له امام فقرأة الامام له قرأة،

ثابت ہوا کہ اس حالت میں امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے، جیسا کہ جماہیر سلف وخلف، صحابہ وتابعینؒ اس کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف حدیث بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے لئے امام ہو پس امام کی قرأت اسی کی قرأت

وهذا الحديث روى مرسلاً ومسنداً لكن اكثر الائمة الثقاة رووه مرسلاً عن عبدالله بن شداد عن النبي صلى الله عليه وسلم واسنده بعضهم ورواه ابن ماجة مسنداً وهذا المرسل قدعضدهٗ ظاهر القرآن والسنة وقال به جماهير اهل العلم من الصحابة والتابعين ومرسله من اكابر التابعين ومثل هذا المرسل يحتج به باتفاق الائمة الاربعة وغيرهم وقد نص الشافعي علىٰ جواز الاحتجاج بمثل هذا المرسل.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۷۱)

ہے، یہ حدیث مرسل ومسند دونوں طرح مروی ہے، لیکن اکثر ائمہ ثقات نے اس حدیث کوعبداللہ بن شداد سے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور بعض نے اس کو سندِ متصل سے روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے اسے مسند ذکر کیا ہے اور ظاہرِ قرآن وسنت اس مرسل کی تائید کرتے ہیں، جماہیر اہلِ علم صحابہؓ وتابعینؒ اسی کے قائل ہیں۔ اس حدیث کو مرسل نقل کرنے والے اکابر، تابعین میں سے ہیں۔ اس قسم کی مرسل حدیث سے ائمہ اربعہ ودیگر اہلِ علم کے نزدیک بالاتفاق استدلال صحیح ہے، اور امام شافعیؒ نے اس طرح کی مرسل روایت سے استدلال جائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے

حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے درج ذیل نکات سامنے آئے:

(الف) یہ حدیث (مَن کانَ لهٗ امام فقرأة الامامِ له قرأة) مسند بھی مروی ہے اور مرسل بھی۔ (چنانچہ مسند احمد، مسند احمد بن منیع، مسند عبد بن حمید مؤطا امام محمد اور طحاوی میں سند متصل کے ساتھ بروایت ثقات موجود ہے)

(ب) جہاں پر یہ حدیث مرسل منقول ہے وہاں بھی ثقات نے مرسلاً روایت کیا ہے

(ج) مرسل ہونے کے باوجود ظاہرِ کتاب وسنت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا محدثین کے قاعدہ کے مطابق بالاتفاق ایسی مرسل حدیث سے استدلال جائز ہے، (کتاب اللہ سے تائید ہونے کی بحث ص ۱۸۴ پر گزر چکی ہے اور احادیث سے تائید

کا تذکرہ چل ہی رہا ہے)

(د) جماہیر صحابہ، تابعین نے اسی حدیث کے مطابق فتوے دیئے ہیں۔(صحابہ کرامؓ کے فتوے ص ۲۱۰ پر، اور تابعینؒ کے فتوے ص ۲۱۵ پر آرہے ہیں)

(۴) ولاتجهر بصلوتک فیسمع المشرکون قرأتک ولاتخافت بها عن اصحابک اسمعهم القراٰن وابتغ بین ذالک سبیلا یقول بین الجهر والمخافة. (مسلم ج ا ص ۱۸۳)

مت پڑھئے بلند آواز سے اپنی نماز کہ مشرکین سنیں آپ کی قرأت کو اور نہ بالکل آہستہ پڑھئے اپنے اصحاب سے، بلکہ انھیں قرآن سنائیے اور بہت بلند اور بہت آہستہ کے درمیان راستہ اختیار کیجئے۔

یہ روایت بخاری جلد ثانی ص ۶۸۶ پر بھی موجود ہے۔

اس روایت میں أسمعهم القراٰن (انھیں قرآن سنائیے) کے الفاظ موجود ہیں، غور کرنے کی بات ہے کہ اگر امام کے ساتھ مقتدی بھی قرأت کریں تو انھیں امام قرآن کیسے سنا سکے گا، کیوں کہ وہ خود ہی اپنے پڑھنے میں مصروف ہوں گے، دوسری طرف توجہ اور دھیان دینے کا موقع کہاں ملے گا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی قرأت کو نہ سنیں تو امام کی جہراً قرأت کا کوئی فائدہ ہی نہیں، جہری نمازوں میں امام کی جہراً قرأت تو ضروری ہو مگر خاموشی کے ساتھ اسے غور سے سننا جائز نہ ہو، یہ ممکن ہی نہیں، ورنہ پھر جہراً قرأت بے فائدہ اور بے مقصد رہی —— بہرحال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے وقت صحابۂ کرامؓ، قرأت نہیں کرتے تھے، ورنہ پھر انھیں قرآن سنانے کی صورت واضح طور پر متصور نہیں ہوسکتی۔



# مقتدی قرأت نہ کرے

## آثارِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی نقل کئے گئے، جن سے پتہ چلتا ہے کہ جہری و سری تمام نمازوں میں امام کی قرأت، مقتدی کے لئے کافی ہے اور مقتدی کا کام امام کی قرأت کے وقت بالکل خاموش رہنا ہے، نہ سورۂ فاتحہ پڑھنی ہے نہ کوئی اور سورہ ــــ گویا یہ ارشاداتِ نبویؐ، فرمانِ باری تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کی تفسیر وتشریح ہیں۔

اب یہاں سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال نقل کئے جاتے ہیں، یہ بھی حقیقت میں اسی ارشادِ ربانی کی عملی تفسیر اور قولی تشریح ہیں۔

### حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

عن عطاء بن يسار أنه أخبره انه سأل زيد بن ثابت عن القرأة مع الامام فقال لاقرأة مع الامام فی شیء. (مسلم ج۱ص۲۱۵، مصنف عبدالرزاق ج۲ص۱۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۳۷۶)

عطاء بن یسارؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے امام کے ساتھ قرأت کے متعلق سوال کیا تو زید بن ثابتؓ نے جواب دیا کہ امام کے ساتھ کسی چیز میں قرأت نہیں۔

### حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ

عن ابی الدرداء سمعه يقول سئل

حضرت ابودرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ

رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم افـي كـل صـلـوٰة قرأة قال نعم قال رجـل مـن الانـصـار وجـبت هـٰذه فـالتـفت الىٰ وكنت ساقرب القوم مـنـه فقال ماأرى الامام اذا ام القوم الاقد كفاهم. (نسائی ج اص ۱۴۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، ہاں، انصار میں سے ایک آدمی نے کہا یہ تو واجب ہوگئی، پس آپؐ نے میری طرف التفات فرمایا اور میں آپ سے بہت قریب بیٹھا ہوا تھا، پس فرمایا امام جب کسی قوم کی امامت کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ سب کی طرف سے کافی ہے۔

امام نسائیؒ نے اس روایت کا عنوان یوں قائم کیا ہے

اکتفاء الماموم بقرأة الامام . امام کی قرأت، مقتدی کے لئے کافی ہونے کا بیان۔

امام نسائی نے آخری جملہ مـاأرىٰ الامـام اذا ام الـقوم الا قد كفـاهم کو حضرت ابودرداءؓ کا قول قرار دیا ہے اس اعتبار سے ہم نے بھی اس روایت کو آثارِ صحابہؓ میں نقل کیا، ورنہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۰ میں بروایت طبرانی یہ حدیث مرفوعاً بھی منقول ہے۔

## حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

عـن ابـى نعيم وهب بن كيسان انه سـمـع جـابـر بن عبدالله يقول من صـلـى ركعة لم يقرأ فيها بام القراٰن فلم يصل الا وراء الامام.
(موطا امام مالک ص ۳۰، ترمذی ج ا ص ۴۲، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۴۱)

ابونعیم وہب بن کیسانؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے

دیکھئے امانی الاحبار ج ۳ ص ۱۴۶۔

## حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا سئل هل يقرأ احد خلف الامام قال اذا صلى احدكم خلف الامام فحسبه قرأة الامام واذا صلى وحدهٗ فليقرأ وكان عبدالله بن عمر لايقرأ خلف الامام.

(موطاامام مالک ص ۳۱، مؤطاامام محمد ص ۹۵)

نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب سوال کیا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کی جائے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ جواب دیتے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے، اور جب تنہا پڑھے تو قرأت کرے، نافعؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

نافعؒ سے ہی عبداللہ بن عمرؓ کی ایک دوسری روایت ہے:

من صلى خلف الامام كفته قرأته

(مؤطاامام محمد ص ۹۸)

جوامام کے پیچھے نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

انس بن سیرینؒ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:

انه سئل عن القرأة خلف الامام قال تكفيك قرأة الامام. (حوالۂ مذکورہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ تمہارے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

## حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

عن ابى وائل قال سئل عبدالله بن

ابووائلؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن

مسعود عن القرأة خلف الامام قال انصت فان فی الصلوٰة شغلاً سیکفیک ذاک الامام.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶، مؤطا امام محمد ص ۱۰۰، طحاوی، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸)

مسعودؓ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا ''خاموش رہا کرو کیوں کہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے اور تمہارے لئے وہی امام کافی ہے۔

علقمہ بن قیسؒ سے مروی ہے کہ:

ان عبدالله بن مسعود کان لایقرأ خلف الامام فیما یجهر فیه و فیما یخافت فیه. (موطا امام محمد ص ۱۰۰)

عبداللہ بن مسعودؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے، نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں۔

تفسیر ابن کثیر میں ابن جریرؒ کی سند سے مروی ہے کہ:

صلی ابن مسعود رضی الله عنه فسمع ناساً یقرأون مع الامام قال اما ان لکم ان تفهموا اما ان لکم أن تعقلوا وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کما امرکم الله. (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۰)

عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز پڑھی تو کچھ لوگوں کو سنا کہ امام کے ساتھ قرأت کرتے ہیں۔ فرمایا کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم فہم حاصل کرو، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھو، جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو، اور خاموش رہو۔

## حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انه ذکر له ان سعداً قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرة.

داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولاد نے بتایا کہ حضرت سعدؓ فرماتے تھے کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس

(موطا امام محمد ص ۱۰۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶) کے منہ میں انگارہ ہو۔

## حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

امام بخاری کے استاذ امام عبدالرزاقؒ اپنے مصنف میں نقل کرتے ہیں:

(۱) قال (أی عبدالرحمٰن بن زید) واخبرنی اشیاخنا ان علیا رضی الله عنه قال من قرأ خلف الامام فلاصلوٰة له قال واخبرنی موسیٰ بن عقبة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وابوبکر وعمر وعثمان کانوا ینهون عن القرأة خلف الامام (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹)

عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ہمارے مشائخ نے خبر دی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کی نماز ہی نہیں اور موسیٰ بن عقبہؒ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔

(۲) قال (أی محمد بن عجلان) وقال عمر بن الخطاب وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه حجر. (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸)

محمد بن عجلانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے منہ میں پتھر ہو۔

## حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

عن ابی جمرة قال قلت لابن عباس أقرأ والامام بین یدیّ قال لا. (طحاوی ج ۱ ص ۱۰۸)

ابو جمرہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ کیا میں قرأت کروں؟ جب کہ امام میرے سامنے ہو، عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا، نہیں۔

## ستّر بدری صحابہؓ

قال الشعبی ادرکت سبعین بدریا کلهم یمنعون المقتدی من القرأة خلف الامام. (روح المعانی ج۹ص۱۵۲)

شعبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ستّر بدری صحابہؓ کو پایا کہ سب کے سب مقتدی کوقرأت خلف الامام سے منع کرتے تھے۔

# آثارِ تابعین رحمهم الله

(۱) عن الولید بن قیس قال سألت سویدبن غفلة اقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر قال لا

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۳۷۷)

ولید بن قیسؒ سے مروی ہے کہ میں نے سوید بن غفلہؒ سے سوال کیا کہ کیا میں ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے قرأت کروں؟ انھوں نے فرمایا نہیں۔

(۲) عن ابی بشر عن سعید بن جبیر قال سألته عن القرأة خلف الامام قال لیس خلف الامِ قرأة.

(حوالۂ مذکورہ)

ابوبشرؒ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؒ سے قرأت خلف الامام کے متعلق سوال کیا، انھوں نے کہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔

(۳) عن محمد قال لا اعلم القرأة خلف الامام من السنة (حوالۂ مذکورہ)

محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا، قرأت خلف الامام کو میں سنت میں سے نہیں جانتا۔

(۴) عن قتادہ عن ابن المسیب قال انصت للامام. (حوالۂ مذکورہ)

قتادہؒ کہتے ہیں کہ ابن المسیبؒ نے فرمایا، امام کے لئے خاموش رہو۔

(۵) عن الاسود بن يزيد وددت ان الذی يقرأ خلف الامام ملئ فوه ترابا. (حوالہ مذکورہ، مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱۳۸)

اسود بن یزیدؒ سے مروی ہے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ وہ شخص جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منھ مٹی سے بھر دیا جائے۔

(۶) عن ابراهيم قال ماقرأ علقمة بن قيس قط فيما يجهر فيه ولا فيما لايجهر فيه ولا فی الركعتين الاخريين ام القرآن ولا غيرها خلف الامام (کتاب الآثار للامام محمد ص۶۳)

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ علقمہ بن قیسؒ نے کبھی بھی نہ تو جہری نمازوں میں، نہ سری نمازوں میں اور نہ اخیر والی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے، نہ سورۂ فاتحہ پڑھی نہ اس کے علاوہ۔

اسود بن یزیدؒ اور علقمہ بن قیسؒ ان کبارِ تابعین میں سے ہیں جو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں فتوے دیا کرتے تھے۔

بہرحال حضراتِ تابعین عظامؒ کے یہ اقوال وافعال بھی سورۂ اعراف کی اسی آیتِ کریمہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے) کی تفسیر وتشریح اور توضیح وتنقیح ہیں۔

آخر میں علامہ ابن تیمیہؒ کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں:

وايضاً ففی اجماع المسلمين علىٰ انه فيما زاد على الفاتحة يؤمر بالاستماع دون القرأة دليل علىٰ ان استماعه لقرأة الامام خير له من قرأته معه بل علىٰ انه مامور بالاستماع دون القرأة مع الامام.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲۳ ص۲۷۶)

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ سورۂ فاتحہ سے زائد قرأت میں (مقتدی کو) غور سے سننے کا ہی حکم دیا جائے گا نہ کہ قرأت کا۔ یہ اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی کا امام کی قرأت کو غور سے سننا، اس کے امام کے ساتھ قرأت کرنے سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ یہ اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے ساتھ قرأت کا حکم نہیں، بلکہ غور سے سننا مامور بہ ہے۔

# قرأت خلف الامام ـــــ کچھ اور باتیں

## محمد بن اسحاقؒ کی روایت اور ابن تیمیہؒ

جو حضرات امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرأت کو واجب کہتے ہیں، ان کی سب سے اہم دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے جو محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے۔

عن عبادہ بن الصامت قال کنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الفجر فقرأ فثقلت علیہ القرأۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرأون خلف امامکم قلنا نعم یارسول اللہ قال لاتفعلوا الابفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی معناہ وفی روایۃ لابی داؤد قال وانا اقول مالی ینازعنی القرآن فلا تقرأوا بشیٔ من القرآن اذا جھرت الّا بأم القرآن. (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۱)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، آپؐ نے قرأت کی تو آپؐ پر قرأت دشوار ہوگئی، پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ ہم نے جواب دیا جی ہاں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو سوائے سورۂ فاتحۃ الکتاب کے، کیوں کہ اس کی نماز نہیں جس نے اسے نہیں پڑھا، روایت کیا اس کو ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں بھی کہہ رہا تھا کیا بات ہے کہ قرآن مجھ سے کشاکشی کر رہا ہے (یعنی پڑھنے میں

الجھن ہو رہی ہے) پس جب میں بلند آواز
سے قرأت کروں تو کچھ نہ پڑھا کرو سوائے
ام القرآن کے۔

اس روایت کے ایک راوی محمد بن اسحٰق پر شدید جرحیں ہوئی ہیں،(۱) ویسے شوافع وغیرہ نے اپنے مسلک کے مطابق روایت کی توثیق وتصحیح بھی کی ہے۔

(دیکھئے معالم السنن ج۱ص ۲۰۵، وتحقیق الکلام حصہ اول ص۹ وغیرہ)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث سند اور متن دونوں اعتبار سے مضطرب ہے، امام احمدؒ اور دیگر ائمہ حدیث نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وھٰذا الحدیث معلل عند ائمة الحدیث بأمور کثیرة ضعفه احمد وغیره من الائمة وقد بسط الکلام علی ضعفه فی غیر ھٰذاالموضع وبین ان الحدیث الصحیح قول النبی صلی الله علیه وسلم لاصلوٰة اِلّا بأم القراٰن فھٰذا ھوالذی اخرجاه فی الصحیحین ورواه الزھری عن محمود بن الربیع عن عبادة واما ھذا الحدیث فغلط فیه بعض الشامیین وأصله ان عبادة کان یؤم بیت المقدس فقال ھٰذا فاشتبه علیھم المرفوع بالموقوف

یہ حدیث، ائمہ حدیث کے نزدیک بہت سے وجوہ سے معلول ہے، امام احمدؒ اور دیگر ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اس حدیث کے ضعف پر دوسری جگہ تفصیل سے لکھا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ حدیثِ صحیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''ام القرآن کے بغیر نماز نہیں'' یہی حدیث صحیحین (بخاری ومسلم) میں مروی ہے، اس حدیث کو زہریؒ نے محمود بن ربیعؓ سے انھوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث (جس میں اختلاط کا واقعہ ہے) اس میں بعض شامیوں نے غلطی کی ہے،

---

(۱) دیکھئے تہذیب ج۹ص ۴۱، میزان ج۳ص ۳۱۰۔

علیٰ عبادة.
(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۸۶)

اس میں بعض شامیوں نے غلطی کی ہے، اوراس کی اصل یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے امام تھے اور یہ بات (امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی بات) انھوں نے کہی تھی (نہ کہ یہ حضورؐ کا ارشاد ہے) لیکن راویوں کو اشتباہ ہوا اور انھوں نے حدیثِ موقوف (یعنی قول عبادہؓ) کو حدیثِ مرفوع (یعنی ارشادِ رسولؐ) کی حیثیت سے نقل کر دیا۔

گویا اصل حدیثِ مرفوع لاصلوٰۃ الا بأم القراٰن ہے، بقیہ الفاظ حدیث یعنی لاتفعلوا الا بفاتحة الکتاب اور فلاتقرءوا بشیٔ من القراٰن اذا جهرت الا بام القراٰن حضرت عبادہ بن صامت پر موقوف ہیں نہ کہ حدیثِ مرفوع۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

وقرأ عبادة بن الصامت بعد النبی صلی الله علیه وسلم خلف الامام وتاوّل قول النبی صلی الله علیه وسلم لاصلوٰة الا بقرأة فاتحة الکتاب. (ترمذی ج ۱ ص ۴۲)

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام کے پیچھے قرأت کی اور ارشاد نبویؐ "لاصلوٰة الا بقرأة فاتحة الکتاب" سے استدلال کیا۔

گویا حضرت عبادہ بن صامتؓ لاصلوٰة الا بقرأة فاتحة الکتاب (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) کو امام ومقتدی دونوں کے لئے عام سمجھتے تھے۔ اسی لئے انھوں نے مذکورہ الفاظ کہے، راویوں کو وہم ہوا اور انھوں نے موقوف کو مرفوع کی حیثیت سے نقل کر دیا۔

مگر دیگر کئی صحابۂ کرامؓ نے اسے یا تو امام کے لئے خاص قرار دیا، یا پھر مقتدی کے لئے امام کی قرأت کو کافی قرار دینے والی حدیث کے مطابق، مقتدی کے لئے قرأتِ

حکمی ثابت کی کہ امام حقیقۃً قرأت کرتا ہے اور امام کی قرأت مقتدی کے لئے حکماً قرأت ہے۔ بفحوائے حدیثِ نبویؐ

من کان له امام فقراۃ الامام له قراۃ.

جس کے لئے امام ہو تو امام کی قرأت، اسی کی قرأت ہے۔(۱)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی الله علیه وسلم لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب اذا کان وحدهٗ واحتج بحدیث جابر بن عبدالله حیث قال من صلّی رکعة لم یقرأ فیها بأم القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فهٰذا رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم تأول قول النبی صلی الله علیه وسلم لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب ان هٰذا اذا کان وحده. (ترمذی ج۱ص۴۲)

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ''اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی'' اس صورت پر محمول ہے، جب تنہا نماز پڑھے، امام احمدؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی اُس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ ''جس نے کوئی رکعت پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ہی نہیں اِلّا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو'' امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک صحابی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب کا مطلب یہی سمجھتے ہیں کہ یہ تنہا نماز پڑھنے والے کے حق میں ہے۔

اسی روایت کے متعلق امام ابوداوٗدؒ فرماتے ہیں:

قال سفیان من یصلی وحده. (ابوداؤد ج۱ص۱۳۵)

سفیان کہتے ہیں کہ یہ اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے۔

---

(۱) اس قسم کی احادیث پر مفصل بحث ص۲۰۶ پر گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام ابن تیمیہؒ کے بیان کے مطابق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت مضطرب ہے اور اضطراب سند کا بھی ہے اور متن کا بھی اور راویوں کے وہم سے الفاظِ مرفوعہ وموقوفہ گڈمڈ ہو گئے ہیں۔

## سکتاتِ امام کی بحث

جو حضرات امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں، وہ بھی امام کی قرأت کے دوران مقتدی کو پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ سکتات کے درمیان یعنی جب امام کوئی آیت مکمل کر کے رکے اور آگے پڑھنے کے لئے وقفہ لے، تو اسی وقفہ میں مقتدی کو قرأت کرنے کو کہتے ہیں۔

ان فی عدم قرأة المؤتم خلف الامام وقت مایقرأ اتفاقاً بینهم انما الخلاف فی القرأة وقت سکتات الامام. (الکوکب الدری ج۱ ص۱۴۴)

امام کے قرأت کرنے کے وقت امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا جائز نہ ہونا متفق علیہ ہے، اختلاف صرف سکتاتِ امام کے وقت میں ہے۔

امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی قرأت کو معیوب سمجھنے کی وجہ ان حضرات کے نزدیک بھی آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ہی ہے۔ اسی ارشاد ربانی کی وجہ سے یہ حضرات بھی امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی قرأت ناپسند کرتے ہیں اور آیت کی حکم عدولی سے بچنے کے لئے انھوں نے سکتاتِ امام کا سہارا لیا جیسا کہ امام بخاریؒ نے جزء القرأۃ میں لکھا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سکتاتِ امام کے وقت مقتدی کے قرأت کرنے کی کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

قال العلامة الامیر الیمانی فی

علامہ امیر یمانیؒ سبیل السلام شرح بلوغ

سبیل السلام شرح بلوغ المرام ثم اختلف القائلون بوجوب قرأتها خلف الامام فقیل فی محل سکتاته بین الأیات وقیل فی سکوته بعد تمام قرأة الفاتحة ولا دلیل علیٰ هٰذین القولین فی الحدیث.

(التعلیق الحسن علیٰ آثار السنن الجزء الاول ص ۸۵)

المرام میں کہتے ہیں کہ ''پھر قرأت خلف الامام کے وجوب کے قائلین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ محلِ قرأت کیا ہو؟ بعض کہتے ہیں کہ آیتوں کے درمیان سکتاتِ امام کے وقت، بعض کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے ختم کے بعد امام کے سکوت کے وقت، اورحدیث میں ان دونوں قولوں پر کوئی دلیل نہیں۔

پھر صاحبِ تعلیق نے سکتاتِ امام کے متعلق مستدرک حاکم سے ایک روایت نقل کی ہے، اس کے ساتھ ہی اس کی تضعیف بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ اس کے راویوں میں ایک راوی محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمیر لیثی بھی ہے جسے ابن معینؒ اور دار قطنیؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے اور امام نسائیؒ متروک کہتے ہیں، اس کے علاوہ روایت میں اور بھی اَسقام موجود ہیں۔ (حوالۂ مذکورہ)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

وحجتهم فی ذالک ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن یسکت لیقرأ المامومون ولا نقل هٰذا احد عنه بل ثبت عنه فی الصحیح سکوته بعد التکبیر للاستفتاح وفی السنن انه کان له سکتتان سکتة فی اول القرأة وسکتة بعدالفراغ

مانعینِ قرأت خلف الامام کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کے دوران اس لئے سکوت نہیں فرماتے تھے کہ مقتدی قرأت کرسکیں، حضورؐ سے یہ بات کسی نے بھی نقل نہیں کی، بلکہ حدیثِ صحیح میں نیت باندھنے کے بعد ثنا پڑھنے کے لئے حضورؐ کا سکوت اختیار فرمانا ثابت ہے،

من القرأة وهي سكتة لطيفة للفصل لاتتسع لقرأة الفاتحة وقد روى ان هٰذه السكتة كانت بعدالفاتحة ولم يقل احد انه كان له ثلاث سكتات ولا اربع سكتات فمن نقل عن النبي صلى الله عليه وسلم ثلاث سكتات اواربع فقد قال قولا لم ينقله عن احد من المسلمين والسكتة التى عقب قوله (ولاالضالين) من جنس السكتات التى عند رؤوس الأى ومثل هٰذا لايسمى سكوتاً ولهٰذا لم يقل احد من العلماء انه يقرأ فى مثل هٰذا .وكان بعض من ادركنا من اصحابنا يقرأ عقب السكوت عند رؤوس الأى فاذا قال الامام (الحمدلله رب العالمين) قال (الحمدلله رب العالمين) واذاقال (اياك نعبد واياك نستعين) قال (اياك نعبد واياك نستعين) وهٰذا لم يقله احد من العلماء.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۷۷)

اور کتب سنن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سکتے مروی ہیں، ایک سکتہ، اول قرأت میں، دوسرا قرأت کے بعد اور یہ سکتہ بے حد مختصر ہوتا تھا، اس میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہوتی تھی، اور احادیث میں وارد ہے کہ یہ دوسرا سکتہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد ہوتا تھا، کسی نے بھی نہیں کہا کہ حضورؐ کے تین یا چار سکتے ہوتے تھے، پس جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین یا چار سکتے نقل کرے وہ ایسی بات کہہ رہا ہے کہ جسے کسی بھی مسلمان نے نقل نہیں کیا، اور جو سکتہ ولاالضَّالِّينَ کے بعد ہوتا تھا وہ اسی طرح کا سکتہ تھا جو آیتوں کے ختم پر ہوتا تھا، اس طرح کے سکتہ کو ''سکوت'' نہیں کہا جاتا، اسی لئے کوئی بھی عالم قائل نہیں کہ اس جیسے سکتے میں مقتدی (سورہ فاتحہ) پڑھے۔ اور ہم نے اپنے بعض اصحاب کو پایا کہ وہ آیتوں کے ختم پر سکوت کے وقت قرأت کرتے ہیں۔ پس جب امام کہے الحمد لله رب العالمين تو وہ بھی (اس کے بعد) کہتے ہیں الحمدلله رب العالمين اور

جب امام کہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو وہ بھی کہتے ہیں ایاک نعبد و ایاک نستعین ، لیکن یہ بھی کسی عالم نے نہیں کہا۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ اگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سکتۂ اولیٰ یا سکتۂ ثانیہ میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوتے تو صحابۂ کرامؓ کا اس قسم کی چیزوں کے نقل کا جو مزاج تھا، اس کے مطابق وہ یہ بات بھی ضرور نقل کرتے۔ لیکن ایک صحابی سے بھی کسی بھی سکتہ میں امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت منقول نہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

مع ان ذالک لو کان مشروعاً لکان الصحابة احق الناس بعلمه وعمله فعلم انه بدعة.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۳/۲۷۹)

اگر یہ چیز مشروع ہوتی تو صحابۂ کرامؓ سب سے زیادہ حقدار تھے کہ وہ اسے جانتے اور اس پر عمل کرتے (اور چونکہ صحابۂ کرام سے علماً یا عملاً منقول نہیں) پس معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے۔(۱)

پھر آمین کے مسئلہ کو لے کر امام ابن تیمیہؒ ایک دلچسپ بات نقل کرتے ہیں، وہ یہ کہ بخاری وغیرہ کی روایات میں امام کے وَلَا الضَّآلِّیْن کہنے پر مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم ہے اور یہ حکم جہری نمازوں سے متعلق ہے، کیوں کہ جہری نمازوں میں ہی مقتدی امام کی قرأت کو سنتے ہیں اور انھیں خبر ہوتی ہے کہ امام کب وَلَا الضَّآلِّیْن کہہ رہا ہے، لہٰذا اس کے بعد آمین کہتے ہیں۔ اور سرّی نمازوں میں کسے کیا خبر کہ امام نے کب سورۂ فاتحہ ختم کی، کب دوسری سورہ شروع کردی۔

---

(۱) اس موقع پر قارئین کرام سکتاتِ امام پر امام رازیؒ کے اعتراضات بھی سامنے رکھیں جو اسی کتاب کے ص ۱۹۶ پر تفسیر کبیر کے حوالے سے گزر چکے ہیں۔

بہر حال مقتدیوں سے آمین کہلوانا اس بات کی دلیل ہے کہ امام کی قرأت کو مقتدیوں کو سنانا مقصود ہے، ورنہ جہری قرأت بالکل بے فائدہ ہوکر رہ جائے گی۔ اب اگر مقتدی خود بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے میں مشغول رہیں تو یہ گویا ایسے لوگوں کے سامنے بات سنانا ہے جو اسے غور سے سننے پر آمادہ نہیں، ظاہر ہے کہ جو شخص خود بھی سورۂ فاتحہ پڑھے گا وہ دوسرے کی سورہ فاتحہ کیا غور سے سن سکے گا، لہٰذا ایسے لوگوں کے سامنے امام سے جہری قرأت کرانا لیکن ان لوگوں کو خاموشی کے ساتھ غور سے سننے کی تلقین نہ کرنا ایک طرح سے سفاہت اور بیوقوفی ہے جس سے احکام شرع منزّہ مبرّیٰ ہیں، کیوں کہ اس صورت میں جہری قرأت کا حاصل ہی کیا نکلا، جب مقتدی امام کی قرأت سننے کے بجائے اپنی اپنی قرأت میں لگے ہوں۔

اس کے بعد ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

ولهٰذا روى في الحديث مثل الذي يتكلم والامام يخطب كمثل الحمار يحمل اسفاراً فهٰكذا اذا كان يقرأ والامام يقرأ عليه . (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۷۹)

اسی لئے حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ اس شخص کی مثال جو امام کے خطبہ دینے کے وقت بات کرے اس گدھے کی سی ہے جو بوجھ اٹھائے پھرتا ہے، پس ایسے ہی وہ شخص بھی، جو امام کی قرأت کے وقت خود قرأت کرتا ہے۔

یہاں ابن تیمیہؒ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

والذي يقول له انصت ليس له جمعه رواه احمد . (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۳)

اور جو شخص اس سے کہے کہ خاموش رہو اس کا جمعہ ہی نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة

جب تم اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن امام

انصت والامام یخطب فقد لغوت. کے خطبہ کے وقت کہو کہ خاموش رہو تو تم نے لغو کام کیا۔ (بخاری ج۱ ص۱۲۸، مسلم ج۱ ص۲۸۱)

جب خطبہ کے دوران بات کرنے کی اتنی سخت وعید ہے اور بات کرنے والے کو چپ کرانے والا بھی وعید سے نہ بچ سکا۔ اور وجہ یہی ہے کہ وہ خطبہ کے بجائے، دوسرے کام میں مشغول ہوا، حالانکہ اس دوسرے نے بظاہر کوئی غلط کام نہیں کیا تھا، امر بالمعروف ہی کیا تھا، اچھی بات ہی کہی تھی لیکن اسے بھی لغو کہا گیا ہے، یہاں تک کہ یہ بھی فرمادیا گیا کہ اس کا جمعہ ہی نہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ پھر نماز جو کہ خطبۂ جمعہ سے بدرجہا افضل ہے اس میں امام کی قرأت کے وقت اپنی اپنی قرأت میں مشغول ہونا اور امام کی قرأت کی طرف دھیان نہ لگانا اور یہ سوچ لینا کہ ہم بھی تو سورۂ فاتحہ ہی پڑھ رہے ہیں، اچھا ہی کام کر رہے ہیں۔ کس قدر سنگین ہوگا۔





# مسئلۂ آمین

جہری نمازوں میں امام کے سورۂ فاتحہ ختم کرنے پر امام اور مقتدی دونوں کو آہستہ سے آمین کہنا چاہئے۔

## آمین ایک دعاء ہے

آمین ایک دعاء ہے جس کے معنیٰ ہیں "اے اللہ قبول فرما" بخاری شریف میں حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے منقول ہے کہ:

**الأمین دعاء** (بخاری ج۱ص ۱۰۷) آمین ایک دعاء ہے۔

اور دعاء میں اگرچہ جہر بھی جائز ہوتا ہے، مگر اصل اِخفاء ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

**اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَۃً.** (اعراف-۵۵) پکارو اپنے پروردگار کو گڑگڑاتے ہوئے اور پوشیدہ۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے تذکرے میں ہے:

**اِذْ نَادیٰ رَبَّہٗ نِداءً خَفِیّاً** (مریم-۳) جب پکارا اپنے پروردگار کو پوشیدہ پکارنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دعاء فرماتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہتے جاتے، قرآن نے حضرت موسیٰؑ کی دعاء اور حضرت ہارونؑ کا آمین کہنا، دونوں کو دعاء ہی قرار دیا اور فرمایا:

**قَدْ اُجِیْبَتْ دَعْوَتُکُمَا.** (یونس-۸۹) قبول کرلی گئی ہے تم دونوں کی دعاء۔

اِس سے بھی ثابت ہوا کہ آمین دعاء ہی ہے، اور آمین کا دعاء ہونا اختلافی مسئلہ

نہیں، متفق علیہ ہے۔ اور آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دعاء آہستہ مانگنی ہی اصل وافضل ہے، اس اعتبار سے آمین کو بھی آہستہ کہنا اصل اور افضل ہوگا۔

## آہستہ آمین کہنے کی احادیث

آہستہ آمین کہنے کا ثبوت درج ذیل احادیث سے ہے:

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا قال الامام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْن فقولوا اٰمین. (بخاری ج ا ص ۱۰۸)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْن کہے تو تم کہو: آمین۔

عن ابی هریرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعلمنا یقول لاتبادروا الامام اذا کبّر فکبّروا واذا قال ولاالضالّین فقولوا اٰمین واذا رکع فارکعوا. (مسلم ج ا ص ۱۷۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام پر سبقت نہ کرو جب وہ اَللہ اَکبَر کہے تو تم بھی اَللہ اکبر کہو، جب وہ وَلاالضالّین کہے تو تم آمین کہو اور جب رکوع کرے تو رکوع کرو۔

اِن دونوں حدیثوں میں مقتدیوں کے آمین کہنے کو، امام کے وَلَا الضَّالِّيْن کہنے پر معلّق کیا، نہ کہ امام کے آمین کہنے پر، اس سے معلوم ہوا کہ امام آہستہ آمین کہے گا جسے مقتدی نہ سن سکیں گے، البتہ وَلَا الضَّالِّيْن کی آواز جہری قرأت کی وجہ سے سبھی سن لیں گے، لہٰذا امام کے وَلَا الضَّالِّيْن کہنے پر مقتدیوں کو بھی آمین کہنا ہے۔(۱)

---

(۱) بخاری و مسلم کی جن روایات میں اِذا امّن الامام فامّنوا کے الفاظ آئے ہیں ان سے امام کا حقیقۃً آمین کہنا مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے یا اس کے آمین کہنے کا وقت معلوم ہوجائے (دیکھئے نووی علی المسلم ج ا ص ۱۷۶) اور ظاہر ہے کہ یہ وقت وَلاالضّالّین کے بعد ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ قال اذا قال الامام وَلَاالضَّآلِّیْن فقولوا اٰمین فان الامام یقولھا (نسائی ج۱ ص۱۴۷ واحمد وابن حبان وغیرہ)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب امام وَلَاالضَّآلِّیْن کہے تو کہو، آمین، اس لئے کہ امام بھی آمین کہتا ہے۔

حدیث کے الفاظ فان الامام یقولھا (اس لئے کہ امام بھی آمین کہتا ہے) سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام کا آمین کہنا آہستہ سے ہوگا، کیوں کہ اگر امام آمین بالجہر کرے تو مقتدیوں کو خود ہی معلوم ہو جاتا کہ امام نے آمین کہا یا نہیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ امام بھی آمین کہتا ہے لیکن مقتدیوں کو امام کے آمین کے متعلق بتانا صریح دلیل ہے کہ امام آہستہ سے آمین کہتا ہے، جس کی مقتدیوں کو خبر نہیں ہوتی، لہٰذا بتایا گیا کہ امام کے وَلَاالضَّآلِّیْن کہنے پر تم بھی آمین کہا کرو، کیوں کہ اس وقت امام بھی آمین کہتا ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ ان النبی ﷺ قرأ غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین فقال اٰمین و خفض بھا صوتھا. (ترمذی شریف ج۱ ص۳۴)

علقمہ بن وائلؒ اپنے والد حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْن پس کہا آمین، اور آمین کی آواز کو پست کیا۔(۱)

مسند احمد، مستدرک حاکم، مسند ابوداؤد طیالسی، مسند ابویعلیٰ موصلی، معجم طبرانی، دارقطنی وغیرہ میں الفاظِ حدیث اس طرح ہیں:

وأخفیٰ بھا صوتہٗ — آمین کی آواز کو پوشیدہ کیا۔

(۱) اس حدیث کے تعلق سے امام شعبہؒ وسفیانؒ کے مابین محاکمہ وغیرہ کے لئے دیکھئے کشف المعضلات ص۱۷۲، التعلیق الحسن علیٰ آثار السنن ج۱ ص۹۲ و ص۹۶، معارف مدنیہ ج۵ ص۳۱۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اربع یخفیھن الامام التعوذ وبسم الله الرحمٰن الرحیم وآمین واللھم ربنا ولک الحمد.

چار چیزوں کو امام آہستہ کہے گا (۱) تعوّذ، (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، (۳) آمین (۴) اللھم ربّنا ولک الحمد.

(کنزل العمال ج ۴ ص ۲۴۹، کتاب الصلوٰۃ من قسم الافعال ادب الماموم ما یتعلق بہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی آہستہ ہی آمین کہتے تھے

عن ابی وائل قال کان علی وعبدالله لایجھر ان ببسم الله الرحمٰن الرحیم ولاالتعوذ ولاالتامین. (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۸)

ابووائلؒ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تعوذ اور آمین میں جہر نہیں کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن ابی وائل قال لم یکن عمرو علی یجھر ان ببسم الله الرحمٰن الرحیم ولا التعوذ ولا آمین.

ابووائلؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ، بسم اللہ الخ، تعوذ اور آمین کو جہراً نہیں کہتے تھے۔

(طحاوی ج ۱ ص ۹۹، رواہ ابن جریر الطبری فی تہذیب الآثار الجوہر النقی ج ۱ ص ۱۳۰)

مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:

اربع یخفضھن الامام بسم الله الرحمٰن الرحیم والاستعاذة وآمین واذا قال سمع الله لمن حمده قال

چار چیزیں ہیں جنھیں امام آہستہ کہے گا، (۱) بسم اللہ الخ (۲) تعوذ (۳) آمین (۴) اور جب سمع اللہ لمن حمدہ

ربنا لک الحمد. | کہے تو رَبنا لک الحمد کو۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۸۷)

مصنف عبدالرزاق کے اسی صفحہ پر حضرت ابراہیمؒ کی ایک اور روایت موجود ہے، اس میں بھی آمین کو آہستہ، کہنے کا ذکر ہے، اور مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ پانچویں چیز ثنا کا بھی تذکرہ ہے، جسے آہستہ پڑھنا ہے۔

## آمین بالجہر تعلیماً تھا، نہ کہ مستقل عمل

بعض روایات میں آمین بالجہر بھی آیا ہے، لیکن دیگر روایات کو ملانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آمین کو کبھی کبھی جہراً کہنا تعلیماً تھا، نہ کہ مستقل عمل (۱) چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ کی ہی ایک روایت جو جہر کی روایات میں سب سے قوی ہے اس میں اس کی صراحت ہے:

وقرأ غير المغضوب عليهم ولا الضآلين فقال امين يمد بها صوته ماأراه الا يعلمنا (اخرجه ابوبشر الدولابي في الاسماء والكنىٰ. (اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۸۶)

رسول اللہ ﷺ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْن پڑھا پس کہا آمین، آواز کو بڑھاتے ہوئے، میرا گمان یہ ہے کہ حضورؐ ہم کو تعلیم دے رہے تھے۔ (کہ وَلَا الضَّآلِّيْن کے بعد آمین بھی کہنا ہے)

علامہ ابن قیمؒ "قنوت" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاذاجهر به الامام احياناً ليعلم المامومين فلابأس بذالك فقد جهر عمر بالافتتاح ليعلم المامومين

پس جب امام اس (قنوت) کو کبھی جہر کے ساتھ پڑھے تا کہ مقتدی جان لیں تو کوئی حرج نہیں، چنانچہ مقتدیوں کی تعلیم کے

---

(۱) یعنی صحابۂ کرامؓ کو تعلیم دینے کے لئے تھا کہ وَلا الضّآلّین کے بعد آمین بھی کہنا ہے۔ لہٰذا کبھی تو حضورؐ نے قولاً اس بات کو بتایا کبھی سنا کر بتادیا۔

و جهر ابن عباس لقرأة الفاتحة فی صلوٰة الجنازة لیعلم انها سنة و من هذا ایضاً جهر الامام بالتامین.
(زادالمعادج ۱ص ۷۰)

لئے حضرت عمرؓ نے ثنا بلند آواز سے پڑھی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھی تاکہ معلوم ہوئے کہ یہ سنت ہے اور امام کا بلند آواز سے آمین کہنا اسی قبیل سے ہے۔

اس کا ایک قرینہ (۱) بھی ہے وہ یہ کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین روزانہ پانچ وقت کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے، اگر آمین بالجہر عام معمول ہوتا تو ایک کثیر تعداد اس کو بیان کرنے والی موجود ہوتی، مگر صورت یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی کسی روایت میں آمین بالجہر کا صریح تذکرہ نہیں، جن روایات سے ''جَہر'' پر استدلال کیا جاتا ہے، انھیں سے ''سِر'' پر استدلال کی بھی گنجائش موجود ہے، بخاری و مسلم کے علاوہ جن روایات میں صراحۃً آمین بالجہر کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ہے، جب کہ خود حضرت وائل بن حجرؓ کی ہی آمین بالسر کی روایت بھی ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے، جیسا کہ گذرا۔ (۲)

بقیہ دو چار روایتیں ضعف اور علت سے خالی نہیں۔

## آمین بالجہر کی روایات کا حال

**روایاتِ ابوہریرہؓ** :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جسے دارقطنی اور حاکم نے نقل کیا ہے ان الفاظ میں ہے۔

(۱) کبھی کبھار جہراً آمین کہنا نوواردوں کو تعلیم دینے کے لئے بھی تھا اور اس شبہ کو دور کرنے کے لئے بھی کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھنے لگے کہ امام کا آمین کہنا ہی بدعت ہے اس لئے بعض اوقات زور سے آمین کہہ کر صحابۂ کرامؓ کو سنا دیا، اور ایسا شبہہ ہونا کوئی بعید نہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ ایک روایت میں آمین کہنے کے قائل نہیں ہیں (اوجز المسالک ج ۱ص ۲۵۰) (۲) جب کہ سابقہ روایت کو کئی وجوہ سے اس روایت پر ترجیح بھی حاصل ہے تفصیل کے لئے اسی کتاب کے ص ۲۲۹ کے حاشیہ والی کتب ملاحظہ کریں۔

| | |
|---|---|
| كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من قرأة ام القرآن رفع صوته وقال آمين. | جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوئے تو اپنی آواز بلند کی اور کہا آمین۔ |

اس میں ایک راوی اسحٰقؒ بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی ہے، صحاح ستہ کے محدثین نے اس کی روایت کو نہیں لیا، امام نسائیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں لیس بثقة (یہ ثقہ نہیں) امام ابوداؤد کہتے ہیں لیس بشیٔ (یہ کوئی چیز نہیں) شہر حمص کے مشہور محدث محمد بن عوف طائیؒ نے اس کی تکذیب کی ہے، بعض حضرات نے توثیق بھی کی ہے مگر مجموعی اعتبار سے یہ حدیث غیر محفوظ ہے (تعلیق ج ۱ ص ۹۳ و بذل ج ۲ ص ۱۰۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کی ابن ماجہ والی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

| | |
|---|---|
| عن ابی هريرة قال ترک الناس التامين وكان رسول الله ﷺ اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضآلين قال آمين حتىٰ يسمع اهل الصف الاول فيرتج بها المسجد. | ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے جہراً آمین کہنا چھوڑ دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْن پڑھتے اور آمین کہتے تو پہلی صف کے لوگ سُن لیتے، پس اس سے مسجد گونجنے لگتی۔ |

اس حدیث کا ایک راوی بشر بن رافع ہے جس کے بارے میں امام بخاریؒ کہتے ہیں لايتابع فى حديثه (اس کی حدیث میں کوئی متابع نہیں ملتا) امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں ضعیفٌ (وہ ضعیف ہے) ابن معینؒ کہتے ہیں حدث بمناكير (منکر حدیثیں بیان کرتا ہے) امام نسائی کہتے ہیں ليس بالقوى (قوی نہیں ہے) ابن حبانؒ کہتے ہیں يروى اشياء موضوعة (موضوع روایتیں بیان کرتا ہے) ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں هو ضعيف عندهم، منكر الحديث (وہ محدثین کے نزدیک ضعیف اور منکر

الحدیث ہے) حافظ ابن حجرؒ کتاب الانصات میں فرماتے ہیں:

اتفقوا علیٰ انکار حدیثه وطرح ماروا ہ وترک الاحتجاج به لایختلف علماء الحدیث فی ذالک.

محدثین نے بالاتفاق اس کی روایت کردہ احادیث کا انکار کیا ہے اوراس کی روایات کوقابل استدلال نہیں سمجھا، محدثین کا اِس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔

تقریب میں ہے:

ضعیف الحدیث من السابعة .
(تعلیق ج۱ص۹۴ و بذل ج۲ص۱۰۲)

ضعیف الحدیث ہے، طبقہ سابعہ میں سے ہے۔

یہ تواس روایت کی سند کا ضعف تھا، اب متن کا اضطراب ملاحظہ کیجئے۔

ابن ماجہ کی اس روایت میں حتی یسمع اھل الصف الاول (یہاں تک کہ پہلی صف کے لوگ سن لیتے) کے بعد فیرتج بھا المسجد (پس اس سے مسجد گونجنے لگتی) کے الفاظ ہیں۔ جب کہ یہی روایت بشر بن رافع کے ہی طریق سے ابوداؤد میں آئی ہے، اس میں فیرتج بھا المسجد (پس اس سے مسجد گونجنے لگتی) کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور مسند ابی یعلیٰ میں بھی یہی روایت بشر بن رافع کے ہی طریق سے آئی ہے اس میں بھی فیرتج بھا المسجد کے الفاظ نہیں ہیں، اس کے علاوہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حتی یسمع اھل الصف الاول (یہاں تک کہ پہلی صف کے لوگ سن لیتے) اور ابوداؤد کی روایت میں حتی یسمع من یلیه من الصف الاول (یہاں تک کہ سن لیتے وہ لوگ جو صف اول میں آپ سے قریب ہوتے) گویا صفِ اول کے بھی سب لوگ نہیں سنتے تھے۔

پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ کہیں تو کہا جارہا ہے کہ حضورؐ کے آمین کی آواز

صفِ اول یاصفِ اول میں آپ کے قریب کے لوگ سن لیتے، اور کہیں کہا جارہا ہے کہ مسجد نبوی گونج اٹھتی تھی۔ (۱) اگر مسجد نبوی گونج اُٹھتی تھی تو پھر صف اول کے لوگ ہی کیوں سنیں گے جس صف میں جہاں بھی لوگ ہوں گے سب سنیں گے۔

**روایت ام الحصینؓ:-** ایک صحابیہ ام الحصینؓ کی روایت مسند ابن ابی راہو یہ اور طبرانی کی المعجم الکبیر میں اِن الفاظ میں آئی ہے:

انها صلت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قال ولاالضآلين قال اٰمين فسمعته وهى فى صف النساء.

ام الحصینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، جب حضورؐ نے وَلاالضّآلین کہاتو آمین کہا (ام الحصینؓ کہتی ہیں کہ) پس میں نے آمین کو سنا جب کہ میں عورتوں کی صف میں تھی۔

اس روایت کی سند میں اسمٰعیل بن مسلم مکی موجود ہے، جس کی تضعیف امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں متعدد مقامات پر کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی تقریب میں فرماتے ہیں الحديث ضعيف (یہ حدیث ضعیف ہے) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں هومنكر الحديث (وہ منکر الحدیث ہے) امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ هُو متروك (وہ متروک ہے) علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں لايكتب حديثه (اس کی حدیثیں لکھنے کے قابل نہیں ہوتیں) ابن معینؒ فرماتے ہیں هوليس بشئ (وہ کوئی چیز نہیں)

(کشف المعضلات ص ۱۷۳، بذل ج ۲ ص ۱۰۲)

**روایتِ علیؓ:-** مستدرک حاکم اور اِعلام الموقعین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی ایک روایت ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے:

سمعت رسولَ الله صلى الله عليه — میں نے سنا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) اس روایت میں صحابہٴ کرامؓ کا تذکرہ نہیں اس لئے رفع تعارض کے لئے صحابہٴ کرامؓ کا تذکرہ غلط ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے تاویل کی ہے، اور اس کے علاوہ اس روایت کے وجوہِ ضعف جو ہیں وہ تو ہیں ہی۔

| | |
|---|---|
| وسلم يقول آمين اذا قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضآلين. | نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْن پڑھا تو آمین کہا۔ |

اس حدیث کے راویوں میں اسحٰق بن ابراہیم الزبیدی موجود ہے اور اس کے بارے میں حدیثِ ابوہریرہؓ کے تحت تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ سلسلۂ سند میں اس کا نام ہونا روایت کے غیر محفوظ اور ضعیف ہونے کی دلیل ہے (نیز دیکھئے کشف المعضلات ص ۱۷۳) اور یوں بھی حضرت علیؓ کے سن لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضورؐ نے جہراً آمین کہی تھی، کیوں کہ کبھی سرّاً کہنے سے بھی پاس کا آدمی سُن لیتا ہے۔

**روایتِ عطاء بن رباحؒ:-** ابن حبّان وبیہقی میں عطاء بن رباحؒ کی روایت میں ہے،

| | |
|---|---|
| ادركت مأتين من أصحاب النبي ﷺ في هٰذا المسجد يعني المسجد الحرام اذا قال الامام ولا الضآلين رفعوا أصواتهم بآمين. | میں نے دوسو صحابۂ کرامؓ کو پایا کہ وہ اس مسجد حرام میں، جب امام وَلَاالضَّآلِّيْن کہتا تو سب آمین میں اپنی آواز بلند کرتے۔ |

مگر اس روایت کا ضعیف ہونا یہیں سے واضح ہے کہ حضرت عطاء بن رباحؒ ایک تابعی ہیں اور ان کا دوسو صحابہ کو پانا ثابت نہیں، کیوں کہ حضرت حسن بصریؒ ان سے بڑے تھے پھر بھی انھوں نے ایک سو بیس صحابہؓ کو پایا (تہذیب) پھر عطاء بن رباحؒ کا ان سے کم عمر ہوتے ہوئے دوسو صحابہ کو پانا کیسے ممکن ہے۔ (معارف مدنیہ ج۵ ص۳۴)

**روایت ابن عباسؓ :-** ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| ماحسد تكم اليهود علىٰ شيء ما حسد تكم علىٰ آمين فاكثروا من | تمہارے بارے میں یہود جتنا آمین پر حسد کرتے ہیں اتنا کسی چیز پر حسد نہیں |

قول امین. (ص۶۲) کرتے، پس آمین کالفظ زیادہ کہا کرو۔

ابن ماجہ کے اسی صفحہ پر حضرت عائشہؓ کی بھی ایک روایت اسی مضمون کی وارد ہوئی ہے۔ مگر اس حدیث سے آمین بالجہر کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیوں کہ اس میں آمین، بالجہر کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ جیسا کہ ترجمہ سے صاف ظاہر ہے۔ یہود یقیناً ''آمین'' کے لفظ پر حسد کرتے تھے اور اس کی وجہ ابن ماجہ کے ہی حاشیہ پر یہ لکھی ہوئی ہے کہ آمین انھیں بھی پسند تھا مگر اس خیال سے نہیں کہتے تھے کہ اس میں مسلمانوں کی اقتداء لازم آجائے گی جو ان کے لئے صدمہ کی بات تھی (ابن ماجہ ص۶۲ حاشیہ نمبر۴) مگر اس سے یہ کہاں لازم آگیا کہ ''یہود کی دشمنی بلند آواز سے آمین کہنے سے تھی، اور پست آواز سے آمین کہنے سے نہ تھی، اس لئے بلند آواز سے آمین زیادہ کہا کرو۔''

بعض حضرات اس حدیث میں ''حسد'' کا ترجمہ ''چڑھ'' کرتے ہیں کہ یہود آمین سے چڑھتے تھے، حالانکہ ''حسد'' اور ''چڑھ'' دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔ لہٰذا ''حسد'' کا ترجمہ ''چڑھ'' کرنا غلط ہے۔

**روایتِ ابن زبیرؓ :-** بخاری میں تعلیقاً مروی ہے:

اَمّن ابن الزبیر و من وراء ہ حتی ان للمسجد لجّة. عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے مقتدیوں نے اتنے زور سے آمین کہی کہ مسجد گونجنے لگی۔

اوّلاً تو تعلیقاتِ بخاری میں صحت کا التزام نہیں ہے، لہٰذا یہ روایت یہاں حجت نہیں بن سکتی۔ دوم اس روایت میں اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ آمین کہنے کا واقعہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کا ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اہلِ شام سے اپنی جنگ کے زمانہ میں قنوتِ نازلہ پڑھا کرتے تھے، ممکن ہے یہ آمین کا واقعہ اسی زمانہ کا ہو یا خطبہ کے دوران کا ہو (معارف مدنیہ ج۵ ص۳۴) نیز اس میں تعلیماً ہونے کا بھی احتمال ہے۔

(اختلافِ امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص۱۰۱)

**روایتِ بلالؓ** :- ابوداؤد میں ہے:

| | |
|---|---|
| عن بلال انه قال یارسول الله لاتسبقنی بآمین. (ج ۱ص ۱۵۱) | حضرت بلالؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ مجھ سے آمین میں سبقت نہ کریں۔ |

حاکمؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی عثمان مہدی کی حضرت بلالؓ سے ملاقات ثابت نہیں، ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوعاً نقل کرنا غلطی ہے، کچھ لوگوں نے عثمان اور حضرت بلالؓ کے درمیان سلمان کا واسطہ بیان کیا ہے مگر اس سند سے بھی امام بیہقی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ھو ضعیف لیس بشئ (بذل ج ۲ص ۱۰۵)



# رَفعِ یدین

## صرف تکبیر تحریمہ میں رفعِ یدین

رفعِ یدین کا معنیٰ ہے ''دونوں ہاتھوں کا اٹھانا'' ——— نماز کی ابتداء میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا یعنی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ لیکن اس کے بعد رکوع میں جاتے، رکوع سے اٹھتے اور تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو عرفِ عام میں رفعِ یدین سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہی وہ رفعِ یدین ہے جو منسوخ ہے، جیسا کہ اِن احادیثِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رفع یدین کو ترک کردیا تھا اور صرف نیت باندھتے وقت ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

## حدیث عبداللہ بن مسعودؓ

(۱) عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعود الااصلی بکم صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلّی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة.

(ترمذی ج۱ص ۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص ۲۳۶)

علقمہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پس نماز پڑھی، تو اس میں صرف پہلی مرتبہ ہی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔

امام ترمذیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

حدیث ابن مسعود حدیث حسن. عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث، حدیثِ حسن ہے۔ (حوالۂ مذکورہ)

اس کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں:

وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین. (حوالۂ مذکورہ) اہل علم صحابہؓ وتابعین میں سے بہت سے حضرات اسی کے قائل ہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے المحلّیٰ ج۴ص۸۸ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اس کے علاوہ امام احمد بن حنبلؒ، دار قطنیؒ، ابن قطانؒ، ابن دقیق العید مالکی، علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ اور امام نسائی کے نزدیک بھی اس حدیث کی صحت مسلم ہے، (کشف المعضلات ص۱۷۹)

(۲) ابوداؤد شریف میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

فلم یرفع یدیہ الامرۃ. (ابوداؤد ج۱ص۱۲۵) پس نہیں اٹھایا اپنے دونوں ہاتھوں کو مگر ایک مرتبہ۔

(۳) امام نسائیؒ نے ایک عنوان قائم کیا ترک ذالك (رفع یدین کا ترک) اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت یوں نقل کی:

عن علقمۃ عن عبداللہ قال الا اخبرکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد. (نسائی شریف ج۱/۱۵۸) علقمہؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں خبر نہ دوں؟ علقمہؒ کہتے ہیں کہ پھر عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے ہوئے اور نماز میں صرف پہلی مرتبہ ہی رفع یدین کیا، دوبارہ نہیں کیا۔

صفحہ ۱۶۱ پر سفیانؒ کی سند سے ہے:

فلم یرفع یدیہ الامرۃ واحدۃ. نہیں رفع یدین کیا مگر ایک ہی مرتبہ

(۴) شرح معانی الآثار میں ہے:

عن علقمة عن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود.
(ج۱ص۱۱۰)

علقمہؒ سے مروی ہے، وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اولیٰ میں ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(۵) ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود ان عبدالله بن مسعود رضی الله عنه کان یرفع یدیه فی اول التکبیر ثم لایعود الیٰ شیٔ من ذالک ویأثر ذالک عن رسول الله صلی الله علیه وسلم.
(مسند امام اعظم ج۱ص۳۵۵)

امام ابوحنیفہؒ، حمادؒ سے وہ ابراہیم نخعیؒ سے وہ اسودؒ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پہلی تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر اس کے بعد کسی وقت نہیں اٹھاتے تھے اور وہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے تھے۔

(۶) عن محمد بن جابر عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله رضی الله عنه قال صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیهم الاعند استفتاح الصلوٰة.
(دارقطنی ص۱۱۱، بیہقی ج۲ص۷۹، مجمع الزوائد ج۲ص۱۰۱)

محمد بن جابرؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ سے وہ ابراہیمؒ سے وہ علقمہ سے، وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی یہ سب حضرات صرف نماز کے شروع میں ہی اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

محمد بن جابر یمامیؒ کی یہ روایت ان کے نابینا ہونے سے پہلے کی ہے، لہٰذا ہر قسم کے اختلاط سے محفوظ ہے، دارقطنی میں ہے کہ اسحٰق بن ابی اسرائیل اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وبه ناخذ في الصلوٰة كلها (دارقطنی ص ۱۱۱)

پوری نماز میں ہمارا عمل اسی حدیث پر ہے۔

## حدیث براء بن عازبؓ

ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۵، طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰، مصنفت ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۷۰، ودارقطنی وغیرہ میں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ:

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا كبر لافتتاح الصلوٰة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبا من شحمتي اذنيه ثم لايعود (۱) وفي رواية مرة واحدة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لئے اللہ اکبر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، یہاں تک کہ آپ کے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو سے قریب ہوجاتے پھر اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ صرف ایک مرتبہ اٹھاتے تھے۔

براء بن عازبؓ سے دوسری روایت میں ہے:

قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين افتتح الصلوٰة ثم لم يرفعهما حتى

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جب نماز شروع کی، پھر نماز ختم ہونے تک

---

(۱) ثم لايعود کے الفاظ یزید بن زیادؒ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ سے نقل کرنے میں تنہا نہیں بلکہ عیسیٰ بن عبدالرحمٰنؒ نے بھی ابن ابی لیلیٰؒ سے اسی طرح نقل کیا ہے، یعنی یزید کے متابع موجود ہیں، منفرد نہیں، اسی طرح شریک کے بھی متابع موجود ہیں جیسا کہ ابن عدی نے الکامل میں نقل کیا ہے کہ رواه هشيم وشريك وجماعة معهما عن يزيد باسناده وقالوا فيه لم يعد، معلوم ہوا کہ شریک بھی منفرد نہیں، لہٰذا خطابیؒ وغیرہ کا یہ کہنا کہ ثم لايعود کے الفاظ شریک کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کئے، غلط ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۳)

دوم یہ کہ دارقطنی کی روایت میں "فی اول تکبیرۃ" کے الفاظ ہیں، اور ظاہر ہے کہ "ثم لایعود" اور فی اول تکبیرۃ" دونوں کا مفہوم یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تکبیر تحریمہ میں ہی رفع یدین کرتے تھے۔

انصرف . (ابوداؤد ج۱ ص۱۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۲۳۶) دوبارہ نہیں اُٹھایا۔

دار قطنی ص۱۱۰ پر ہے کہ یرفع فی اول تکبیر (صرف پہلی تکبیر میں رفعِ یدین کرتے تھے)

## حدیث عبداللہ بن عمرؓ

۱- سالمؒ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:

قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما وقال بعضهم حذو منکبیه واذا أراد ان یرکع وبعدما یرفع رأسه من الرکوع لایرفعهما وقال بعضهم ولایرفع بین السجدتین والمعنیٰ واحد. (صحیح ابوعوانہ ج۲ ص۹۰)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپؐ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ انھیں اپنے کندھوں کے بالمقابل کردیا، اورجب ارادہ کرتے کہ رکوع کریں اور رکوع سے سر اٹھائیں تو ان دونوں کو نہیں اٹھاتے۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی نہیں اٹھاتے تھے۔

۲- امام ابوعوانہؒ نے سفیان بن عیینہؒ تک اس حدیث کی کل چار سندیں ذکر کی ہیں، جن میں سے چوتھی سند امام بخاریؒ کے استاذ امام حمیدیؒ (عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ القرشی الحمیدی المکی المتوفیٰ ۲۱۹ھ) کی ہے، چنانچہ خود مسند حمیدی میں بھی یہ حدیث اسی سند سے انہی الفاظ میں موجود ہے۔ (دیکھئے مسند حمیدی ج۲ ص۲۷۷ حدیث نمبر۶۱۴)

۳- مدونہ کبریٰ ج۱ ص۶۹ میں ہے:

ابن وهب وابو القاسم عن مالک عن ابن شهاب عن سالم عن ابیه ان

ابن وہبؒ اور ابن قاسمؒ امام مالکؒ سے وہ ابن شہاب زہریؒ سے وہ سالمؒ سے، وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ.

اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھاتے جب نماز شروع کرتے۔

اِس روایت میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد یا تشہد کے بعد رفع یدین کا ذکر نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی بنیاد پر تکبیر تحریمہ کے علاوہ بقیہ حالتوں میں رفع یدین کو ترک کرنا ہی پسند کیا تھا۔ جیسا کہ آئندہ المدوّنہ کے ہی حوالہ سے امام مالکؒ کا مسلک آ جائے گا۔

۴- امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین میں اور بیہقیؒ، حاکمؒ، طبرانیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں سے روایت کیا ہے، بعض نے مرفوعاً بعض نے موقوفاً کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاترفع الأیدی الافی سبعة مواطن فی اِفتتاح الصلوٰۃ واستقبال القبلة وعلیٰ الصفا والمروۃ وبعرفات ویجمع فی المقامین وعند الجمرتین. (بذل ج۲ص۶۰، نصب الرایہ ج۱ص۳۹۰ وغیرہ)

نہ ہاتھ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں نماز کے شروع میں، استقبال بیت اللہ کے وقت، صفا اور مروہ پر، عرفات میں مزدلفہ میں، رمیٔ جمار کے وقت۔

## حدیثِ عبداللہ بن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت ہی ہاتھوں کے اٹھانے کی روایات منقول ہیں، چنانچہ دیکھئے طبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۲۳۷، مجمع الزوائد ج۳ص۲۳۸، نیل الفرقدین ص۱۱۸، نصب الرایہ ج۱ص۲۹۰ وغیرہ۔

## مرسل عباد بن الزبیرؒ

نصب الرایہ اور بذل المجہود میں اختلافیاتِ بیہقی کے حوالہ سے منقول ہے:

عن عباد بن الزبير ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه في اول الصلوٰة ثم لا يرفعهما في شئ حتى يفرغ. (نصب الرایہ ج۱ ص۴۰۴، بذل ج۲ ص۶)

عباد بن زبیرؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اول نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، پھر کسی چیز میں فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے۔

یہ روایت مرسل ہے، صحیح سند سے مروی ہے، دیگر بہت سی روایات سے اس کے مفہوم و مضمون کی تائید بھی ہوتی ہے، اور اس قسم کی مرسل حدیث امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر بہت سے محدثین کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے۔

(دیکھئے نووی مقدمہ شرح مسلم ج۱ ص۱۷)

## حدیث حضرت ابوہریرہؓ

عن ابى هريرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل في الصلوٰة رفع يديه مداً.

(ابوداؤد ج۱ ص۱۲۶، ترمذی ج۱ ص۳۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے بڑھاتے ہوئے۔

امام ابوداؤدؒ نے ابوداؤد شریف میں اِس حدیث کا یوں عنوان قائم کیا ہے:

باب من لم يذكر الرفع عند الركوع. (ج۱ ص۱۲۶)

باب اُس کا کہ جس نے رکوع کے وقت رفعِ یدین کا ذکر نہیں کیا۔

اور اس کی سند میں کوئی کلام بھی نہیں کیا، گویا امام ابوداؤدؒ کے نزدیک یہ حدیث سنداً صحیح اور متناً صریح ہے۔

# آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

## حضراتِ ابوبکرؓ وعمرؓ

۱- محمد بن جابر یمامیؒ کی روایت، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث کے تحت گزر چکا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، اور حضرت عمر فاروقؓ کے پیچھے نماز پڑھی، ان میں سے ہر ایک صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، (دیکھئے اسی کتاب کا ص ۲۴۱)

۲- عن الأسود قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لايعود. (طحاوی ج ۱ ص ۱۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷)

اسودؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے اول تکبیر میں ہی دونوں ہاتھ اٹھائے، پھر نہیں اٹھائے۔

## حضرت علیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق مؤطا امام محمد ص ۹۴، طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶ میں یہ روایت موجود ہے۔

عن عاصم بن كليب عن ابيه وكان من اصحاب علي ان علي بن ابي طالب كرّم الله وجهه كان يرفع

عاصم بن کلیب اپنے والد کلیبؒ سے روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرت

| | |
|---|---|
| یدیه فی التکبیرة الاولیٰ التی یفتتح به الصلوٰۃ ثم لایرفعهما فی شیٔ من الصلوٰۃ. | علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب صرف تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر نماز کی کسی چیز میں نہ اٹھاتے۔ |

## عشرۂ مبشرہؓ

عشرۂ مبشرہؓ وہ دس جلیل القدر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہلاتے ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری سنادی تھی۔ وہ دس صحابہ یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ، (۲) حضرت عمر فاروقؓ، (۳) حضرت عثمان غنیؓ، (۴) حضرت علی مرتضیٰؓ، (۵) حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ، (۶) حضرت زبیر بن العوام، (۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، (۸) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، (۹) حضرت سعید بن زیدؓ، (۱۰) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ۔ (ترمذی ج۲ص۲۱۶)

ان سب کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| العشرة الذین شهدلهم رسول الله صلی الله علیه وسلم بالجنة ماکانوا یرفعون أیدیهم الافی افتتاح الصلوٰۃ. (عمدۃ القاری ج۵ص۲۷۲، اوجزالمسالک ص۲۰۸ نقلاعن البدائع ج۱ص۲۰۷) | وہ دس صحابہؓ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنتی ہونے کی گواہی دیدی تھی، وہ لوگ صرف شروع نماز میں ہی اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ (۱) |

## عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی صرف نیت باندھتے وقت ہی ہاتھوں

(۱) اگر ان میں سے کسی کے متعلق رفع یدین منقول ہے تو وہ ضعیف روایت ہے۔ (دیکھئے آثارالسنن ج۱ص۱۰۷ وغیرہ)

کو اٹھاتے تھے، اس کے بعد نہیں۔

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا في التكبيرة الاولىٰ من الصلوٰة.

(طحاوی ج۱ ص ۱۱۰، مصنف ابن ابی شیبہؒ ج۱ ص ۲۳۷، بیہقی فی المعرفۃ)

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، پس انھوں نے نہیں اٹھایا اپنے ہاتھوں کو مگر نماز کی پہلی تکبیر میں۔

امام ابن شیبہؒ نے یہ روایت ابوبکر بن عیاشؒ سے، انھوں نے حصینؒ سے، انھوں نے مجاہدؒ سے نقل کی ہے، یہ سلسلۂ سند بخاری و مسلم دونوں کی شرط کے مطابق ہے جس کی صحت میں کلام نہیں، خود بخاری شریف کتاب التفسیر ج ۲ ص ۷۲۵ میں ابوبکر بن عیاش عن حصین کی سند موجود ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق مجاہدؒ کے اس بیان کی تائید عبدالعزیز بن حکیم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو موطا امام محمد ص ۹۲ پر موجود ہے۔

مجاہدؒ، عبداللہ بن عمرؓ کے اصحابِ کبار میں سے تھے، ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ان کا یہ بیان بہت اہمیت رکھتا ہے —— جہاں تک بعض حضرات کی یہ تاویل ہے کہ ابن عمرؓ نے سہواً بقیہ مقامات کے رفعِ یدین کو ترک کر دیا تھا، تو یہ بالکل لایعنی بات ہے۔ کیوں کہ مجاہدؒ جیسا حاضر باش مستقلاً، صرف تکبیر اولیٰ میں ہی ہاتھوں کے اٹھانے کا تذکرہ کرتا ہے اور نماز ظاہر ہے کہ کبھی کبھار نہیں بلکہ روزانہ پڑھی جاتی ہے اور وہ بھی دن میں پانچ مرتبہ اور صرف فرائض کو ہی لے لیا جائے تو بھی سترہ رکعتیں ہو گئیں، ان میں ہر رکعت میں کئی کئی بار رفعِ یدین آنا چاہئے تھا۔ مگر مجاہد صاف طور سے کہہ رہے ہیں کہ

صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الافي التكبيرة الاولىٰ

میں نے عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی پس انھوں نے نہیں اٹھایا اپنے ہاتھوں کو مگر

من الصلوٰة. نماز کی پہلی تکبیر میں۔

اور ظاہر ہے کہ ہر رکعت میں سہواً رفع یدین کو ترک کرتے چلے جانا بالکل مہمل سی بات ہے۔ کوئی بھی اس تاویل کو تسلیم نہیں کرے گا۔(۱)

## عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔

۱- عن ابراهيم عن عبدالله رضى الله عنه انه كان يرفع يديه فى اول مايستفتح ثم لا يرفعهما .

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، صرف شروع تکبیر میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶، طحاوی ج ۱ ص ۱۱۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ ترکِ رفعِ یدین کا عمل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور ان کے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد نے بیان کیا ہے کیوں کہ یہ روایت ابراہیم نخعیؒ کی ہے اور ابراہیم نخعیؒ، عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بغیر درمیانی حوالہ کے اسی وقت نقل کرتے تھے جب کہ انھوں نے وہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی ایک پوری جماعت سے سنی ہو۔

(دیکھئے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۱، امام ترمذی کی کتاب العلل ج ۲ ص ۲۳۹، طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۰ امام اعمشؒ کی ابراہیم نخعیؒ سے گفتگو)

نیچے کی روایت بھی اسی قبیل کی ہے:

۲- عن ابراهيم قال كان عبدالله

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن

---

(۱) طاؤسؒ کی روایت میں عبداللہ بن عمرؓ کا رفع یدین کرنا بھی ثابت ہوتا ہے مگر یہ پہلے کی روایت ہے، بعد میں جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے رفع یدین کا منسوخ ہونا متحقق ہو گیا تو ترک کر دیا۔ جیسا کہ مجاہد کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ رفع یدین کب اور کیسے منسوخ ہوتا گیا اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

بن مسعود لایرفع یدیه فی شیٔ من الصلوٰۃ اِلا فی الافتتاح.

(الطحاوی ج ۱ص ۱۱۱)

مسعودؓ نماز میں کسی وقت بھی ہاتھ نہ اٹھاتے، سوائے تکبیر افتتاح کے۔

۳- مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۳۶ میں ہے:

حدثنا وکیع وابواسامة عن شعبة عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبداللہ واصحاب علی لایرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ قال وکیع ثم لایعودون.

ہم سے وکیع اور ابواسامہ نے حدیث بیان کی، ان دونوں سے شعبہؒ نے، اُن سے ابواسحاق نے، ابواسحاقؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے اصحاب صرف نماز کے شروع میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، وکیعؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے،

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شاگردوں کا اجماعی عمل ترکِ رفع یدین پر تھا۔

۴-عن المغیرہ قلت لابراھیم حدیث وائل انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع فقال ان کان وائل رأہ مرۃ یفعل ذالک فقد رأہ عبداللہ خمسین مرۃ لم یفعل ذالک.

(طحاوی ج ۱ص ۱۱۰)

مغیرہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعیؒ کے سامنے حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث بیان کی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے، جب نماز شروع کی، پھر جب رکوع کیا، پھر جب رکوع سے سر اٹھایا، یہ حدیث سن کر ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا اگر حضرت وائل بن حجرؓ نے حضور کو ایک مرتبہ ایسا کرتے

دیکھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے
پچاس مرتبہ دیکھا کہ حضورؐ نے ایسا نہیں کیا

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو قربت رہی اور خادمِ خصوصی کی حیثیت سے ہردم ساتھ رہا، سابقینِ اولین اور مقربین میں شمار رہا، علم وورع میں جو بلند پایہ مقام تھا، وہ حضرت وائل بن حجرؓ کو حاصل نہیں۔ (دیکھئے امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳)

بہرحال اسی قسم کی ایک روایت وہ بھی ہے جو مؤطا امام محمد ص ۹۲، کتاب الآثار لامام ابی یوسف ص ۲۱، طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰ پر یوں منقول ہے:

عروہ بن مرہؒ کہتے ہیں کہ میں حضرموت کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ علقمہ بن وائلؒ اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کررہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے قبل اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے، میں ابراہیم نخعیؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے غضبناک ہوکر فرمایا راٰہ **هو ولم يره ابن مسعود ولا أصحابه** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف حضرت وائل بن حجرؓ نے ہی دیکھا تھا؟ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے رفقاء نے نہیں دیکھا تھا؟)

## حضرت ابوہریرہؓ

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

| | |
|---|---|
| **اخبرنی نعيم المجمرو ابو جعفر القارئ أن اباهريره كان يصلي بهم فكبّر كلما خفض ورفع وكان** | خبر دی مجھ کو نعیم المجمر اور ابو جعفر القاریؒ نے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ انھیں نماز پڑھاتے تھے تو ہر اٹھتے اور بیٹھتے وقت اللہ |

یــرفـع یـدیــه حیـن یـکبـر ویفتتح الصلوٰۃ. اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔

(موطا امام محمد ص ۹۰، کتاب الحجہ ج ا ص ۹۵)

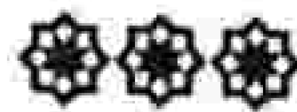
## حضرت ابوسعید خدریؓ

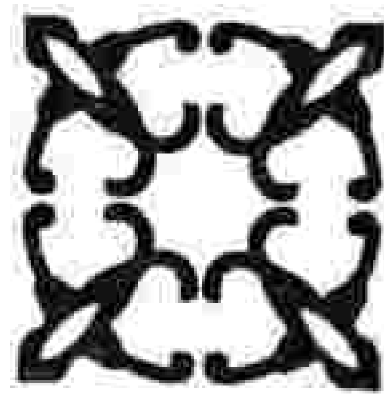
بیہقیؒ نے عطیہ عوفیؒ سے روایت کیا ہے کہ

ان أبـاسـعـيـد الـخـدری و ابن عمر کـانا یرفعان أیدیهما اول مایکبران ثم لایعودون. (اوجزالمسالک ج ا ص ۲۰۶)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیث و آثار ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نماز کا پورا طریقہ بتایا اور اس طرح بتایا گویا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا، مگر تکبیر تحریمہ والے رفع یدین کو چھوڑ کر متنازع فیہ رفعِ یدین کا کہیں تذکرہ نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۱۲۳ تا ص ۱۲۵)





# آثارِ تابعینؒ وائمہٗ ہدیٰؒ

## اصحابِ علیؓ وابن مسعودؓ

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶ کے حوالہ سے روایت گزر چکی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب وشاگرد صرف تکبیر افتتاح کے وقت ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

## قیس بن ابی حازمؒ

مشہور تابعی قیس بن ابی حازمؒ البجلی الکوفی جنھیں عشرہ مبشرہ سے روایت کا شرف حاصل ہے (تقریب) وہ بھی ترکِ رفع یدین پر عامل تھے اور صرف تکبیر افتتاح میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

حدثنا یحیٰ بن سعید عن اسماعیل قال کان قیس یرفع یدیه اول ما یدخل فی الصلوٰۃ ثم لا یرفعهما.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶)

حدیث بیان کی ہم سے یحیٰ بن سعیدؒ نے، اُن سے اسماعیلؒ نے کہ قیسؒ صرف نماز میں داخل ہوتے وقت ہی اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

## ابراہیم نخعیؒ

حضرت ابراہیم نخعیؒ کا عمل بھی یہی تھا، ان کا شمار کبارِ تابعین میں ہے، صحابہٗ کرامؓ

کے زمانہ میں ہی منصبِ افتاء پر فائز تھے۔

| | |
|---|---|
| ۱ – عن خیثمة وابراهیم کانا لایرفعان ایدیهما الا فی بدء الصلوٰة . (حوالۂ مذکورہ) | خیثمہؒ اور ابراہیمؒ صرف نماز کے شروع میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ |
| ۲ – عن ابراهیم قال ترفع یدیک فی شیء من الصلوٰة الا فی الافتتاحیة الاولیٰ. (حوالۂ مذکورہ) | ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ سوائے تکبیر اولیٰ کے، نماز کی کسی حالت میں اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھاؤ۔ |
| ۳ – عن ابراهیم انه کان یقول اذاکبرت فی فاتحة الصلوٰة فارفع یدیک ثم لاترفعهما فی ما بقی. (حوالۂ مذکورہ) | ابراہیمؒ کہتے تھے کہ جب تم نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہو تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاؤ۔ پھر باقی نماز میں نہ اٹھاؤ۔ |

## اسودؒ و علقمہؒ

حضرت اسودؒ اور حضرت علقمہؒ، یہ دونوں بھی کبار تابعین میں سے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جلیل القدر شاگرد حضرت اسودؒ، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی دوسال رہے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی خصوصی تلمذ حاصل تھا، یہ دونوں حضرات بھی رفعِ یدین نہیں کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| عن الاسود وعلقمة انهما کانا یرفعان ایدیهما اذا افتتحا ثم لایعودان. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۲۳۷) | اسودؒ و علقمہؒ نماز کے شروع میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے۔ |

## امام شعبیؒ

امام شعبیؒ کے متعلق عبداللہ بن مبارکؒ، اشعثؒ سے یوں نقل کرتے ہیں۔

عن الشعبی انه کان یرفع یدیه فی اول التکبیر ثم لا یرفعهما.

امام شعبیؒ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(کتاب مذکور ج ۱ ص ۲۳۶)

## عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ

معاویہ بن ہشیم، سفیان بن مسلم جہنیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ

کان ابن ابی لیلیٰ یرفع یدیه اول شیٔ اذا کبّر. (کتاب مذکور ص ۲۳۷)

ابن ابی یعلیٰؒ اول نماز میں ہاتھوں کو اٹھاتے جب اللہ اکبر کہتے۔

## امام مالکؒ

امام دارالہجرۃ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، مدینہ منورہ میں بیٹھ کر ارشاد فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے سوا کسی اور رفعِ یدین کو میں نہیں جانتا، حالانکہ وہ مسجد نبوی میں درس دیا کرتے تھے، اہل مدینہ کے علوم کے وارث تھے، وہ مدینہ جو مہبطِ وحیِ الٰہی، انصار ومہاجرین کا مسکن، اور ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ، تین خلفائے راشدین کا دارالخلافۃ تھا، رفعِ یدین والی روایتیں ان کے سامنے بھی تھیں مگر ان کے نزدیک وہ منسوخ تھیں یا ضعیف، اس لئے اصح وناسخ روایتوں کے مقابلے میں فرماتے ہیں:

قال مالک لا اعرف رفع الیدین فی شیٔ من تکبیر الصلوٰۃ لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوٰۃ

میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کسی چیز میں نہیں جانتا، نہ جھکنے میں، نہ اٹھنے میں، (امام مالکؒ کے شاگرد) عبدالرحمٰن بن

قال ابن القاسم و كان رفع اليدين عند مالك ضعيفاً.

(مدوّنہ کبریٰ ج ا ص ۶۸)

القاسمؒ کہتے ہیں کہ رفع یدین امام مالکؒ کے نزدیک ضعیف مسلک تھا۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ، امام مالکؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فمنهم من اقتصر به على الاحرام فقط ترجيحاً لحديث عبدالله بن مسعود وحديث البراء بن عاذب وهو مذهب مالك لموافقة العمل به. (بدایۃ المجتہد ج ا ص ۱۱۴)

اُن میں سے وہ حضرات ہیں جنھوں نے رفع یدین، صرف تکبیر تحریمہ تک ہی منحصر رکھا ہے، عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ کی روایتوں کو ترجیح دیتے ہوئے۔ یہی امام مالکؒ کا بھی مذہب ہے، اہلِ مدینہ کے ساتھ عمل کی موافقت کی وجہ سے۔

امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں:

وهو أشهر الروايات عن مالك (نووی علی المسلم ج ا س ۱۶۸)

عدمِ رفع یدین امام مالکؒ کی سب سے مشہور روایت ہے۔

## امام ترمذیؒ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترکِ رفع یدین والی حدیث کے متعلق امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں:

قال ابو عيسىٰ حديث ابن مسعود حديث حسن وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين وهو قول سفيان واهل الكوفة.

عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث، حدیثِ حسن ہے۔ اوراسی کے قائل ہیں بہت سے اہلِ علم صحابۂ کرامؓ اور تابعین۔ اور یہی سفیان ثوریؒ اور اہلِ کوفہ کا قول ہے۔

(ترمذی شریف ج اص ۳۵)

کوفہ جو خلافتِ فاروقی میں فوجی چھاؤنی رہا جس میں ڈیڑھ ہزار اور بقول بعض چار ہزار صحابۂ کرامؓ فروکش تھے، اُن میں تین سو اصحابِ بیعت رضوان اور ستّر بدری صحابہؓ شامل تھے، کوفہ کے معلّم، عہدِ عثمانی کے آخر تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رہے، خلیفۂ چہارم حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے زمانے میں اِس شہر کو دارالخلافت ہونے کا شرف ملا۔ اسی کوفہ کے تمام فقہاء و محدثین وعوام، قدیماً وحدیثاً مستقل طور پر ترکِ رفعِ یدین پر عامل رہے۔

چنانچہ امام عراقیؒ نے شرح تقریب میں امام محمد بن نصر المروزیؒ سے نقل کیا ہے کہ

لانعلم مصراً من الامصار ترکوا باجماعھم رفع الیدین عند الخفض والرفع فی الصلوٰۃ الا اھل الکوفۃ فکلھم لایرفع الافی الاحرام.

(اتحاف شرح احیاء العلوم ج ۳ ص ۵۴)

ہم کسی شہر کو نہیں جانتے کہ وہاں کے باشندوں نے رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفعِ یدین کو بالاجماع ترک کردیا ہو، سوائے اہل کوفہ کے کہ وہ سب کے سب صرف تکبیر تحریمہ میں ہی رفع یدین کرتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ اہلِ کوفہ کا اجماعی طور پر رفعِ یدین کو ترک کردینا اُن صحابہ کرامؓ کی شمولیت کو بھی بتاتا ہے۔ جو عہدِ فاوقی سے لے کر عہدِ مرتضوی تک وہاں فروکش رہے، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ لوگ بس کوفہ کے ہی ہو کر رہ گئے ہوں، بلکہ اُن کا مدینہ منورہ برابر آنا جانا بھی رہتا تھا تاکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر اجلّۂ صحابہؓ سے استفادہ کریں اور کوفہ کے تابعین نے مستقلاً استفادہ کیا۔

اہلِ کوفہ کا مستقل ترکِ رفعِ یدین کا عمل، امام مالک کا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر تکبیر

تحریمہ کے علاوہ، رفعِ یدین سے انکار، اور اُن کے شاگرد عبدالرحمٰن بن قاسمؒ کا یہ نقل کرنا کہ رفعِ یدین امام مالک کے نزدیک ضعیف تھا، یہ سب اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ تکبیر افتتاح کے علاوہ رفعِ یدین منسوخ ہے ورنہ ترکِ رفعِ یدین پر اتنے اہم ومقدس بلادِ اسلامیہ کا اجماع نہ ہو جاتا اور یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ ترکِ رفع یدین کے مسلک کو بیان کرتے ہوئے **غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین** کہنے پر مجبور ہوئے۔

اور یہی وجہ ہے کہ سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے شیخ اور راوئ بخاری ابوبکر بن عیاشؒ، جن کے متعلق عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں:

**مارأیت أحدا أسرع الی السنة من ابی بکر بن عیاش**

میں نے ابوبکر بن عیاشؒ سے زیادہ سنت کی طرف سبقت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

یہی ابوبکر بن عیاشؒ فرماتے ہیں:

**مارأیت فقیها قط یفعله ویرفع یدیه فی غیر التکبیرة الاولیٰ.**

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۱۲)

میں نے کسی فقیہ کو کبھی ایسا کرتے نہیں دیکھا کہ وہ تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین کرتا ہو۔



# رفعِ یدین منسوخ ہے

گزشتہ اوراق میں احادیثِ کریمہ وآثار کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے کہ رفعِ یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی کرنا ہے، اس کے بعد پوری نماز میں کسی جگہ نہیں اوراس ایک رفع یدین کے علاوہ جو متنازع فیہ رفع یدین ہے وہ منسوخ ہے، ہم یہاں اسی نسخ کے متعلق تفصیلی گفتگو کریں گے۔

## احادیثِ صحیحہ میں رفع یدین کے مقامات

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ متنازع فیہ رفعِ یدین یہ ہے (۱) رکوع میں جاتے وقت (۲) رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے (۳) تشہد سے اٹھتے ہوئے، لیکن کیا تکبیر اِفتتاح کے علاوہ احادیثِ صحیحہ میں صرف انھیں تین مقامات میں رفعِ یدین کا تذکرہ ہے؟ بقیہ مقامات کے لئے نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو قائلینِ رفعِ یدین اُن مقامات کے رفع یدین کو کیوں ترک کرتے ہیں؟ وہاں پر بھی تو رفعِ یدین کرنا چاہئے، اور اگر وہ لوگ اِن مقامات کے رفع یدین کو منسوخ قرار دے کر چھوڑتے ہیں تو ہم بھی اُن تین مقامات کے رفع یدین کو نسخ کی بنیاد پر ہی ترک کرتے ہیں، گویا صورتِ حال دونوں طرف برابر رہی۔ ہمارے نزدیک تکبیر افتتاح کے علاوہ بقیہ تمام مقامات کا رفع یدین منسوخ ہے اور قائلین رفع یدین کے نزدیک تین کے علاوہ منسوخ ہے، گویا چند مقامات کے رفع یدین کو منسوخ ماننے پر وہ بھی مجبور ہیں۔

اب آیئے اُن احادیث کو دیکھیں جن میں رفع یدین کے ۹ مقامات کا تذکرہ ہے

(۱) صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفعِ یدین، احادیث و آثار بکثرت گزر چکیں۔

(۲) رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین:

عن سالم عن ابیه قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة کبر ورفع یدیه واذا رکع وبعد الرکوع ولا یرفع بین السجدتین. (نسائی ج ۱ ص ۱۷۲)

سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، ایسے ہی جب رکوع کرتے تو اٹھاتے اور ایسے ہی رکوع کے بعد اور دونوں سجدوں کے درمیان نہیں اٹھاتے تھے۔

(۳) دوسری رکعت کے لئے سجدہ سے اٹھتے ہوئے رفع یدین:

عن مالک بن الحویرث ان نبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان اذا دخل فی الصلوٰة یعنی رفع یدیه واذا رکع فعل مثل ذالک واذا رفع رأسه من الرکوع فعل مثل ذالک واذا رفع رأسه من السجود فعل مثل ذالک کله یعنی رفع یدیه (نسائی ج ۱ ص ۱۷۲)

حضرت مالک بن الحویرثؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو ایسے ہی کرتے، اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو بھی ایسے ہی کرتے، اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو بھی یہی کرتے، یعنی ان سب میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

اس کے علاوہ مالک بن الحویرثؓ کی حدیث واذا رفع رأسه من السجود.

(نسائی ج ۱ ص ۱۶۵)

(۴) بعض روایات میں پہلی ہی رکعت کے سجدہ میں جاتے ہوئے بھی رفعِ یدین مذکور

ہے، دیکھئے مالک بن الحویرثؓ کی روایت:

| | |
|---|---|
| واذا سجد واذا رفع رأسه من السجود حتیٰ یحاذی بهما فروع اذنیه. (نسائی ج۱ص۱۶۵و ص۱۷۲) | اور جب سجدہ کرتے اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھوں کو اپنے کانوں کی لو کے برابر لے آتے۔ |

(۵) حدیث نمبر۲ کے تحت دنوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کی نفی تھی، مگر دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفعِ یدین کی احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ مثلاً حدیث ابن عباسؓ (ابوداؤد ج۱ص۱۴۴) پھر یہ کہ جب ہر سجدہ کے لئے رفع یدین کی روایتیں موجود ہیں تو دوسرے سجدہ کے لئے رفعِ یدین ظاہر ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان ہوجائے گا۔ اور ابوداؤد ج۱ص۱۴۴، اور نسائی ج۱ص۱۷۲ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں پہلے سجدہ سے اٹھتے وقت رفع یدین کا تذکرہ ہے۔ اور یہ بھی دونوں سجدوں کے درمیان ہی ہوگا۔ امام نسائیؒ نے اس کا باب یوں قائم کیا ہے: **باب رفع الیدین بین السجدتین تلقاء الوجه** (ج۱ص۱۷۲) دونوں سجدوں کے درمیان چہرے کے سامنے رفعِ یدین کا باب۔

(۶) دوسری رکعت کے لئے رفعِ یدین۔ روایت ابوحمید ساعدیؓ

| | |
|---|---|
| اذا قام من السجدتین کبر ورفع یدیه. (نسائی ج۱ص۱۷۶) | جب دونوں سجدوں سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے |

(۷) تیسری رکعت کے لئے رفعِ یدین۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت

| | |
|---|---|
| واذاقام من الرکعتین یرفع یدیه. (حوالۂ مذکورہ) | جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ |

روایتِ ابوحمید ساعدیؓ

فاذا قام من الثنتین کبر ورفع یدیه. (ابن ماجہ ص۶۲) جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔

(۸) ہر رکوع اور ہر سجدہ کے وقت رفعِ یدین۔ روایتِ ابو ہریرہؓ

حین یرکع ویسجد. (ابن ماجہ ص۶۲) جب رکوع کرتے اور سجدہ کرتے

(۹) ہر اونچ نیچ پر رفعِ یدین یعنی جب جب اللہ اکبر کہا جائے:

عن عمیر بن حبیب قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یرفع یدیه مع کل تکبیرة فی الصلوٰة المکتوبة. (ابن ماجہ ص۶۲) عمیر بن حبیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، ہر تکبیر کے ساتھ، فرض نماز میں۔

یہ ہے احادیثِ صحیحہ میں رفع یدین کے مقامات کا تذکرہ۔ یہاں ہم نے بطورِ مثال صرف چند حدیثیں ذکر کی ہیں ورنہ ہر صورت کے لئے متعدد احادیث صحیحہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ تکبیرِ افتتاح کے علاوہ رفع یدین کے قائل ہیں وہ بھی ان سب مقامات پر رفعِ یدین نہیں کرتے، بلکہ صرف تین مقامات پر (۱) رکوع میں جاتے ہوئے (۲) رکوع سے اٹھتے ہوئے (۳) تیسری رکعت کے لئے تشہد سے اٹھتے ہوئے، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اِن کے علاوہ مقامات مثلاً سجدہ میں جاتے ہوئے (۲) دونوں سجدوں کے درمیان (۳) دوسری رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے بلکہ ہر تکبیر کے وقت بھی رفع یدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، مگر ان مقامات کے رفعِ یدین کو وہ بھی ترک کر دیتے ہیں اور نسخ وغیرہ کی تاویل کا سہارا لیتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نسخ صرف انھیں بقیہ مقامات کے لئے نہیں بلکہ مذکورہ تینوں مقامات میں بھی وارد ہے اور صرف تکبیر تحریمہ والا رفع یدین ہی نسخ سے محفوظ ہے،

اسی لئے کسی بھی راوی کے نزدیک اُس کے ہونے نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

احادیث کریمہ کو بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداً رفع یدین نماز میں بہت سے مقامات پر تھا۔ مگر دھیرے دھیرے سب منسوخ ہوتا گیا اور صرف تکبیر تحریمہ والا رفع یدین باقی رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو حضورؐ کے خادم خصوصی، بدری صحابی، نماز میں حضورؐ کے قریب صفِ اول کے لوگوں میں شامل اور سفر وحضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مشاہدہ کرنے والے تھے۔ انھوں نے بھی ان مقامات کے رفعِ یدین کو دیکھا تھا مگر انھوں نے اُنھیں روایت نہیں کیا۔ روایت کیا تو اُسی رفعِ یدین کو جو نسخ سے محفوظ رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ثابت ہوا۔

عن حصين بن عبدالرحمٰن قال دخلنا علىٰ ابراهيم فحدثه عمرو بن مرة قال صلينا في مسجد الحضرميين فحدثني علقمة بن وائل عن أبيه أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه حين يفتتح الصلوٰة واذا ركع واذا سجد فقال ابراهيم ما أرىٰ اباك رأىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم الا ذالك اليوم الواحد فحفظ ذالك وعبدالله لم يحفظ ذالك منه ثم قال ابراهيم انما رفع اليدين عند افتتاح الصلوٰة رواه الدار قطني واسناده صحيح.

حصین بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم نخعیؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو اُن سے عمرو بن مرہؒ نے بیان کیا کہ ہم نے حضرموت کی مسجد میں نماز پڑھی تو مجھ سے علقمہ بن وائلؒ نے اپنے والد حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث بیان کی کہ وائل بن حجرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے رفعِ یدین کیا تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع اور سجدہ کے وقت، ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ علقمہؒ کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ایک دن دیکھا اور رفعِ یدین یاد کرلیا اور عبداللہ بن مسعودؓ (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وائلؓ سے کہیں زیادہ دیکھنے اور ساتھ رہنے والے ہیں) وہ

(آثار السنن ج ا ص ۱۰۳) حضورؐ کا یہ عمل یاد نہ رکھ سکے؟ پھر ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا سن لو! رفع یدین صرف نماز شروع کرتے وقت ہی ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہے:

رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم فرفعنا وترک فترکنا.

(بدائع ج ا ص ۲۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی کیا۔ حضورؐ نے ترک کردیا تو ہم نے بھی ترک کردیا۔

## محدثین کا ترجمۃ الباب

محدثین کے ترجمۃ الباب سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رفعِ یدین میں نسخ وترک کا سلسلہ مستقل چلتا رہا ہے۔ چنانچہ جہاں وہ حضرات رفعِ یدین کا باب لاتے ہیں تو وہیں ترکِ رفعِ یدین کا بھی۔ اور رفعِ یدین کے باب میں رفعِ یدین کی حدیثیں اور ترکِ رفعِ یدین کے باب میں ترکِ رفع یدین کی حدیثیں۔

مثال کے طور پر امام نسائی نے باب قائم کیا **باب رفع اليدين عند الرفع من الركوع.** اس کے بعد باب قائم کیا **باب رفع اليدين حذوفروع الاذنين عند الرفع من الركوع.** اس کے بعد پھر باب قائم کیا **باب رفع اليدين حذوالمنكبين عند الرفع من الركوع** پھر ہر ایک کے ترک کا اکٹھا یہ باب قائم کیا، **الرخصة فى ترک ذالک،** (اس کے ترک میں رخصت) (نسائی ا/۱۶۱) پھر **باب رفع اليدين للسجود** (سجدوں کے لئے رفع یدین) کا باب قائم کیا۔ تو **ترک رفع الدين عند السجود** (سجدوں کے وقت رفع یدین کا ترک) بھی (نسائی ج ا ص ۱۶۵)۔ اسی طرح باب **رفع اليدين عندالرفع من السجدة الاولىٰ** (پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع

یدین کا باب ) لائے تو اس کے فوراً بعد ترک ذالک بین السجدتین (دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کا ترک ) بھی لائے ۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۷۲)

امام ابوداؤدؒ نے پہلے باب رفع الیدین (رفع یدین کا باب ) قائم کیا اس کے بعد باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع (باب اُس کا کہ جس نے رکوع کے وقت رفعِ یدین ذکر نہیں کیا ) لائے ۔ (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۲۵)

ترمذی شریف کے ہندوستانی نسخوں میں ترک رفع یدین کا باب سہوِ کتابت سے رہ گیا ہے، ورنہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کی ہے، اور اسے حدیثِ حسن قرار دیا ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ وفی الباب عن البراء بن عازب (اس باب میں براء بن عازبؓ سے بھی حدیث مروی ہے ) (ترمذی ج ۱ ص ۳۵) فی الباب کا لفظ بتاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے پہلے اس حدیث کا ترجمۃ الباب (یعنی باب کا عنوان ) ضرور تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب حدیث ترکِ رفعِ یدین کی ہے تو باب بھی ترکِ رفعِ یدین کا ہی ہوگا۔ چنانچہ ترمذی کے صحیح ترین نسخوں میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے پہلے یہ باب موجود ہے باب من لم یرفع یدیہ الا فی اول مرّۃ (باب اس کا کہ جس نے صرف پہلی مرتبہ ہی رفعِ یدین کیا) (۱)

بہرحال اِن اکابر محدثین کے ابواب خود بتاتے ہیں کہ رفعِ یدین میں ترک و نسخ کا عمل جاری رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں رفعِ یدین کی حدیث ہے تو وہیں ترکِ رفعِ یدین کی بھی۔ (۲)

---

(۱) ترمذی کے اس نسخے کی مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" حصہ دوم ص ۱۰۹، (۲) خیال رہے کہ ترک کی احادیث صرف انہی مقامات کے رفع یدین کے لئے ہیں جو تکبیر تحریمہ کے علاوہ مقامات میں وارد ہوا ہے، ورنہ تکبیر تحریمہ کے رفعِ یدین کے ترک کی ایک بھی روایت موجود نہیں۔ چنانچہ یہ رفع یدین ہر قسم کے نسخ و ترک سے محفوظ ہے، جب کہ دیگر مقامات کا رفع یدین بالکل محفوظ نہیں۔

# نماز میں سکون کا حکم

یہ بات بھی متفق علیہ اور اجماعی ہے کہ نماز میں ابتداء حرکت اور عدم خشوع تھا، پھر بتدریج سکون وخشوع کی طرف منتقلی ہوئی۔(۱) اور درمیانِ نماز، رفعِ یدین یقیناً سکون کے منافی ہے، جب کہ قرآن میں اُن مومنین کی مدح کی گئی ہے جو نماز میں خشوع وسکون اختیار کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ. (مومنون-۲۰)

کامیاب ہوگئے وہ مومنین جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔

خشوع کے معنیٰ سکون اختیار کرنے کے ہیں، اِس سے معلوم ہوا کہ درمیان نماز میں رفعِ یدین نہ کرنا حکم قرآنی کے موافق ہے کیوں کہ اس سے خشوع وسکون پیدا ہوتا ہے، دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ. (بقرہ-۲۳۸)

کھڑے ہو اللہ کے سامنے اطاعت و خاموشی کے ساتھ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله صلى الله عليه سلم فقال مالی أراكم رافعی ایدیكم كانها اذناب خيل شمس اسكنوا فی الصلوٰة. (مسلم ج۱ص۱۸۱)

حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو رفع یدین کرتے (ہاتھوں کو اٹھاتے) ہوئے دیکھ رہا ہوں، جیسے وہ بِد کے ہوئے گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ نماز

(۱) دیکھئے ابوداؤد ج۱ص۴۷۔

میں سکون اختیار کرو۔

یہ حدیث ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۳، اور نسائی ج ۱ ص ۱۷۶ پر بھی موجود ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے دوران رفعِ یدین نماز میں سکون اختیار کرنے کے منافی ہے اور اُسی کے ساتھ حضورؐ کا ارشاد اسکنوا فی الصلوٰۃ (نماز میں سکون اختیار کرو) نماز کے دوران والے ہر قسم کے رفعِ یدین کو شامل ہوگا۔ خواہ وہ رکوع سے قبل ہو یا رکوع کے بعد، سجدہ میں جاتے ہوئے یا سجدہ سے اٹھتے ہوئے یا تشہد کے بعد وغیرہ وغیرہ۔ البتہ تکبیر تحریمہ والا رفع یدین اس سے خارج ہوگا، کیوں کہ وہ ابتدائے نماز میں ہوتا ہے نہ کہ درمیانِ نماز۔ (۱)

یہ حدیث نبویؐ نماز کے دوران ہونے والے ہر قسم کے رفعِ یدین کے نسخ میں صریح ہے۔ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور رفعِ یدین سے منع کر دینے کے بعد اُسْکُنُوا فِی الصّلوٰۃ نے ہر قسم کی قیاس آرائیوں کا دروازہ بند کر دیا، مگر کچھ حضرات، مسلم شریف کی ہی ایک دوسری روایت لے کر شک وشبہ میں مبتلا ہیں، وہ روایت بھی حضرت جابر بن سمرہؓ ہی سے مروی ہے اور اس میں سلام کے وقت اشارہ کرنے کی ممانعت ہے۔

روایت یہ ہے:

| | |
|---|---|
| کنا اذا صلینا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم قلنا السلام علیکم ورحمة الله السلام علیکم ورحمة الله وأشار بیده الیٰ الجانبین فقال رسول الله ﷺ علام تؤمون | ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے وقت دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ بھی کیا کرتے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ہاتھوں سے اشارہ |

(۱) اس کے علاوہ کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں۔

بـایدیکم کانها اذناب خیل شمس انـمـا یـکـفـیـکـم ان یضع یده علیٰ فـخـذه ثم یسلّم علیٰ اخیه من علیٰ یمینه و شماله. (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)

کیوں کرتے ہو جیسے وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ اپنا ہاتھ رانوں پر رکھے ہوئے دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کرو۔

اُن حضرات کا کہنا ہے کہ جس طرح اِس دوسری حدیث میں سلام کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کی ممانعت ہے۔اِسی طرح پہلی حدیث کا تعلق بھی سلام کے وقت ہی ہاتھ اٹھانے سے ہے۔

لیکن یہ حضرات سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں، کیوں کہ دونوں حدیثیں بالکل علیٰحدہ علیٰحدہ مفہوم میں ہیں اور واقعات بھی دونوں کے الگ الگ ہیں۔اگر موافقت ہے تو اتنی کہ دونوں میں کـأنهـا اذنـاب خیل شمـس (گویا کہ وہ بدکے ہوئے گھوڑے کی دُم ہیں) کے الفاظ آ گئے ہیں، اور راوی دونوں کے جابر بن سمرہؓ ہیں۔ان دو باتوں کے علاوہ مفہوم و معنیٰ اور واقعہ کے اعتبار سے دونوں حدیثوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ غور کیجئے۔

ا-پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ اپنی اپنی نماز میں مشغول تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں تشریف لائے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، یعنی دوسری حدیث میں نماز با جماعت کا تذکرہ ہے جب کہ پہلی حدیث میں نہیں۔(۱)

---

(۱) چنانچہ کـنـا اذا صـلینا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ صاف موجود ہے، اس کے علاوہ یہی روایت مسلم شریف کے اسی صفحہ پر اس کے فوراً بعد یوں آئی ہے عـن جـابـر بـن سمرة قال صلیت مع رسول الله صلی الـلـه عـلیه وسلم الخ اور اسـکـنـو فی الصلوٰة والی روایت میں صحابۂ کرام نماز میں تھے، حضور نماز میں شامل نہ تھے دیکھئے یہ الفاظ عـن جـابـر بـن سمرة قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ اس کے بعد ہم آگے چل کر اسی حدیث میں یوں آتا ہے ثـم خـرج علینا فرآنا حلقاً الخ پھر آگے چل کر یوں آیا ہے ثم خرج علینا فقال الا تصفون کماتصف الملٰئکة الخ۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)

۲-پہلی حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں مالی اراکم رافعی ایدیکم (کیابات فرماتے ہیں، علام تؤمون ایدیکم (تم ہاتھوں سے اشارہ کیوں کرتے ہو؟) گویا پہلی حدیث میں رفعِ ایدی (ہاتھوں کو اٹھانے) کا صاف تذکرہ ہے جب کہ دوسری حدیث میں ''رفع'' کا کوئی لفظ نہیں بلکہ تؤ مون یعنی اشارہ کا ذکر ہے۔اور ظاہر ہے کہ ہاتھوں کو اٹھانا اور ہاتھوں سے اشارہ کرنا، دونوں، دو بات ہے

۳-پہلی حدیث میں ہاتھوں کو اٹھانے سے منع کرنے کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا اسکنوا فی الصلوٰۃ (نماز میں سکون اختیار کرو) جب کہ دوسری حدیث میں سلام پھیرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| انما یکفیکم ان یضع یدہ علیٰ فخذہٖ ثم یسلم علیٰ اخیہ من علیٰ یمینہ وشمالہ. | تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ اپنا ہاتھ رانوں پر رکھے ہوئے دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کرو۔ |

یعنی پہلی حدیث میں سلام کا تذکرہ نہیں اور دوسری حدیث میں سکون اختیار کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔

۴- دونوں حدیثوں کا سلسلہ سند بھی الگ الگ ہے

پہلی حدیث کے راوی، دوسری، حدیث کے واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے اور دوسری حدیث کے راوی، پہلی حدیث کے واقعہ سے خاموش ہیں۔

لہٰذا دونوں حدیثوں میں اتنا زبردست اختلاف ہونے کے باوجود دونوں کو ایک واقعہ قرار دینا دل کی تسلی کے سوا کچھ اور نہیں۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے دونوں کو ایک واقعہ ہی تسلیم کر لیا جائے تو بھی رفع یدین کو دیکھ کر حضورؐ کا ارشاد اسکنوا فی الصلوٰۃ (نماز میں سکون اختیار کرو) ایک ایسا ضابطۂ کلیہ ہے جو نماز کے دوران ہونے والے ہر قسم

کے رفعِ یدین کو شامل ہوگا خواہ وہ سلام کے وقت ہو یا رکوع وسجود کے وقت یا اسی طرح کسی اور موقع پر۔ کیوں کہ حضورؐ کے اس ارشاد سے ہر صاحبِ بصیرت فوراً سمجھ لے گا کہ نماز میں رفعِ یدین، نماز میں سکون اختیار کرنے کے منافی ہے۔

لان العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب. — اس لئے کہ اعتبار، لفظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خصوص کا۔

جب سلام کے وقت جو کہ نماز سے خروج کا وقت ہے، رفع یدین، سکون کے منافی ہوا تو نماز کے دوران رکوع وسجدہ وغیرہ میں رفع یدین اور بھی زیادہ سکون کے منافی ہوگا کیوں کہ وسطِ صلوٰۃ میں سکون کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوگی۔

# رفع یدین کی روایتوں کا اضطراب اور ضعف

دوسری طرف رفع یدین کی روایتوں میں زبردست اضطراب وانتشار ہے۔ صرف دو حدیثوں کا حال ملاحظہ کیجئے جو کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح مانی جاتی ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ کی روایتیں۔

# عبداللہ بن عمرؓ کی روایت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہیں مرفوع منقول ہے، کہیں موقوف، اور اس سے رفع یدین کی درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں جو آپس میں متعارض ومتصادم ہیں۔

۱۔صرف ایک جگہ تکبیر تحریمہ میں رفعِ یدین۔ المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۷۱، البیہقی فی الخلافیات بخاری فی جزء رفع الیدین۔

۲۔تکبیر تحریمہ میں اور رکوع کے بعد رفع یدین میں دو جگہ۔ دیکھئے مؤطا امام

مالک ص ۲۷ وغیرہ۔

۳-تکبیر تحریمہ میں اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد، یعنی تین جگہ۔ دیکھئے بخاری ج ا ص ۱۰۲، مسلم ج ا ص ۱۶۸ وغیرہ۔

۴- چار جگہ رفع یدین، تحریمہ میں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد، اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت۔ بخاری ج ا ص ۱۰۲ وغیرہ۔

۵- مذکورہ چار جگہوں کے علاوہ سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع یدین۔ دیکھئے طبرانی کی المعجم الاوسط اور امام بخاری کی جزء رفع الیدین۔ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۲، نسائی ج ا ص ۱۷۲ وغیرہ۔

۶- ہر تکبیر اور ہر انتقال کے وقت رفع یدین۔ دیکھئے علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی فتح الباری ج ا ص ۱۸۰ وابن ماجہ ص ۶۲ وغیرہ۔

یہ تھا متن اور مفہوم ومنطوق کا اضطراب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں (۱)

اب دوسری روایت جو حضرت مالک بن الحویرثؓ سے مروی ہے اس کا اضطراب ملاحظہ کیجئے:

۱- تین جگہ رفع یدین۔ تکبیر تحریمہ میں، رکوع میں جاتے ہوئے، رکوع سے اٹھتے ہوئے۔ بخاری ج ا ص ۱۰۲، مسلم ج ا ص ۱۶۸۔

۲- ان تین جگہوں کے علاوہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے۔ کل چار جگہ۔ نسائی ج ا ص ۱۶۵ وغیرہ

۳- پانچ جگہ رفع یدین۔ مذکورہ تین جگہ کے علاوہ سجدہ میں جاتے ہوئے

(۱) اسی اضطراب کی وجہ سے امام مالکؒ نے ان کے مشہور قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کو قابل استدلال نہیں سمجھا۔ اوجز ج ا ص ۲۰۳۔

اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے۔نسائی ج ۱ص ۱۶۵ اوابوداؤد وغیرہ۔

جب کہ سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے رفع یدین اُن لوگوں کے نزدیک بھی مشروع نہیں ہے جو رفع یدین کے قائل ہیں۔

یہ اُن دونوں حدیثوں کے متن کا اضطراب تھا جو سنداً اصح فی الباب تھیں، ان کے علاوہ جو حدیثیں ہیں وہ سنداً بھی ضعیف ہیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کی روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، حضرت انسؓ کی روایت میں عبدالوہاب ثقفی، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے ایک طریق میں یحییٰ بن ایوب، دوسرے طریق میں اسماعیل بن ابی عیاش، حضرت عمرؓ کی روایت میں رشدین بن سعد، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مرفوع روایت میں نضر بن اشمیل اور زید بن حباب، حضرت جابرؓ کی روایت میں ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود، حضرت عمر لیثیؓ کی روایت میں رفدہ بن قدامہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ابن ماجہ والی روایت میں عمر بن رباح، اور ابوداؤد والی روایت میں عبداللہ لہیعہ اور میمون المکی — یہ وہ راوی ہیں جن میں سے کسی کو ائمہ جرح وتعدیل نے ناقابل اعتبار، کسی کو مجہول، کسی کو کثیر الوہم، کسی کو دجال، کسی کو لاَ یُتَابَع، کسی کو منکر الحدیث اور نہ جانے کیا کیا کہا ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے بذل ج ۲ص ۵ وکشف المعضلات ص ۱۸۳ تا ۱۸۵)

ظاہر ہے کہ اِس قسم کے راویوں کی روایتیں ضعیف ہی نہیں، ضعیف ترین کہلائیں گی۔

دوسری طرف خود مذکورہ بالا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کئی سے صحیح سند کے ساتھ رفعِ یدین کے نسخ وترک کی حدیثیں بھی مروی ہیں اور صرف تکبیر تحریمہ میں ہی رفعِ یدین ثابت ہوتا ہے، نہ کہ وسط صلوٰۃ میں کسی اور مقام پر۔

(دیکھئے اسی کتاب کا ص ۲۴۶)

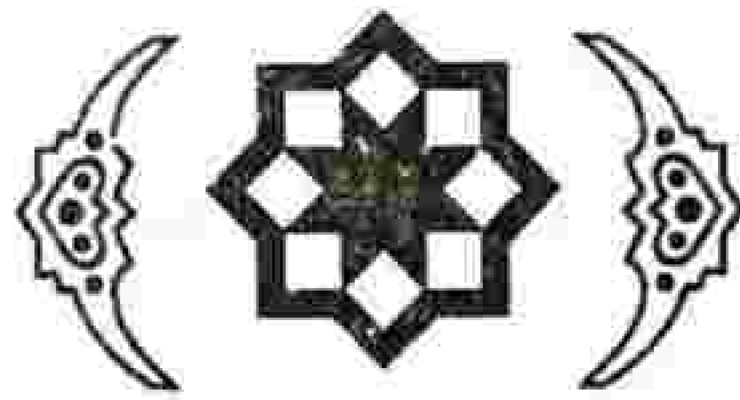
جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا معاملہ ہے تو وہ نہ

سنداً مضطرب ہے نہ متناً، اور نہ ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی روایت موجود ہے (۱) بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مسئلہ زیر بحث کے سلسلے میں جس قدر بھی قولی یا فعلی روایتیں ملتی ہیں یا اُن کے شاگردوں کے اقوال وافعال ملتے ہیں سبھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترمذی، ابوداؤد ونسائی کی اُس حدیث کی تائید وتصدیق کرتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی بھی مقام پر رفعِ یدین نہیں ہے۔

---

(۱) (الف) ترمذی میں عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے متعلق موجود ہے کہ لم یثبت حدیث ابن مسعود الخ مگر یہ کئی وجوہ سے ناقابلِ اعتبار ہے اول اس لئے کہ یہ جرح مبہم ہے۔ دوم یہ کہ خود امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حدیثِ حسن قرار دیا ہے جو کہ لم یثبت کے خلاف ہے۔ سوم اس لئے کہ نسائی والی ایک روایت خود عبداللہ بن مبارکؒ سے ہی مروی ہے اور وہاں لم یثبت کا لفظ موجود نہیں ——— اس جملہ کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عدم رفع کی دو روایتیں منقول ہیں ایک رفعِ فعلی، دوسرے رفعِ قولی۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے رفعِ قولی کے متعلق لم یثبت کہا ہے ورنہ رفعِ فعلی کے راوی تو وہ خود ہی ہیں (نسائی ج ۱ ص ۱۵۸) تفصیل کے لئے دیکھئے حاشیہ آثار السنن ج ۱ ص ۱۰۳ و فتح الملہم کلاں ج ۲ ص ۱۲)

(ب) اس حدیث میں "لم یعد" کے الفاظ میں وکیع منفرد نہیں۔ عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ اصحاب سفیان ثوریؒ ان کے متابع موجود ہیں۔ دیکھئے فتح الملہم کلاں ج ۲ ص ۱۳۔



# مغالطے اور مضحکہ خیز حرکتیں

## عبداللہؓ بن مسعود پر نسیان کا الزام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث، رفعِ یدین کے قائلین کے لئے زبردست تازیانہ ہے، لہٰذا وہ اس حدیث کو رد کرنے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں۔

کوئی صاحب لکھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ''حدیثِ حسن'' عادۃً یا تساہلاً کہہ دیا ہے(۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ترمذیؒ کی عادت تھی کہ وہ ہر حدیث کو حدیثِ حسن کہہ دیا کرتے تھے، اگر یہی بات ہے تو امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں ہی بعض احادیث کو صحیح، بعض کو ضعیف، بعض کو حسن صحیح وغیرہ کیوں کہا ہے؟ انھیں ہر جگہ عادت کے مطابق ایک ہی بات کہنا چاہئے تھی کہ ھذا حدیث حسنٌ

اور اگر تساہلاً کہا ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ترمذیؒ جیسا عظیم محدث، حدیث کے متعلق رائے دینے کے معاملے میں انتہائی غیر ذمہ دار واقع تھا۔ یہ امام ترمذیؒ پر وہ الزام ہے جس کا جواب قائلینِ رفع کے ذمہ ہے۔

کچھ لوگوں نے یہ بہانہ تراشا کہ عبداللہ بن مسعودؓ رفعِ یدین کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بھول گئے تھے اور یہ بھول ایسی ہے جیسے چار پانچ مسائل میں اور بھی بھول ہوگئی تھی۔

---

(۱) دیکھئے حدیثِ نماز ص ۱۴۹۔

بھول اور نسیان کا یہ بہانہ سب سے پہلے ابوبکر بن اسحٰق نے تراشا، جو بیہقی میں نقل ہوا۔ اس کے بعد ابن عبدالہادی نے تنقیح میں نقل کیا۔ پھر یار لوگوں کو مزہ آ گیا، اور آنکھیں بند کر کے بلا سوچے سمجھے نقل کرتے چلتے گئے۔ (۱)

علامہ ابن الترکمانیؒ نے اپنی کتاب الجوهر النقی فی الرد علی البیهقی میں ابوبکر بن اسحٰق کی اِس حرکت پر سخت تنقید کی اور تفصیل سے جواب دیا اور علامہ زیلعیؒ نے ''نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ'' میں صاحبِ تنقیح سے نقل کر کے رد کیا، اس کے بعد دوسرے حضرات نے بھی۔

بہر حال چونکہ کچھ لوگ آج بھی اسی کی آڑ لیتے ہیں، اس لئے مختصر جواب عرض کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بھول اور نسیان سے کون مبرّا ہے؟ اگر عبداللہ بن مسعودؓ سے چند مسائل میں بھول ہوگئی تو عبداللہ بن عمرؓ سے اُن سے بھی کہیں زیادہ مسائل میں بھول ہوئی ہے۔ (دیکھئے جلب المنفعة فی الذب عن الائمة الأربعة نواب صدیق حسن خاںؒ) (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ کسی مسئلے میں بھول جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب ہر مسئلہ میں بھول ہو جائے گی، لہٰذا جو مسئلہ بھی آپ کے خلاف ہو، اُسے آپ بھول قرار دیدیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رفعِ یدین کے معاملے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر یہ بھول اور نسیان کا الزام انتہائی درجہ کا مضحکہ خیز الزام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات سے واقف کوئی بھی شخص اس الزام کو باور کرنا درکنار، سننا تک گوارہ نہ کرے گا۔

عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خصوصی، سفر، حضرت میں ساتھ

---

(۱) مثلاً دیکھئے حدیثِ نماز ص ۱۵۰ و صلوٰۃ النبی ص ۵۶۔ (۲) معارف مدنیہ ج ۵ ص ۴۵۔

رہنے والے ہمیشہ حضورؐ کی نماز کو دیکھنے والے، نماز میں صفِ اول کے لوگوں میں شامل سابقین اولین اور کبار صحابہ میں داخل، بدری صحابی، حضورؐ کے بے حد مقرب —— کیا ایک دو بار کی بات تھی کہ وہ حضورؐ کا طریقۂ نماز بھول جائیں گے اور غلط بتا دیں گے؟ نماز دن رات میں پانچ پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے اور کئی کئی رکعات، اور رفعِ یدین کے قائلین کے نزدیک رفعِ یدین، ہر رکعت میں کم از کم دو مرتبہ ضرور ہوتا تھا تو کیا عبداللہ بن مسعودؓ کو ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ رہنے کے باوجود اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ جب حضورؐ کا نماز کا طریقہ بتایا تو صرف تکبیر تحریمہ کا رفعِ یدین یاد رکھا، بقیہ بھول گئے؟

قائلینِ رفعِ یدین، دل کی تسلی کے لئے جو چاہیں کہہ لیں، مگر عبداللہ بن مسعودؓ پر حضورؐ کے طریقۂ نماز کو بھول جانے کا الزام کس قدر مضحکہ خیز ہے، انھیں اس کا خوب احساس ہے اور وہ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ بات چلنے والی نہیں، کیوں کہ رفعِ یدین کا منسوخ ہونا صرف عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے ہی ثابت نہیں، اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیث وآثار سے ثابت ہے جیسا کہ گزرا۔ اور خلافتِ راشدہ کے دو علمی مرکزی شہر مدینہ منورہ اور کوفہ، جنھیں یکے بعد دیگرے دارالخلافۃ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ (۱) وہاں کے باشندگان کا بھی ترکِ رفعِ یدین پر عامل ہونا گزر چکا ہے۔ (۲) جس میں ہزاروں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔ یہ لوگ کس کس پر نسیان کا الزام لگائیں گے۔

## رفعِ یدین کی روایتیں پچاس صحابہؓ سے؟

بعض لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ رفعِ یدین کی روایتیں پچاس صحابہ، بلکہ اس

---

(۱) مدینہ منورہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا دارالخلافۃ تھا، اور کوفہ خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کا دارالخلافۃ، عہد فاروقی کی فوجی چھاؤنی اور ہزاروں اصحاب کبار کا مسکن وماویٰ۔ (۲) امام مالکؒ کا ترکِ رفعِ یدین کا سب سے مشہور قول اہل مدینہ کی ہی موافقت میں تھا۔

سے بھی زیادہ سے مروی ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ متنازع فیہ رفعِ یدین کی روایتیں پچاس صحابۂ کرامؓ سے مروی ہونا درکنار، کسی ایک صحابی کی بھی کوئی ایک روایت ایسی موجود نہیں جو ضعیف یا اختلاف ومعارضہ سے خالی ہو۔

ہاں غیر متنازع فیہ رفعِ یدین تکبیر تحریمہ والے کے متعلق ضرور معاملہ یہی ہے، وجہ بھی ظاہر ہے، کیوں کہ یہ رفعِ یدین اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اسی کے متعلق علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

وجمع العراقی عدد من روی رفع الیدین فی ابتداء الصلوٰۃ فبلغوا خمسین صحابیا منهم العشرة المشهودة لهم بالجنة.

(نیل الاوطار ج۲ ص۱۸۴)

علامہ عراقیؒ نے ان حضرات کی تعداد کو شمار کیا ہے جن سے ابتدائے نماز میں رفعِ یدین کی حدیثیں مروی ہیں۔ پس ان کی تعداد پچاس صحابۂ کرام تک پہنچی، ان میں عشرۂ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

غور کیجئے! جو بات تھی تکبیر تحریمہ والے رفعِ یدین کے متعلق، اُسے یار لوگوں نے کہاں جوڑ دیا۔

یہی کام حضرت حسن بصریؒ کے اس قول میں بھی ہوا:

كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفعون ايديهم فى الصلوٰة.

(جزء رفع الیدین للبخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز میں رفعِ یدین کرتے تھے۔

امام بخاریؒ نے اس قول سے بلا استثناء تمام صحابۂ کرامؓ (ایک لاکھ چوبیس ہزار سے) رفعِ یدین کو ثابت کر دیا ہے (نصب الرایہ ج۱ ص۲۱۶) حالانکہ یہ استدلال بھی حد درجہ ضعیف اور کمزور ہے۔ کیوں کہ:

۱- اس قول میں تصریح نہیں کہ کون سا رفعِ یدین اصحابِ رسولؐ کیا کرتے تھے؟ تکبیر تحریمہ والا رفعِ یدین؟ یا متنازع فیہ رفعِ یدین (رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد اور تشہد کے بعد والا)۔؟ لہٰذا بلا تصریح اُسے متنازع فیہ رفعِ یدین سے جوڑنا صحیح نہیں۔

۲- حسن بصریؒ کا سماع، محدثین کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ثابت نہیں، اور یہاں امام بخاریؒ نے اُن کے قول کو سارے صحابۂ کرامؓ کے بارے میں تسلیم کرلیا۔

۳- اگر چند صحابہؓ سے متنازع فیہ رفعِ یدین ثابت ہو تو بھی علی الاطلاق حسن بصریؒ کے کہنے کا یہ انداز صحیح نہیں کہ اصحابِ رسولؐ رفعِ یدین کیا کرتے تھے۔ لیکن امام بخاریؒ نے اس کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس سے مبالغہ اپنی آخری حدوں کو پہنچ گیا۔ گویا اب وہ تمام روایتیں غلط قرار پائیں جن میں صحیح سند کے ساتھ اصحابِ رسولؐ سے رفعِ یدین نہ کرنا ثابت ہے۔ ــــــ اور اس قول کی سند کا جو حال ہے وہ ہے ہی۔

(اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم حصہ دوم ص ۱۳۴)

## تا وفاتِ رسولؐ رفعِ یدین کی موضوع روایت

قائلینِ رفعِ یدین اس روایت کو بھی بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ رفعِ یدین منسوخ نہیں ہوا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک کرتے رہے۔

| | |
|---|---|
| عن ابن عمران رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع وكان لايفعل فى السجود فمازالت | عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو رفعِ یدین کرتے، پھر جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے تو رفعِ یدین کرتے۔ لیکن سجدوں میں نہیں کرتے |

تلک صلوته حتی لقی اللہ تعالیٰ. (بیہقی، التلخیص الحبیر) — تھے۔ پس حضورؐ کی نماز برابر اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔

مگر اس حدیث کے متعلق محدث کبیر علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں:

وھو حدیث ضعیف بل موضوع. (آثار السنن ج۱ص۱۰۱) — یہ ضعیف حدیث ہے بلکہ موضوع ہے۔

اور موضوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سلسلۂ سند میں کئی ایسے راوی موجود ہیں جنھیں محدثین نے کذاب اور جھوٹی حدیثیں گڑھنے والا قرار دیا ہے۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہروی اور عصمہ بن محمد الانصاری۔ دیکھئے علامہ ذہبیؒ کی میزان وغیرہ۔ (۱)

تعجب ہے اُن لوگوں پر جو ہر ہر معاملہ میں حدیثِ صحیح مرفوع متصل کا مطالبہ کرتے ہیں اور عمل بالحدیث الصحیح کے مدعی ہیں مگر اپنے مطلب کی پاکر کیسی کیسی موضوع روایتیں آنکھیں بند کر کے بے دھڑک قبول کر لیتے ہیں۔

## چارسوروایتوں کا افسانہ

صاحبِ قاموس شیخ مجدالدین فیروزآبادی نے تو، حد ہی کردی، سفرالسعادۃ میں لکھتے ہیں:

دریں سہ موضع برداشتن دست ثابت شدہ، واز کثرت رواۃ ایں معنیٰ بمتواترہ مانند است، چہارصد خبر واثر دریں باب صحیح شدہ وعشرمبشرہ روایت کردہ اند کہ لایزال عملِ — ان تین جگہوں میں رفع یدین ثابت ہے اور راویوں کی کثرت کی وجہ سے متواتر کے مشابہ ہے اس مسئلہ میں چارسو صحیح حدیثیں اور آثار آئے ہیں، اور عشرۂ مبشرہ نے

---

(۱) نیز التعلیق علی الآثار ج۱ص۱۰۰۔

آنحضرت بریں کیفیت بود تا ازیں جہاں رحلت کرد۔ غیر ایں چیزے ثابت نہ شدہ۔
(ص ۱۳، شرح ص ۶۴)

روایت کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہمیشہ اسی کیفیت پر رہا۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

ذرا شیخ فیروز آبادی کی مبالغہ آرائیوں کا جائزہ لیجئے:

۱-فرماتے ہیں کہ ''ان تین جگہوں میں رفع یدین ثابت ہے''۔ حالانکہ پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں جو ضعف یا معارضہ سے خالی ہو۔ یا تو سرے سے صحیح ہی نہ ہوگی اور صحیح ہوگی تو سالم عن المعارضہ نہ ہوگی، دو میں سے ایک خرابی ضرور ہوگی۔

۲-''رفعِ یدین میں چار سو صحیح حدیثیں اور آثار آئے ہیں۔'' آخر وہ چار سو احادیث وآثار کہاں ہیں؟ رفعِ یدین کا کوئی قائل انھیں نقل کیوں نہیں کرتا، خود شیخ فیروز آبادی نے انھیں کیوں نہ نقل کیا۔ اور آج تک انھیں کسی نے نقل نہیں کیا، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو تو اپنی شرط کے مطابق صرف دو حدیثیں مل سکیں اور وہ بھی ایسی مضطرب کہ لائق استدلال ہی نہ رہیں، مگر شیخ فیروز آبادی کو چار سو صحیح حدیثیں وآثار مل گئے مگر ایسے کہ وہ انہی تک محدود رہے۔ کسی کو دکھا نہ سکے۔

۳-فرماتے ہیں: ''اور راویوں کی کثرت کی وجہ سے متواتر کے مشابہ ہے۔'' یعنی چار سو صحیح احادیث وآثار مل جانے کے باوجود شیخ فیروز آبادی کے نزدیک رفعِ یدین کا مسئلہ متواتر نہ بن سکا۔ متواتر کے مشابہ ہی رہا۔ پتہ نہیں ان کے نزدیک متواتر کے لئے کتنے چار سو کی ضرورت پڑتی ہے۔

۴-فرماتے ہیں: ''عشرۂ مبشرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہمیشہ اسی کیفیت پر رہا، یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔''

یہ بات بھی بالکل غلط ہے، عشرۂ مبشرہ سے متنازع فیہ رفعِ یدین کی ہی کوئی صحیح

روایت نہیں تاوفات رفعِ یدین کی روایت ہونا درکنار۔ ہاں! عبداللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب کر کے اس قسم کی ایک روایت ضرور موجود ہے مگر اس کا حال معلوم ہو چکا کہ وہ کیسے کیسے کذاب، وضّاع راویوں کی وضع کردہ ہے۔

۵-فرماتے ہیں: ''اس کے علاوہ کوئی چیز ثابت نہیں ہے'' گویا ترکِ رفعِ یدین کی کوئی حدیث ثابت نہیں۔ اِس بات کا غلط ہونا اظہر من الشمس ہے، متعدد صحیح احادیث وآثار پچھلے اوراق میں نقل کئے جا چکے ہیں۔

## امام محمدؒ کا مسلک

ایک صاحب ''صلوٰۃ الرسول'' نامی کتاب میں ص۲۴۲ پر امام محمدؒ کے متعلق لکھتے ہیں—— ''رفعِ الیدین ان کے نزدیک سنتِ صحیحہ ثابتہ ہے، اب تو برادرانِ احناف کو بھی یہ سنت اپنا لینی چاہئے۔'' اسی طرح ایک دوسرے صاحب نے ''حدیث نماز'' ص۱۴۰ پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بے بنیاد قیاس آرائیاں کی ہیں۔

حالانکہ ''صلوٰۃ الرسول'' اور ''حدیثِ نماز'' کے مصنفین کا یہ اتنا کھلا فریب ہے جس کے لئے فریب کا لفظ بھی ہلکا معلوم ہوتا ہے، اور ضرورت تو نہ تھی کہ ہم اس کی تردید کی فکر کریں، لیکن جتنے زور وشور سے ان لوگوں نے فریب دینا چاہا ہے، اُس کے متعلق موطا امام محمد کی ہی یہ عبارت نقل کر دینا چاہتے ہیں، اسی سے دونوں ائمہ کبار کے بارے میں ان دونوں مصنفین کا فراڈ واضح ہو جائے گا۔

قال محمد السنة ان یکبر الرجل فی صلوته کلما خفض وکلما رفع واذا انحط للسجود کبر واذا انحط للسجود الثانی کبر فأما رفع

امام محمدؒ نے فرمایا سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی نماز میں ہر اٹھتے بیٹھتے اَللّٰہ اکبر کہے، جب پہلے سجدہ میں جائے تو اَللّٰہ اکبر کہے، جب دوسرے سجدہ میں جائے تو اَللّٰہ اکبر کہے اور

اليدين في الصلوٰة فانه يرفع اليدين حذو الاذنين في ابتداء الصلوٰة مرة واحدة ثم لايرفع في شيء من الصلوٰة بعد ذالك وهذا كله عند ابي حنيفة رحمه الله وفي ذالك اٰثار كثيرة. (مؤطاامام محمد ص۹۰)

جہاں تک نماز میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا تعلق ہے تو ابتدائے نماز میں دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے بالمقابل اٹھائے ایک مرتبہ، پھر اس کے بعد نماز کے کسی مقام پر نہ اٹھائے، یہ سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور اس کے متعلق بہت سے آثار موجود ہیں۔

## شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حوالہ

صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے صفحہ ۲۳۴ پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق غنیۃ الطالبین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ متنازع فیہ رفعِ یدین کے قائل تھے۔

اولاً تو غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب نہیں، ان کی طرف غلط منسوب ہے، (دیکھئے نبراس شرحِ شرح العقائد نفسی صفحہ ۴۴۵ حاشیہ ۳) دوم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بزرگی مسلم، مگر وہ حنفی نہ تھے بلکہ حنبلی المسلک تھے۔ لہٰذا اِس مسئلہ میں اُن کا نام پیش کرنا فریب دہی کے سوا کچھ اور نہیں۔

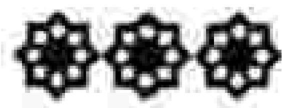
## درمختار کا حوالہ

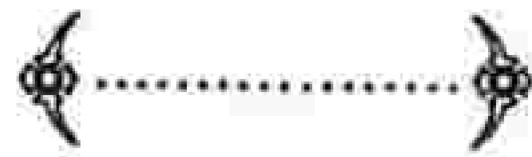
صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے صفحہ ۲۳۳ پر اور حدیثِ نماز کے مصنف نے صفحہ ۱۴۳ پر درمختار و شامی و ذخیرہ وغیرہ کے حوالوں سے لکھا ہے کہ رفعِ یدین سے نماز فاسد نہیں ہوتی گویا یہ دونوں مصنفین مغالطہ دینا چاہتے ہیں کہ درمختار اور شامی کی اِن عبارتوں سے متنازع فیہ رفعِ یدین ثابت ہے ـــــــ حالانکہ دونوں دو باتیں ہیں۔ رفعِ یدین سے نماز

فاسد نہ ہونا الگ بات ہے اورنماز میں رفعِ یدین ثابت ہونا ایک الگ بات۔ درمختار اورشامی میں اول الذکر بات کہی گئی ہے نہ کہ ثانی الذکر۔ اوراول الذکر سے ثانی الذکر بات ثابت نہیں ہوسکتی۔

جس طرح ہمارے یہاں رفعِ یدین کرلینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جوکہ رفعِ یدین کے قائل ہیں، ان کے نزدیک رفعِ یدین نہ کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی، اور نہ کوئی خرابی لازم آئے گی۔ سجدہ میں جاتے اوراٹھتے وقت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی رفعِ یدین نہیں لیکن اگر کرلے توان کے نزدیک اس سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (الکوکب الدری ج۱ص۱۳۰وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ رفعِ یدین کرنے نہ کرنے سے نماز کا فاسد نہ ہونا الگ بات ہے اورنماز میں رفعِ یدین کا ثابت ہونا ایک الگ بات۔





# رکوع وقومہ، سجدہ وجلسہ

## رکوع

قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ہوں۔ ہاتھ کی انگلیاں کشادہ ہوں، سر اور پیٹھ اور سُرین برابر ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ سر جھکا ہوا ہو اور پیٹھ اٹھی ہوئی ہو، پیر کی پنڈلیاں سیدھی ہوں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اقیموا الرکوع والسجود متفق علیه. رکوع اور سجدہ مکمل کرو۔

(مشکوۃ ج ا ص ۸۲)

حضرت انسؓ سے ہی حضورؐ نے فرمایا تھا:

اذا رکعت فضع یدیک علیٰ رکبتک وفرج بین اصابعک. (المعجم الاوسط للطبرانی)

جب رکوع کرو تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھو اور انگلیاں کشادہ رکھو۔

ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا رکع لو صبّ علی ظهره ماء لاستقر. (حوالۂ مذکورہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو پشت اتنی برابر ہوتی کہ اگر پانی بہایا جاتا تو بھی ٹھہر جاتا۔

رکوع میں کم سے کم تین مرتبہ **سُبحانَ رَبِّیَ العظِیم** پڑھا جائے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا ركع احدكم فقال في ركوعه سبحان ربيَ العَظِيم ثلث مرات فقد تم ركوعه و ذالك ادناه.

جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو رکوع میں سُبحَانَ رَبِیَ العَظِیم تین مرتبہ کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے۔

(ترمذی ج۱ص ۳۵،ابوداؤد ج۱ص ۱۲۵،ابن ماجہ ص ۶۴)

# قومہ

رکوع مکمل کرنے کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہوجائے۔ اگر امام ہو تو صرف اتنا ہی کہے اور مقتدی کہیں رَبَّـنَا لَکَ الْحَمْدُ اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دونوں کہے۔ یہی قومہ ہے، قومہ میں دونوں ہاتھ کھلے ہوئے نیچے لٹکے ہوئے ہوں۔

عن ابی هريرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام الىٰ الصلوٰة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ثم يقول سَمع الله لمن حمدهٗ حين يرفع صلبه من الركوع ثم يقول وهو قائم ربنا لک الحمد. (بخاری ج۱ص ۱۰۹، مسلم ج۱ص ۱۶۹)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اَللّٰہ اَکبَر کہتے پھر رکوع میں جاتے وقت اَللّٰہ اَکبَر کہتے، پھر رکوع سے اٹھتے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے پھر کھڑے ہوجانے پر رَبَّـنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ہی دوسری روایت میں ہے:

ان رسول الله صلى الله قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربّنا لک الحمد. (مسلم ج۱ص ۱۷۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام کہے سمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حمِده تو تم کہو اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الحمْدُ۔ (۱)

(۱) بعض احادیث میں اَللّٰھُم کا لفظ بھی آیا ہے، بعض میں نہیں، اسی طرح بعض روایات میں رَبَّنَا کے بعد واؤ بھی ہے، بعض میں نہیں۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے:

| | |
|---|---|
| واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد. | جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہے تو کہو رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ. |

(بخاری ج ا ص ۱۱۱، مسلم ج ا ص ۱۷۶)

## سجدہ

اب اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہوا سجدہ میں جائے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھے، پھر ہاتھوں کو پھر ناک اور پیشانی کو، منھ، دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو اور انگلیاں ملی ہوئی قبلہ رو ہوں، دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے ہوں اور پیر کی انگلیوں کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہو، پیٹ زانو سے الگ اور بازو بغل سے جدا ہوں۔ پیٹ زمین سے اس قدر اونچا ہو کہ بکری یا بھیڑ کا بہت چھوٹا سا بچہ درمیان سے نکل سکے، سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھے۔ دو سجدے کرنے ہیں، دونوں کا طریقہ یہی ہے۔

| | |
|---|---|
| عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرت ان اسجد علىٰ سبعة اعظم علىٰ الجبهة واليدين والركبتين واطراف القدمين ولا نكفت الثياب والشعر. | عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے کناروں پر، اور نہ سمیٹیں ہم کپڑوں اور بالوں کو۔ |

(بخاری ج ا ص ۱۱۲، مسلم ج ا ص ۱۹۳)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| اعتدلوا فى السجود ولايبسط احدكم ذراعيه انبساط الكلب. | سجدوں میں برابر رہو... اور تم میں کا کوئی اپنے دونوں بازوؤں کو کتے کی طرح |

پھیلا نہ دے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۱۳، مسلم ج ۱ ص ۱۹۳)

حضرت براء بن عازبؓ کی روایت میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك. (مسلم ج ۱ ص ۱۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو اوپر اٹھاؤ۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا سجد لوشاءت بهمة ان تمر بين يديه لمرّت. (مسلم ج ۱ ص ۱۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو بھیڑ کا چھوٹا بچہ اگر درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

عبداللہ بن مالک بن بحینہؓ کی روایت میں ہے:

كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا سجد فرج بين يديه حتى يبدو بياض ابطيه. (بخاری ج ۱ ص ۱۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی رکھتے یہاں تک کہ آپؐ کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه واذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه. (ترمذی ج ۱ ص ۳۶)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں سے پہلے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔

ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھے

دونوں ہاتھوں کو پہلو سے جدا رکھے اور ہتھیلیوں کو کندھے کے بالمقابل رکھے۔ (ترمذی ج ۱ص ۳۶) عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| واذا سجد فقال فی سجوده سبحان ربی الاعلیٰ ثلث مرات فقد تم سجوده وذالک ادناه. | جب سجدہ کرے تو کہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلیٰ تین مرتبہ، اب سجدہ مکمل ہو گیا اور یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ |

(ترمذی ج ۱ص ۳۵، ابوداؤد ج ۱ص ۱۲۵، ابن ماجہ ص ۶۴)

نوٹ:- عورتوں کے سجدہ کرنے اور بیٹھنے کا طریقہ اِس سے کچھ مختلف ہے، مفصل بحث اِسی کتاب کے ص ۳۱۱ پر آرہی ہے۔ وہیں اُس کی احادیث نقل کی جائیں گی۔

# جلسہ

یہ ایک سجدہ ہو گیا، اب اَللہُ اَکْبَر کہتا ہوا سجدہ سے سر اُٹھائے، پہلے پیشانی پھر ناک، پھر دونوں ہاتھ اور اطمینان کے ساتھ اِس طرح بیٹھے کہ دایاں پیر اُسی طرح کھڑا رہے اور بائیں پیر کو زمین پر بچھا کر اُسی پر بیٹھ جائے، دونوں ہاتھ زانو پر رکھ لے، انگلیاں کھلی ہوئی ہوں رُخ قبلہ کی طرف ہو۔ انگلیوں کے سرے گھٹنوں کے قریب ہوں۔

| | |
|---|---|
| عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفرش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ وكان ينهىٰ عن عقبة الشيطان. | حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھادیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔ اور شیطان کی بیٹھک بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔ |

(مسلم ج ۱ص ۱۹۴)

ابو حمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے:

| | |
|---|---|
| ثم يرفع رأسه ويثنى رجله اليسرىٰ ويقعد عليها ويفتح اصابع رجليه | اپنے سر کو اٹھائے اور بائیں پیر کو موڑ کر اُسی پر بیٹھ جائے، اور سجدہ میں پیر کی انگلیوں کو |

| | |
|---|---|
| اذا سجد ثم يسجد ثم يقول الله اكبر . (ابوداؤد ج ا ص ۱۵۴، آثار السنن ج ا ص ۱۱۹) | کھلا رکھے پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہوا دوسرے سجدہ میں جائے۔ |

اب دوسرا سجدہ کرے، دوسرا سجدہ بھی پہلے سجدہ کی طرح کرے، دوسرا سجدہ مکمل ہوتے ہی ایک رکعت ہوگئی، اب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ لہٰذا بغیر بیٹھے سیدھا دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

## جلسۂ استراحت نہیں

دوسرے سجدہ کے بعد جلسۂ استراحت نہ کرے، یعنی ایسا نہ ہو کہ دوسرے سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ جائے، پھر اٹھے۔ بلکہ دوسرے سجدہ سے فارغ ہوتے ہی سیدھا کھڑا ہو جائے، اِسی طرح تیسری رکعت پوری ہونے پر چوتھی کے لئے سیدھا کھڑا ہو جائے، جلسۂ استراحت نہ کرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ آپ سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے:

| | |
|---|---|
| عن ابی قال كان النبی صلی الله عليه وسلم ينهض فی الصلوٰة علیٰ صدور قدميه (ترمذی ج ا ص ۳۸) | حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ |

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| حديث ابی هريرة عليه العمل عند اهل العلم يختارون ان ينهض الرجل فی الصلوٰة علیٰ صدور قدميه. (حوالۂ مذکورہ) | اہلِ علم کے نزدیک حدیثِ ابو ہریرہؓ پر ہی عمل ہے، وہ یہی پسند کرتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا اپنے قدموں کے کناروں پر (پنجوں کے بل) کھڑا ہو جائے۔ |

ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں بھی جلسۂ استراحت کا تذکرہ نہیں بلکہ اس میں

حضورؐ کے دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کو یوں بتایا گیا۔

فقام ولم یتورک . پس کھڑے ہوگئے اور بیٹھ کر سرین پر سہارا نہیں لیا۔ (ابوداؤد ج۱ص۱۵۴، طحاوی ج۱ص۱۲۷)

ابو مالک اشعریؓ نے ایک مرتبہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو حضورؐ کی نماز پڑھ کر دکھائی اس میں بھی جلسۂ استراحت نہیں، بلکہ یوں ہے:

ثم کبر فسجد ثم کبر فانتھض قائما . (مسند احمد ج۵ص۳۴۳، مجمع الزوائد ج۱ص۱۹۴) پھر اللہ اکبر کہا پھر سجدہ کیا، پھر اللہ اکبر کہا اور کھڑے ہوگئے۔

اسی طرح تمام اکابر صحابہ جو سفر و حضر میں زیادہ تر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے، جلسۂ استراحت کی نفی کرتے ہیں، اُن کا طریقہ تھا کہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے فارغ ہوتے ہی بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہوجاتے تھے۔

عن ابن مسعود انه کان ینھض فی الصلوٰۃ علیٰ صدور قدمیه ولم یجلس. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۳۹۴) عبداللہ بن مسعودؓ، نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہوجاتے تھے، اور بیٹھتے نہیں تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کے اسی صفحہ پر حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابن ابی لیلیٰ سے بھی اسی قسم کی احادیث وآثار موجود ہیں۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں:

کان عمر وعلی واصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ینھضون فی صلوتھم علی صدور اقدامھم. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۳۹۴) حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر اصحابِ رسولؐ اپنی نمازوں میں اپنے قدموں کے کناروں سے کھڑے ہوجاتے تھے۔

لقمان بن ابی عیاشؒ سے مروی ہے:

قال ادركت غير واحد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فكان اذا رفع احدهم من السجدة الثانية في الركعة الاولىٰ والثالثة نهض كما هو ولم يجلس .

میں نے بہت سے صحابۂ کرامؓ کو پایا ہے، اوران کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوجاتے اور بیٹھتے نہ تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۹۵)

علامہ حافظ ابن قیم حنبلیؒ زادالمعاد میں لکھتے ہیں:

ثم كان صلى الله عليه وسلم ينهض علىٰ صدور قدميه وركبتيه متعمداً علىٰ فخذيه كما ذكر عنه وائل وابوهريرة ولا يعتمد على الارض بيده. (ج۱ص۶۱)

رسول اللہ ﷺ اپنے قدموں اور گھٹنوں کے کناروں سے کھڑے ہوجاتے تھے اپنی ران پر سہارا لیتے ہوئے، جیسا کہ حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے ذکر کیا ہے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر نہیں ٹیکتے تھے۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

وقال اخبرني يوسف بن موسىٰ ان ابا امامة سئل عن النهوض فقال علىٰ صدور القدمين علىٰ حديث رفاعة وفي حديث ابن عجلان مايدل علىٰ انه كان ينهض علىٰ صدور قدميه وقد روى عدة من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وسائر من وصف صلوته

یوسف بن موسیٰؒ نے خبر دی ہے کہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے (سجدوں کے بعد) اٹھنے کے متعلق سوال کیا گیا، انھوں نے فرمایا دونوں قدموں کے کناروں سے کھڑا ہوجائے حدیث رفاعہؓ کے مطابق، اور ابن عجلانؒ کی حدیث میں ہے کہ ابوامامہؓ اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور یہ بات بہت سے صحابۂ کرامؓ نے

صلى الله عليه وسلم لم يذكر هٰذهٖ الجلسة وانما ذكرت فى حديث ابى حميد ومالك بن الحويرث ولو كان هديه صلى الله عليه وسلم فعلها دائما لذكرها كل واصف لصلوته صلى الله عليه وسلم ومجرد فعله صلى الله عليه وسلم لها لايدل علىٰ انها من سنن الصلوٰة الا اذا علم انه فعلها سنة يقتدى به فيها واما اذا قدر انه فعلها للحاجة لم يدل علىٰ كونها سنة من سنن الصلوٰة.

(زادالمعاد ج ۱ ص ۶۱)

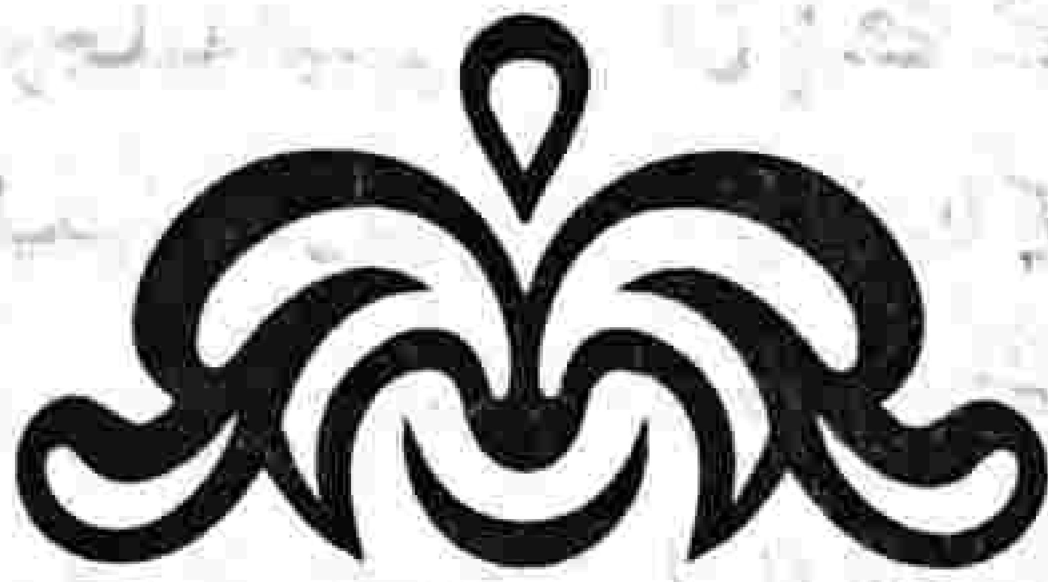
روایت کی ہے۔ اور وہ تمام صحابہؓ جنھوں نے حضور ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا ہے، ان سب نے اس جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کا تذکرہ صرف ابوحمید ساعدیؓ اور مالک بن الحویرثؓ کی حدیث میں ہے۔ لیکن اگر حضورؐ کی یہ مستقل عادت ہوتی تو وہ تمام صحابہ اُسے ضرور نقل کرتے جنھوں نے حضورؐ کے نماز کا طریقہ نقل کیا ہے، اور محض (کسی وقت) حضورؐ کا کر دینا اِس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نماز کی سنت میں سے ہے، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ حضورؐ نے اسے سنت کے خیال سے کیا تھا اور اس ارادہ سے کہ اُس طریقہ کی اقتداء کی جائے، لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ حضورؐ نے اسے ضرورۃً کیا تھا تو وہ کسی طور پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نماز کی سنت میں سے ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص بڑھاپے یا کسی اور مجبوری کے تحت فوراً کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ جائے اور پھر کھڑا ہو جیسا کہ مالک بن الحویرثؓ اور ابوحمید ساعدیؓ کی روایات اُسی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا کہ بیٹھنا سنت ہے اور ضرور بیٹھنا چاہئے، یہ غلط ہے، یہ سنت نہیں، البتہ معذور حضرات کے لئے اس کی گنجائش ضرور ہے، جلسۂ استراحت جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، آرام حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور نماز اس لئے

نہیں کہ آرام کرتے ہوئے پڑھی جائے، ہاں معذور و مجبور حضرات کی بات دوسری ہے۔

## ایک رکعت مکمل

یہ ایک رکعت مکمل ہوگئی، بقیہ رکعتیں بھی اسی طرح ادا کرنا ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ دوسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھنی ہے اور فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ نہیں ملانی ہے، اور سنن ونوافل میں ملانی ہے۔ ہر دو رکعت پر قعدہ ہوگا، اگر دو ہی رکعت والی نماز ہو، تو یہی قعدۂ اخیرہ ہوگا، اور تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر قعدۂ اولیٰ اور تیسری یا چوتھی پر قعدۂ اخیرہ ہوگا۔ اور قعدۂ اخیرہ مکمل ہونے کے بعد سلام پھیر دیا جائے گا اور نماز ختم ہو جائے گی۔



# قعدۂ اولیٰ وقعدۂ اخیرہ

## قعدۂ اولیٰ

قعدۂ اولیٰ وقعدۂ اخیرہ دونوں میں بیٹھنے کا طریقہ ایک ہی ہے، اور وہ وہی جو کہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا بتایا گیا تھا، یعنی دایاں پیر کھڑا رہے اور بائیں پیر کو زمین پر بچھا کر اُسی پر بیٹھ جائے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے التحیات پر بیٹھنے کا ایک عام طریقہ بیان کر رہی ہیں۔ خواہ وہ التحیات قعدۂ اولیٰ میں ہو یا قعدۂ اخیرہ میں۔ حدیث یہ ہے:

وکان یقول فی کل رکعتین التحیة وکان یفرش رجله الیسریٰ وینصب رجله الیمنیٰ وکان ینهی عن عقبة الشیطان وینهی ان یفرش الرجل ذراعیه افتراش السبع وکان یختم الصلوٰة بالتسلیم.

(مسلم ج۱ ص۱۹۴)

آنحضرت ﷺ ہر دو رکعت میں التحیات الخ پڑھتے تھے اور اپنے بائیں پیر کو بچھا دیتے اور دائیں کو کھڑا رکھتے تھے اور شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے تھے۔ اور اِس بات سے منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے دونوں بازوؤں کو درندہ کی طرح بچھا دے اور نماز کو سلام سے ختم کرتے تھے۔

وائل بن حجرؓ سے مروی ہے:

صلیت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قعد وتشهد فرش قدمه الیسریٰ علی الارض وجلس

میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ تشہد میں بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں کو زمین پر بچھا دیا اور اُسی پر

علیہا رواہ سعید بن منصور والطحاوی واسنادہ صحیح۔
(آثار السنن ج ۱ ص ۱۲۳)

اور اُسی پر بیٹھ گئے، روایت کیا اس حدیث کو سعید بن منصور اور طحاوی نے اور اس کی سند صحیح ہے۔

اِس مضمون کی ایک حدیث وائل بن حجرؓ سے ترمذی ج ۱ ص ۳۸ پر بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

من سنۃ الصلوٰۃ ان تنصب القدم الیمنیٰ واستقبالہ باصابعھا القبلۃ والجلوس علی الیسریٰ
(نسائی ج ۱ ص ۱۷۳)

نماز کی سنت میں سے ہے کہ دایاں قدم کھڑا رکھا جائے، اُس کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں، اور بائیں پیر پر بیٹھا جائے۔

ان احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تشہد پڑھنے کا جو وقت بھی ہو خواہ درمیانِ نماز (قعدۂ اولیٰ) یا آخرِ نماز (قعدۂ اخیرہ) بیٹھنے کا طریقہ ایک ہی ہوگا، نہ یہ کہ درمیان نماز الگ طریقہ سے بیٹھیں اور آخرِ نماز الگ طریقہ سے۔(۱)

## تشہّد

تشہد کے معنیٰ ہیں ''گواہ ہونا'' چونکہ التّحیات الخ کے آخر میں کلمۂ شہادتیں بھی ہے، اِس لئے اِس کو تشہد کہتے ہیں۔ ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا ہے، قعدۂ اولیٰ ہو یا قعدۂ اخیرہ۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فاذا صلیٰ احدکم فلیقل التحیات للہ ...... الخ

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ ...... الخ

اس کے بعد حضورؐ نے پورا تشہد اس طرح سکھایا:

---

(۱) جن احادیث میں بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنے کا تذکرہ ہے، وہ بڑھاپے یا کسی دوسرے عذر کی صورت میں ہے، لیکن عام حالات میں دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا وہی طریقہ ہے جو احادیثِ بالا کے حوالہ سے لکھا گیا۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

(بخاری ج ا ص ۱۱۵، مسلم ج ا ص ۱۷۳)

ساری حمد وثنا اور نمازیں اور تمام پاکیزہ چیزیں اللہ کے لئے ہیں، اے نبیؐ! آپؐ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں، سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تشہد آہستہ پڑھا جائے گا۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۵۸، ترمذی ج ا ص ۳۸)

## تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ

لَااِلٰہَ پڑھتے وقت انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنا کر اور چھوٹی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی کو بند کر کے کلمہ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائے اور اِلَّااللّٰہُ پڑھتے وقت کلمہ کی انگلی جھکا دے پھر جتنی دیر بیٹھے اسی حالت میں رہے۔

عن وائل بن حجر قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد حلق الابھام والوسطیٰ ورفع التی تلیھا یدعو بھا فی التشھد.

(ابن ماجہ ص ۶۶)

وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنایا اور اُس انگلی کو اٹھایا جو اُن دونوں سے ملی ہوئی تھی (یعنی انگشتِ شہادت) اشارہ کرتے تھے اس سے تشہد میں۔

مالک بن نمیر خزاعیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا

واضعا يدهٗ اليمنىٰ علىٰ فخذهٖ اليمنىٰ فى الصلوٰة يشير باصبعه.
(نسائی ج۱ ص۱۸۷، ابوداؤد ج۱ ص۱۵۸)

کہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے ہیں اور اس کی انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔

تشہد، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا زبانی اقرار ہے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ عملی اقرار، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

هى أشد على الشيطان من الحديد يعنى السبابه رواه احمد.
(مشکوٰۃ ج۱ ص۸۵)

یہ (انگشتِ شہادت سے اشارہ) شیطان پر تیز تلوار سے زیادہ سخت ہے۔

## قعدۂ اولیٰ میں تشہّد سے زائد نہیں

قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے، اور جو نماز ہو اسی کے اعتبار سے تیسری و چوتھی رکعت پڑھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

علمنى رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد فى وسط الصلوٰة وآخرها فاذا كان وسط الصلوٰة نهض اذا فرغ من التشهد واذا كان آخر الصلوٰة دعا لنفسه بما شاء. (مسند احمد ج۱ ص۴۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا نماز کے بیچ میں اور نماز کے آخر میں، پس جب نماز کے بیچ میں ہوتے تو تشہد کے بعد کھڑے ہو جاتے اور جب نماز کے آخر میں ہوتے تو اپنے لئے جو چاہتے دعاء کرتے۔

## قعدۂ اخیرہ میں درود اور دعاء ماثورہ

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد یہ درود شریف پڑھا جائے جو صحابۂ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین کے دریافت کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سکھایا تھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَعَلیٰ اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَعَلیٰ اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

(بخاری ج۲ص۹۴۰،مشکوٰۃ ج۱ص۸۶)

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر جیسا کہ تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر، بیشک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔

اے اللہ! برکت نازل فرما محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر بے شک تو قابلِ تعریف بزرگی والا ہے۔

درود شریف پڑھنے کے بعد وہ دعاء پڑھی جائے جو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر ہمیں بتائی ہے، دعاء یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (بخاری ج۱ص۱۱۵)

اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں، پس تو ہی میری مغفرت فرما ایسی مغفرت جو محض تیرے فضل سے ہو، اور مجھ پر رحم کر، بیشک تو بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

## سلام اور خاتمۂ نماز

یہ دعا پڑھ کر سلام پھیرے، پہلے دائیں جانب منھ پھیر کر کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ، پھر بائیں جانب منھ پھیر کر کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ دونوں طرف سلام پھیرتے ہی نماز ختم۔

عن عـامـر بـن سعد عن أبيـه قـال كـنـت اریٰ رسـول الـله صلی الله عـليـه وسـلـم يسلم عن يمينه وعن يساره حتیٰ اریٰ بياض خدّه.

(مسلم ج۱ص۲۱۶)

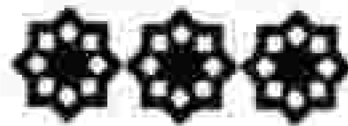
عامر بن سعد اپنے والد حضرت سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ یہاں تک کہ (رُخ موڑنے کی وجہ سے) حضورؐ کے رخسار کی سفیدی دیکھ لیتا۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

ان الـنبی صلی الله عليه وسلم كان يسلم عن يمينه وعن يساره السلام عـلـيـكـم ورحـمـة الـلـه حتـى رأی بياض خدّه.

(ترمذی ج۱ص۳۹،نسائی ج۱ص۱۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں یوں سلام پھیرتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، یہاں تک کہ حضورؐ کے رخسارِ مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی۔



# سلام پھیرنے کے بعد

## ذکر واذکار

سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع پر مختلف قسم کے ذکر واذکار ثابت ہیں، حسبِ موقع جس کا جو جی چاہے پڑھے، حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انصرف من صلوتہ استغفر ثلثا وقال اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذالجلال والاکرام. (مسلم ج ا ص ۲۱۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفار (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہِ) پڑھتے اور یہ دعاء پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ.

بعض موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ ...... الخ ہی پڑھا۔ (حوالۂ مذکورہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے۔

لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیْر. اَللّٰھُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَامُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَاالْجِدِّ مِنْکَ الْجِدُّ.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! کوئی روکنے والا نہیں جو تو عطاء

(بخاری ج۱ص ۱۱۷، مسلم ج۱ص ۲۱۸) کرے، اور کوئی عطاء کرنے والا نہیں جو تو روک دے، اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے فائدہ نہ دے گی۔

حضرت سعدؓ اپنے بیٹوں کو درج ذیل کلمات یاد کراتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ.

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور پناہ مانگتا ہوں رذیل عمر سے اور پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنے اور قبر کے عذاب سے۔

(بخاری ج۲ص ۹۴۲، مشکوٰۃ ج۱ص ۸۸)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے اس کے جنت میں جانے کے لئے صرف موت رکاوٹ ہے، دوسری کوئی رکاوٹ نہیں۔ (مشکوٰۃ ج۱ص ۸۹)

حضرت کعب بن عجرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۴ مرتبہ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہے وہ کبھی بھی (اللہ کے یہاں) ناکام ونامراد نہ ہوگا۔ (مسلم ج۱ص ۲۱۹) اس کو تسبیحِ فاطمہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو یہ کلمات تلقین فرمائے تھے۔

جن نمازوں کے بعد سنت ہے مثلاً ظہر، مغرب، عشاء، اُن میں ان کلمات کو سنت سے فراغت کے بعد کہے، تاکہ سنت میں تاخیر نہ ہو، کیوں کہ ان کلمات کو پڑھنا مستحب ہے اور مستحب پر عمل کرنے کے لئے کسی سنت کو مؤخر کرنا درست نہیں، البتہ جن نمازوں

کے بعد سنت نہیں جیسے فجر اور عصر، اُن میں فرض سے فراغت کے بعد ہی پڑھے۔

## دعاء مانگنا

نماز کے بعد دعاء مانگنے سے دعاء قبول ہوتی ہے:

عن ابی امامة قال قیل یارسول الله! ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الأخر و دبر الصلوٰة المکتوبات.

(ترمذی ج۲ص۱۸۸)

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسولؐ! کونسی دعاء سب سے زیادہ سنی اور قبول کی جاتی ہے، آپؐ نے فرمایا رات کے آخر میں اور فرض نماز کے بعد

نماز افضل عبادت ہے اور دعاء عبادت کا مغز ہے، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدعاء مخ العبادة.

(ترمذی ج۲ص۱۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دعاء عبادت کا مغز ہے۔

لہٰذا عبادت کرنا، لیکن عبادت کے مغز کو نہ حاصل کرنا کتنی ناسمجھی کی بات ہے، اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ نماز کے بعد دعاء ضرور مانگے، تاکہ عبادت اور عبادت کا مغز دونوں حاصل کرے۔

## دعاء میں ہاتھ اٹھانا

دعاء مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے، پھر دعاء کے بعد دونوں کو چہرے پر پھیر لے، حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان ربکم حیّ کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھما صفراً. (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۵)

تمہارا پروردگار حیادار، کریم ہے، اُسے شرم آتی ہے کہ اُس کا بندہ جب اس کی جانب اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ انھیں خالی لوٹا دے۔

امیرالمومنین حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطّھا حتی یمسح بھما وجھہ. (ترمذی ج ۲ ص ۱۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تو انھیں گرانے سے پہلے اپنے چہرے پر پھیر لیتے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتیٰ یریٰ بیاض ابطیہ رواہ البیھقی. (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔

سائب بن یزیدؓ کی روایت میں ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذادعا فرفع یدیہ مسح وجھہ بیدیہ رواہ البیھقی. (حوالۂ مذکورہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور انھیں چہرے پر پھیر لیتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ:

المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیہ اونحوھما. (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۵)

دعاء مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے بالمقابل یا اس کے آس پاس تک اٹھاؤ۔

# نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنے کی احادیث

اب چند حدیثیں خاص فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کے متعلق بھی ملاحظہ کیجئے:

عن الفضل بن عباس قال قال رسول الله ﷺ الصلوٰة مثنیٰ مثنیٰ تشهد فی کل رکعتین وتخشع و تضرّع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعهما الیٰ ربک مستقبلاً ببطونهما وجهک وتقول یارب یارب ومن لم یفعل ذالک فهو کذا وکذا قال ابوعیسیٰ وقال غیر ابن المبارک فی هٰذا الحدیث من لم یفعل ذالک فهو خداج.

(ترمذی ج ا ص ۵۰، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۲۲۰، ابن ماجہ ص ۹۵)

فضل بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز دو، دو رکعت ہے تشہد پڑھنا ہے ہر دو رکعت میں، اور عاجزی و انکساری کرنا ہے اور مسکینی ظاہر کرنا ہے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے پروردگار کی جانب اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں تمہارے چہرے کی طرف ہوں (اور دعاء مانگو) اور کہو اے رب! اے رب! اور جس نے ایسا نہیں کیا اس کی نماز ایسی ہے اور ایسی ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے ایسا نہیں کیا اس کی نماز ناقص و نامکمل ہے۔

اسود بن عامرؓ کی روایت میں ہے:

صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الفجر فلما سلّم انحرف ورفع یدیه ودعا.

(اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۰۷، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲ ص ۲۰۲)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو رُخ موڑا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعاء کی۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رفع یدیه بعدما سلّم وهو مستقبل القبلة فقال اللهم خلص الولید بن الولید اخرجه ابن ابی حاتم.

(معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ نے سلام پھیرنے کے بعد اپنے ہاتھ اٹھائے اس حال میں کہ رُخ قبلہ کی طرف تھا، پس فرمایا اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔

اس کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایت فی عمل الیوم واللیلہ میں اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت المعجم الکبیر للطبرانی میں اور حضرت حبیب بن سلمہ الضمری کی روایت کنزل العمال ج ۱ ص ۱۷۷ میں۔ ان سب احادیث سے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی وانفرادی ہر طرح ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا ثبوت ملتا ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۱۱ و معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲)

## امام کا منہ پھیر کر بیٹھنا

سلام پھیرنے کے بعد امام کے لئے جائز ہے کہ وہ دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھ جائے، خاص طور سے جن نمازوں کے بعد ذکرِ طویل ہو مثلاً فجر اور عصر کے بعد عام طور پر تسبیح فاطمہ پڑھی جاتی ہے۔ امام کو رخ ضرور بدل لینا چاہئے، تاکہ بعد میں آنے والے کو جماعت کے ہوچکنے یا نہ ہوچکنے کے متعلق کوئی مغالطہ یا اشتباہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اس طرح رُخ پھیر کر بیٹھنے کا ثبوت ملتا ہے، کبھی حضورؐ رُخ دائیں طرف کرتے اور کبھی بائیں، کبھی مقتدیوں کی جانب۔

سمرہ بن جندبؓ کی روایت میں ہے:

کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا صلّیٰ صلوٰة اقبل علینا بوجهه.

(بخاری ج ۱ ص ۱۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکتے تو اپنا رخ ہماری طرف پھیر کر بیٹھ جاتے۔

براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضورؐ کے پیچھے دائیں جانب کھڑا ہونا پسند کرتے تھے، کیوں کہ حضورؐ سلام پھیرنے کے بعد دائیں جانب رُخ کر کے بیٹھتے تھے۔

(ابوداؤد ج ا ص ۱۰۶)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لا یجعل احد کم للشیطان شیئا من صلوته یریٰ ان حقا علیه ان لا ینصرف الا عن یمینه لقد رأیت رسول الله ﷺ کثیراً ینصرف عن یساره۔ (بخاری ج ا ص ۱۱۸) | تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے اور یہ سمجھے کہ بس دائیں طرف ہی رُخ پھیر کر بیٹھنا ہے، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف رُخ موڑ کر بیٹھتے بہت دیکھا ہے۔ |

عبداللہ بن مسعودؓ کی ہی دوسری روایت میں ہے کہ بائیں جانب ہی حضورؐ کے حجرۂ اقدس کا دروازہ پڑتا تھا، لہٰذا اٹھ کر حجرے میں تشریف لے جاتے، (مشکوۃ ج ا ص ۸۸ بحوالۂ شرح السنۃ) بہر حال اس سے پتہ چلا کہ رُخ پھیرنے کے لیے کسی ایک رُخ مثلاً دائیں جانب کو متعین کر لینا درست نہیں، اور ایسا کرنا گویا نماز کے کچھ حصہ میں شیطان کو حصہ دار بنانا ہے۔

## سنتوں کے لیے جگہ بدلنا

اگر ایسی نماز ہو کہ فرض کے بعد سنتیں بھی پڑھنا ہو مثلاً ظہر، مغرب، عشاء تو جگہ بدل کر پڑھنا افضل ہے، تاکہ قیامت کے دن وہ جگہ بھی نمازی کی گواہ بن سکے، امام کو بھی جگہ بدل دینی چاہیے اور مقتدیوں کو بھی، بشرطیکہ جگہ بدلنے کی گنجائش ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک نماز کے بعد دوسری نماز شروع کرنے کے درمیان فصل بھی ہونا چاہیے، یہ نہ ہو کہ ادھر ایک نماز سے سلام پھیرا، فوراً دوسری کی نیت باندھ لی، فصل کا مطلب یہ ہے

کہ سلام پھیرنے کے بعد استغفار پڑھ لے یا کوئی اورذکر یادعاء یا پہلی جگہ سے کچھ آگے پیچھے ہٹ جائے یا کسی سے بات کرلے، یہ ساری صورتیں فصل میں داخل ہیں۔

عن الازرق بن قیس قال صلی بنا امام لنا یکنی ابارمثة قال صلیت هذهِ الصلوٰة اومثل هذهِ الصلوٰة مع رسول الله صلی الله علیه وسلم قال وکان ابوبکر وعمر یقومان فی الصف المقدم عن یمینه وکان رجل قد شهد التکبیرة من الصلوٰة فصلی نبی الله صلیٰ الله علیه وسلم ثم سلّم عن یمینه ویساره حتی رأینا بیاض خدیه ثم انفتل کانفتال ابی رمثة یعنی نفسه فقام الرجل الذی ادرک معه التکبیرة الاولیٰ من الصلوٰة یشفع فوثب عمر فاخذ بمنکبیه فهزه ثم قال اجلس فانه لن یهلک اهل الکتاب الا انه لم یکن بین صلوتهم فصل فرفع النبی صلی الله علیه وسلم بصره فقال اصاب الله بک یاابن الخطاب. (ابوداؤدج اص۱۶۰)

ازرق بن قیسؒ کہتے ہیں کہ ہمارے امام ابورمثہؓ نے ہمیں نماز پڑھائی، انھوں نے کہا میں نے یہ نماز یااسی طرح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اورابوبکرؓ وعمرؓ بھی پہلی صف میں حضورؐ کے دائیں جانب کھڑے تھے، ایک آدمی تکبیرِ اولیٰ سے نماز میں شریک تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر دائیں اور بائیں سلام پھیرا، یہاں تک کہ ہم نے حضورؐ کے دونوں رخساروں کی سفیدی دیکھ لی، پھر مڑے میرے مڑنے کی طرح، پس وہ آدمی جو تکبیراولیٰ سے نماز میں شامل تھا، دورکعت کی نیت باندھ کر کھڑا ہوگیا، حضرت عمرؓ جلدی سے اس کی طرف بڑھے، اس کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑا اور فرمایا بیٹھ جا، اس لئے کہ اہلِ کتاب کے ہلاک ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فصل نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھائی

اور فرمایا اے ابن خطابؓ! اللہ نے تمہیں صحیح بات تک پہنچایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ (فرض سے فراغت کے بعد) نوافل وغیرہ میں آگے پیچھے، دائیں، بائیں ہٹنے سے بھی عاجز ہو۔ (یعنی اتنا تو ہٹ ہی جانا چاہئے۔) (حوالۂ مذکورہ)

امام کے جگہ بدلنے کے متعلق یہ روایت ہے:

عن العطاء الخراسانی عن المغیرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لایصلی الامام فی الموضع الذی صلی فیه حتی یتحول. (ابوداؤد ج ا ص ۱۰۷)

عطاء خراسانیؒ حضرت مغیرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ نماز پڑھے امام اس جگہ، جہاں پڑھ چکا ہے یہاں تک کہ جگہ بدل دے۔



# عورت اور مرد کی نماز کا فرق

عورت اور مرد کی جسمانی ساخت میں جو فرق پایا جاتا ہے، شرعی احکام و مسائل میں جگہ جگہ ان کا پاس ولحاظ کیا گیا ہے۔ طہارت کے مسائل ہوں یا حج وروزہ کے، عورت کے عورت ہونے کا کسی نہ کسی حکم سے اظہار ہو ہی جائے گا۔

اسی طرح اسلام کی سب سے مہتم بالشان عبادت نماز میں بھی عورت اور مرد کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق موجود ہے، فرض کے اعتبار سے بھی اور طریقۂ ادا کے اعتبار سے بھی۔

غور کیجئے! نمازِ جمعہ وعیدین مرد پر فرض ہیں، عورت پر نہیں، (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۲، ابن ماجہ ص ۹۴) مرد کے لئے سب سے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شامل ہو کر نماز ادا کرے، اور احادیثِ کریمہ میں اس پر بہت زور بھی دیا گیا ہے، مگر عورت کا سب سے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر وہ بھی کسی گوشے میں نماز ادا کرے۔ اور اسی پر سب سے زیادہ ابھارا بھی گیا ہے۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۰، مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۷، المعجم الکبیر للطبرانی)

گویا بھیڑ بھاڑ کی جگہوں سے عورت کو بچانے کی کوشش کی گئی اور ہر اُس چیز سے اُسے دور رکھا گیا جس میں اس کی نسوانیت پر کسی قسم کی آنچ آنے کا خطرہ ہو، اُس کا عورت پَن متاثر ہو۔

اسی طرح پردہ عورت کے لئے ایک لازمی چیز ہے، اور مختلف طریقوں سے عورت کو منع کیا گیا ہے کہ اس کے اعضائے نسوانی نمایاں ہوں، بلکہ حکم یہی ہے کہ وہ زیادہ

سے زیادہ اپنے اعضاء کو چھپائے اور پردہ وستر کا لحاظ کرے۔

لہٰذا نماز جیسی اہم عبادت میں بھی بعض مخصوص مواقع پر عورت کا طریقۂ نماز مرد سے مختلف ہوگیا۔ وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے پردہ کا لحاظ کیا جائے، اس کے اعضائے نسوانی کا اعلان واظہار نہ ہو، مثلاً عورت ہمیشہ اپنی اوڑھنی و چادر کے اندر سے ہی دونوں ہاتھ صرف کندھے تک اٹھائے جب کہ مرد کے لئے یہ حکم صرف جاڑے کے موسم میں ہاتھوں کے چادر وغیرہ میں لپٹے ہوئے ہونے کی صورت میں تھا۔ (حدیث وائلؓ ابوداؤد ج۱ص۱۲۱) مردوں کو سجدہ میں پیٹ رانوں، سے اور بازو، بغل سے جدا رکھنے چاہئیں اور عورت کو ملا ہوا۔ اسی طرح مرد کی کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی ہوں اور عورت کی بچھی ہوئی ——— مردوں کو بیٹھنے کی حالت میں بائیں پاؤں پر بیٹھنا چاہئے اور دائیں پاؤں کو انگلیوں کے بل کھڑا رکھنا چاہئے اور عورتوں کو بائیں سرین کے بَل بیٹھنا چاہئے اور دونوں پاؤں دائیں جانب نکال دینے چاہئیں بعض نمازوں میں مرد جہری قرأت کرے گا، مگر عورت کبھی بھی جہری قرأت نہیں کرسکتی کیوں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے، جس پر متعدد آیات واحادیث شاہدِ عدل ہیں۔

اب وہ چند احادیثِ کریمہ بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں عورت اور مرد کے طریقۂ نماز کے فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی بنیاد عورت کی نسوانیت اور اس کے پردہ کو قرار دیا گیا ہے۔

یزید بن حبیبؒ سے مروی ہے:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مـرّ عـلـیٰ امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضمّا بعض اللحم الیٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ

الارض فان المرأة ليست في ذالک کالرجل. (مراسیل ابوداؤد ص ۸)

حصہ زمین سے ملالیا کرو کیوں کہ عورت کا حکم اس میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

واذا سجدت الصقت بطنها بفخذها کاستر مایکون لها.

عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکالے اس طرح کہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ پردہ ہوجائے۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۱۱۷)

غور کیجئے اس ارشادِ نبوی میں عورت کے پردہ کا تذکرہ کتنے صاف طور پر آ گیا، گویا اصل اور بنیادی چیز یہی ہے۔ المغنی میں ہے:

قال علی رضی الله عنه اذا صلت المرأة فلتحفذ ولتضم فخذيها.

(ج ۲ ص ۵۶۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب عورت نماز پڑھے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی دونوں رانوں کو ملائے رکھے،

اسی صفحہ پر ہے:

وعن ابن عمر رضی الله عنه انه كان يامر النساء ان يتربعن فی الصلوٰة.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو ہوکر بیٹھیں۔

اس طرح بیٹھنے کا حکم دینے کی وجہ بھی یہی تھی کہ حضرت ابن عمرؓ چاہتے تھے کہ عورت زیادہ سے زیادہ پردہ کا لحاظ کر کے نماز پڑھے۔

تمام ائمہ کبار نے عورت اور مرد کی نماز میں اس بنیادی فرق (پردہ) کا اعتبار کیا ہے۔

وتسدل رجليها فتجعلهما فی جانب يمينها قال أحمد والسدل

عورت سدل کرے، یعنی دونوں پیروں کو دائیں جانب نکال دے، امام احمد بن

اعجب الیّ۔ حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک عورت کے لئے سدل زیادہ پسندیدہ ہے۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی ج۱ص۵۶۲)

عورتوں کی نماز کے سلسلے میں مصنف ابن ابی شیبہ سے چند آثار نقل کئے جاتے ہیں، حضرت عطارؒ فرماتے ہیں،

(۱) ان للمرأة هيئة ليست للرجال (ج۱ص۲۳۹) عورت کی ایک خاص ہیئت ہے جو مرد کی نہیں ہے۔

(۲) حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا تکبیر تحریمہ میں یوں ہاتھ اٹھاتیں کہ:

ترفع كفيها حذو منكبيها حين تفتح الصلوٰة. (حوالۂ مذکورہ) اپنی دونوں ہتھیلیوں کو کندھوں کے مقابل اٹھاتیں جب نماز شروع کرتیں۔

(۳) عن ابراهيم قال اذا سجدت المرأة فلتزق بطنها بفخذيها ولاترفع عجيزتها ولاتجافى كما يجافى الرجل. (حوالۂ مذکورہ) حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے چپکائے اور اپنی سرین کو بلند نہ کرے اور اعضا کو اس طرح دور نہ رکھے جس طرح مرد دور رکھتا ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی قسم کی روایات موجود ہیں۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۲۷۰)



# قضا نمازوں کی ادائیگی

اگر نماز قضا ہوجائے، جان بوجھ کر، یا بھول کر، یا سوئے رہنے کی وجہ سے تو وہ ذمہ سے ساقط نہیں ہوگئی، بلکہ اسے جلد از جلد ادا کرنا اور اپنے سر کا بوجھ اتارنا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا جابجا ارشاد اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ (نماز قائم کرو) اُن صورتوں کو بھی شامل ہے جب نماز کا وقت آجائے، اور اُن صورتوں کو بھی جب نماز کسی وجہ سے قضا ہوجائے، نماز بہر حال پڑھنی پڑے گی، خواہ ادا پڑھے یا قضا، اگر ادا نہیں پڑھی ہے تو قضا پڑھے، کیوں کہ نہ پڑھنے کی صورت میں، بندہ پر اللہ کا ایک قرض باقی رہے گا، اور اللہ کے قرض کو جلد از جلد ادا کر دینے کی فکر کرنی چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فاقضوا الله فهو أحق بالوفاء. (نسائی ج۲ ص۳)

اللہ کا قرض ادا کرو، وہ ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

فدين الله أحق. (نسائی ج۲ ص۴)

اللہ کا قرض زیادہ حقدار ہے کہ اسے ادا کیا جائے

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے:

قال نبی الله صلى الله عليه وسلم من نسي صلوة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها اذا ذكرها. (مسلم ج۱ ص۲۴۱، بخاری ج۱ ص۸۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو پڑھ لے۔

دوسری حدیث میں ہے:

اذا رقد أحدكم عن الصلوٰة اوغفل عنها فليصلها اذا ذكرها فان الله عزوجل يقول اقم الصلوٰة لذكري.

(حوالۂ مذکورہ)

جب کوئی شخص نماز سے سو جائے یا غافل رہ جائے تو اسے پڑھ لے جب یاد آئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔

اگر کئی وقت کی نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی تین نمازیں لگاتار قضاء ہو گئیں ظہر، عصر، مغرب، پھر جب حضورؐ نے عشاء کے وقت ان کی قضاء شروع کی تو بالترتیب پڑھا یعنی پہلے ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء۔ ایسا نہیں کیا کہ عشاء کا وقت ہونے کی وجہ سے پہلے عشاء پڑھ لی ہو پھر قضاء، نمازیں پڑھی ہوں۔ حضورؐ کے اس عمل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر قضاء نمازیں کم ہوں یعنی پانچ یا پانچ کے اندر ہوں تو ترتیبِ ادائیگی میں وقتیہ نماز پر قضاء نماز کو اولیت حاصل ہوگی۔

عن ابی عبیدة بن عبدالله بن مسعود قال قال عبدالله ان المشركين شغلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اربع صلوٰت يوم الخندق حتى ذهب من الليل ماشاء الله فأمر بلالاً فأذن ثم أقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى العصر ثم أقام فصلى المغرب ثم أقام فصلى العشاء.

(ترمذی ج۱ ص۲۵، نسائی ج۱ ص۱۰۲)

ابوعبیدہؒ اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نمازیں نہیں پڑھنے دیں یہاں تک کہ رات کا اُتنا حصہ چلا گیا جتنا اللہ نے چاہا، پھر حضورؐ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی، پس ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب پڑھی، پھر اقامت کہی تو عشاء پڑھی۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کا باب یوں قائم کیا ہے باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوٰة بأیتهن یبدأ (جس شخص کی کئی نمازیں چھوٹ گئی ہوں وہ کس نماز سے ادائیگی شروع کرے) —— امام نسائیؒ نے باب یوں باندھا ہے باب کیف یقضی الفوائت من الصلوٰة (فوت شدہ نمازیں کیسے ادا کی جائیں)

نمازوں کی قضاء کا یہ واقعہ بخاری ج ۱ ص ۸۴، اور مسلم ج ۱ ص ۲۲۷ پر بھی موجود ہے، مگر اس میں اتنا مفصّل نہیں، مختصر ہے، پھر بھی اس میں اتنی بات موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر، غروبِ آفتاب کے بعد، نمازِ مغرب سے پہلے ادا کی، اور یہ بھی قضا اور وقتیہ کے درمیان ترتیب پر ہی دلالت کرتا ہے، بخاری شریف میں حدیث کا باب یوں ہے: باب قضاء الصلوٰت الأولیٰ فالأولیٰ (نمازوں کی قضا کا بیان، جو ترتیب میں پہلی ہے وہ قضا میں بھی پہلی ہے)

خلاصہ یہ کہ حضورؐ کے عمل سے قضاء نمازوں میں ترتیب ثابت ہے، دوسری طرف خود حضورؐ کا یہ ارشاد ہے:

صلّوا کما رأیتُمونی أصلّی. (بخاری ج ۱ ص ۸۸) نماز اُسی طرح پڑھو، جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ حضورؐ کی سنت پر چلتے ہوئے ہمیں بھی قضاء نمازیں بالترتیب ادا کرنی ہیں، اس کے علاوہ حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے بھی قضاء اور وقتیہ میں ترتیب اور قضاء کا وقتیہ پر مقدم ہونا ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں فرمایا گیا ہے:

أن یصلّیها اذا ذکرها (مسلم ج ۱ ص ۲۴۱) پڑھ لے جب اسے یاد کرے۔

گویا قضاء نماز جس وقت بھی یاد آئے اسے پڑھنا ہے، (۱) اور یہ یاد آنا وقتیہ نماز

---

(۱) بشرطیکہ وہ وقت اوقاتِ ممنوعہ میں سے نہ ہو۔

کے وقت بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا پہلے اسی کو پڑھنا ہے، اس سے فارغ ہوکر وقتیہ کو پڑھنا ہے اور وقتیہ پڑھنے کے دوران یاد آئے تو وقتیہ مکمل کر کے قضاء والی نماز پڑھے اور وقتیہ کا اعادہ کرے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ثابت ہے۔

**عن نافع عن ابن عمر انه كان يقول من نسى صلوٰة من صلاته فلم يذكرها الاوهو مع الامام فاذا سلم الامام فليصل صلوته التى نسى ثم ليصل بعدها الصلوٰة الاخرىٰ.**

(مؤطا امام محمد ص ۱۳۵)

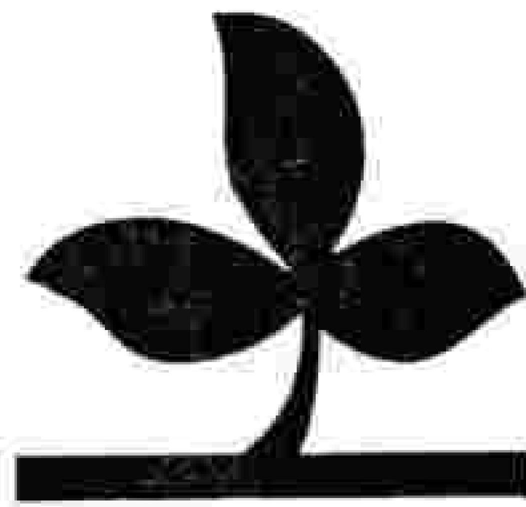
نافع'' کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جو اپنی نمازوں میں سے کوئی نماز بھول جائے اور اُسے اُس وقت یاد کرے جب امام کے ساتھ نماز میں ہو پس جب امام سلام پھیرے تو یہ شخص اپنی بھولی ہوئی نماز پڑھ لے، پھر اس کے بعد دوسری نماز (امام والی) پڑھے۔

دارقطنی اور بیہقی میں بھی یہ روایت موجود ہے، بعض نے اسے مرفوعاً نقل کیا ہے، بعض نے موقوفاً۔ دارقطنی وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں:

**ثم ليصل التى ذكرها ثم ليعد التى صلّى مع الامام.**

پھر پڑھے اُس نماز کو جسے یاد کیا ہے، پھر وہ نماز دہرائے جو امام کے ساتھ پڑھی ہے۔

طحاوی جلد دوم ص ۲۲۵ پر بھی اسی مضمون کی روایات موجود ہیں۔



# نمازِ وتر

## وتر تین رکعات

وتر کے معنیٰ طاق کے ہیں، وتر چونکہ تین رکعات ہوتی ہے اور تین رکعات ظاہر ہے کہ طاق عدد ہے، اسی لئے نماز وتر کو وتر کو کہتے ہیں۔ تین رکعات وتر کی احادیث و آثار ملاحظہ ہوں۔

## احادیثِ نبویہ

۱- بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۴، مسلم ج ۱ ص ۲۵۴، نسائی ج ۱ ص ۲۴۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۵، مؤطا امام مالک ص ۴۴، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶ پر ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ:

انه سأل عائشة رضی الله تعالیٰ عنها کیف کان صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان قالت ماکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولافی غیره علیٰ احدیٰ عشرة رکعة. یصلی اربعاً فلاتسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعاً فلاتسئل

انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ''رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، پہلے چار رکعتیں پڑھتے، پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں، پھر

عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثاً۔ | چار رکعت پڑھتے پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں، پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

اس میں چار چار ملا کر کل آٹھ رکعت نماز تہجد ہوتی تھی اور تین رکعات وتر جسے آخر میں ثم یصلی ثلاثاً (پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے) سے بیان کیا—امام نسائی یہ حدیث باب کیف الوتر ثلاثاً (تین رکعت وتر کیسے ہوگی) کے تحت لائے ہیں، اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان، ہمیشہ حضور کا معمول تین ہی رکعت وتر کا تھا۔

۲۔ امام نسائیؒ نے نسائی شریف ج ۱ ص ۲۴۸ میں کیف الوتر بثلاث (تین رکعات وتر کیسے پڑھی جائے؟) کا باب قائم کر کے حضرت عائشہ کی ہی ایک دوسری روایت یوں نقل کی ہے:

عن سعد بن هشام ان عائشة حدثته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لايسلم فی رکعتی الوتر۔ | سعد بن ہشامؒ سے مروی ہے کہ اُن سے حضرت عائشہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت مستدرک حاکم میں ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لايسلم فی الرکعتين الاولیين من الوتر (ج ۱ ص ۳۰۴) | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی شروع کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام حاکمؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط ہے، (حوالۂ مذکورہ) علامہ ذہبیؒ نے بھی تلخیص مستدرک میں حاکم کے بیان کی

تصدیق کی ہے۔

۴۔عن محمد بن علی عن أبیه عن جده عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قام من اللیل فاستاک ثم صلی رکعتین ثم نام ثم قام فاستاک ثم توضأ فصلی رکعتین حتی صلی ستاً ثم اوتر بثلاث الخ (مسلم ج۱ ص۲۶۶، نسائی ج۱ ص۲۴۹)

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اپنے والد سے، وہ اپنے والد عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے پس آپؐ نے مسواک کی پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر سو گئے، پھر اُٹھے مسواک کی اور دو رکعت نماز پڑھی، یہاں تک کہ اسی طرح چھ رکعتیں پڑھیں۔ پھر تین رکعت وتر پڑھی۔

۵۔احادیث کریمہ میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں میں کون سورت کس رکعت میں پڑتے تھے:

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی الله عنهما قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوتر بثلاث یقرأ فی الاولی "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الأَعْلٰی" وفی الثانیة "قُلْ یا أَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ" وفِی الثالثة "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أحدٌ"۔ (ترمذی ج۱ ص۶۱، نسائی ج۱ ص۲۴۹، ابن ماجہ ص۸۳)

سعید بن جبیرؒ، عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الأَعْلٰی" پڑھتے، دوسری میں "قُلْ یا أَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ"، تیسری میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أحدٌ"۔

اس قسم کی روایتیں مسند احمد ج۶ ص۲۲۷، طحاوی ج۱ ص۱۴۰، مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۲۹۹، اور دارمی وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

۶- عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر تہجد کے ساتھ پڑھتے تھے، یعنی عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتے، پھر اٹھتے تو تہجد اور وتر ساتھ ساتھ پڑھتے، (۱) اور نمازِ تہجد، حضورؐ نے مختلف احوال واوقات میں مختلف رکعتوں کے ساتھ پڑھی ہے، کبھی چار، کبھی چھ، کبھی آٹھ، کبھی دس لہٰذا وتر کو شامل کرنے سے یہ نمازیں کبھی سات بنتی ہیں، کبھی نو، کبھی گیارہ، کبھی تیرہ۔

چنانچہ اس پس منظر میں ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۳، اور طحاوی ج ۱ ص ۱۳۹ کی یہ حدیث ملاحظہ کریں:

| | |
|---|---|
| عن عبدالله بن ابی قیس قال سألت عائشة رضی الله عنها بکم کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوتر قالت بأربع وثلاث وست وثلاث وثمان وثلاث ولم یکن یوتر بأکثر من ثلٰث عشرة ولاأنقص من سبع. | عبداللہ بن ابی قیسؒ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے؟ فرمایا چار اور تین کے ساتھ، چھ اور تین کے ساتھ، آٹھ اور تین کے ساتھ، اور آپؐ کی وتر کی رکعتیں نہ تیرہ سے زیادہ ہوتیں نہ سات سے کم۔ |

اس حدیث میں تہجد اور وتر دونوں کو ملا کر وتر کہہ دیا گیا۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ موقع محل، گنجائش اور حالات کے اعتبار سے نماز تہجد میں تو کمی بیشی ہوتی رہتی تھی مگر نمازِ وتر، تین کی تین ہی رہتی تھی۔ نہ اس میں کمی ہوتی نہ زیادتی۔

یہی مفہوم ہے سعد بن ہشامؒ کی اس روایت کا جو مسلم ج ۱ ص ۲۵۶ پر حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہے جس میں وتر کی سات اور نو رکعتوں کا تذکرہ ہے کہ تہجد کی چار رکعات اور وتر کی تین کے ساتھ مل کر سات ہو گئیں، اور تہجد کی چھ رکعات، وتر کی تین مل کر نو رکعتیں ہوئیں۔

(۱) اس کتاب کے ص ۶۹ پر مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۸ کے حوالہ سے بتایا جا چکا ہے کہ جو شخص خود سے بیدار ہو جانے کی توقع رکھتا ہو اس کے لئے رات کے آخری حصہ میں ہی وتر پڑھنا مستحب ہے۔

یہ مفہوم اس لئے بھی متعین ہے کہ مسلم شریف کی یہی روایت بالکل اسی سند سے نسائی ج اص ۲۴۸، مستدرک حاکم ج اص ۳۰۴، موطا امام محمد ص ۱۵۱، طحاوی ج اص ۱۳۷، دار قطنی ص ۱۷۵، بیہقی ج ۳ص ۳۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۲۹۵، اور مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۶ وغیرہ میں بھی موجود ہے اور اس نے بالصراحت وتر کی تین رکعات سے کم یا زیادہ کے احتمال کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ (۱)

جہاں تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے جو ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں آئی ہے اور جس میں وتر کی ایک، تین اور پانچ رکعتوں کا تذکرہ ہے۔ تو اوّلاً وہ مرفوع نہیں، بلکہ اکثر محدثین کے نزدیک حضرت ابوایوبؓ کا اپنا قول ہے (دیکھئے التلخیص الجبیر ج ۲ص ۱۳) دوم نسائی کی روایت میں ہے کہ جو چاہے ایک رکعت بھی وتر نہ پڑھے بلکہ اشارہ کرے وَمَنْ شَاءَ أومیٰ اِیماءً (نسائی ج اص ۲۴۹) گویا ایک رکعت بھی غائب، ''اشارہ'' کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھنے کا تعلق مجبور و مریض سے ہے کہ جو کہ تین رکعات پر قادر نہ ہو وہ ایک رکعت ہی پڑھ لے اور ایک پر بھی قادر نہ ہو تو اشارہ سے پڑھے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت مفہوم و معنیٰ کے اعتبار سے مضطرب اور مرفوع و موقوف ہونے کے اعتبار سے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں۔

---

(۱) انھیں احادیث کی بناء پر مستحب یہ ہے کہ اگر رات کو اٹھ کر وتر پڑھنا ہو تو وتر سے پہلے دو چار رکعت نفل بھی پڑھ لے تا کہ مغرب کی مشابہت نہ ہو جس کی ممانعت ہے، کیوں کہ نماز مغرب بھی تین رکعت اور اس سے پہلے نفل نہیں ہے تو اگر وتر سے پہلے بھی دو چار رکعت نفل نہ پڑھے تو مغرب سے مشابہت ہو جائے گی، طحاوی ج اص ۱۴۳، دار قطنی ص ۱۷۱ وغیرہ۔

# آثارِ صحابہؓ وتابعینؒ

## حضرت عمرؓ اور تعاملِ اہلِ مدینہ

۱- مستدرک حاکم میں سعد بن ہشامؒ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ والی روایت میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لایسلم الافی اٰخرھن، وھذا وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنہ اخذہٗ اھل المدینۃ. (ج ۱ ص ۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے، اور سلام ان کے آخر میں ہی پھیرتے تھے۔ اور یہی امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بھی وتر ہے۔ انھیں سے اہلِ مدینہ نے لیا۔

۲- عن مسور بن مخرمۃ رضی اللہ عنہ قال دفنّا ابابکر رضی اللہ عنہ لیلۃ فقال عمر رضی اللہ عنہ انی لم اوتر فقام فصففنا وراءہ فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی اٰخرھنّ.

(طحاوی ج ۱ ص ۱۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۳، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۰)

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رات میں دفن کیا (جب دفن سے فارغ ہوئے) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے وتر نہیں پڑھی ہے؟ پس کھڑے ہوئے اور ہم نے بھی ان کے پیچھے صف لگائی، پس ہمیں تین رکعات نماز پڑھائی اور سلام اُن کے آخر میں پھیرا۔

غور کیجئے! خلیفۂ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دفن سے فراغت کے فوراً بعد کا واقعہ ہے۔ حالات بتاتے ہیں کہ اس موقع پر اکابر صحابہؓ موجود رہے ہوں گے، ان کی

موجودگی میں حضرت عمرؓ نے تین رکعت وتر پڑھی اور بقیہ لوگوں نے بھی صف بستہ ہوکر پڑھی اور سلام دو رکعت پر نہیں بلکہ آخری تیسری رکعت پر پھیرا گیا۔

**حضرت علیؓ:-** حضرت علی کرم اللہ وجہہ وتر اسی طرح پڑھتے تھے۔

عن ذاذان ابی عمران علیًا کرم الله وجهه کان یفعل ذالک.

ذاذان ابوعمرؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی یہی کہا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۲۹۳)

**عبداللہ بن مسعودؓ:-** حضرت علقمہؒ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا عبدالله بن مسعود رضی الله عنه اهون مایکون الوتر ثلاث رکعات. (موطا امام محمد ص۱۵۰)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وتر کی کم سے کم تین رکعتیں ہیں۔

ان کے علاوہ درج ذیل صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تین رکعات وتر کی روایتوں کے لئے ملاحظہ کیجئے! مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۲۹۴، طحاوی ج۱ص۱۳۶و۱۴۳، مؤطا امام محمد ص۱۵۰، مصنف عبدالرزاق ج۳ص۲۶ وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابوامامہ باہلیؓ۔

اسی طرح انھیں کتابوں کو دیکھئے! درذیل تابعین وتبع تابعین کی روایتوں کے لئے بھی، یہ سب حضرات وتر کی تین ہی رکعات بتاتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔

حضرت علقمہؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ، اصحاب علیؓ، مدینہ منورہ کے سات فقہاء۔ حضرت سعید بن المسیب، حضرت قاسم بن محمدؒ، حضرت عروہ بن زبیرؒ، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ، حضرت خارجہ بن زیدؒ، حضرت عبیداللہ بن عبداللہؒ، حضرت سلیمان بن یسارؒ۔ رحمهم الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

# ایک رکعت وتر نہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عن البتیرا (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۷۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

مشہور محدث ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

لانعلم فی روایات الوتر مع کثرتھا انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اوتر بواحدۃ فحسب (تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۵)

وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہم نہیں جانتے کہ کسی روایت میں آیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک رکعت وتر پڑھی ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

ماأجزأت رکعۃ واحدۃ قط. (مؤطا امام محمد ص ۱۵۰)

وتر کی ایک رکعت کبھی بھی کافی نہیں ہوسکتی۔

بعض حضرات کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ان روایات سے شبہہ ہوا:

۱ – الوتر رکعۃ من اٰخر اللیل. (مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)

وتر ایک رکعت ہے، رات کے آخر میں۔

۲ – صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعۃ قبل الصبح. (ابن ماجہ ص ۸۳)

رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور وتر ایک رکعت ہے صبح سے قبل۔

مگر ان روایات سے ایک رکعت وتر پڑھنا مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ماسبق کی دو رکعت کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر اسے وتر بنا دو، کیوں کہ جب تک دو رکعت تھی وہ وتر نہ تھی جفت تھی اور جب اس کے ساتھ ایک رکعت مل گئی تو وہ تین ہو کر وتر بن گئی۔

یہ جواب ہمارا خانہ ساز نہیں بلکہ بخاری شریف کے شارح، مشہور محدث علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے کہ وہ خود ہی ان احادیث کا مطلب لکھ کر ہمیں جواب دینے کی زحمت سے سبکدوش کر گئے۔ لکھتے ہیں:

وتعقب بأنه ليس صريحا فى الفصل فيحتمل ان يريد بقوله صلى ركعة واحدة اى مضافة الىٰ ركعتين مما مضىٰ. (فتح الباری ج۵ ص۳۸۵)

یہ حدیث وتر کی ایک رکعت الگ پڑھنے میں صریح نہیں، کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ پہلے کی دو رکعتوں کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر تین رکعت وتر پڑھی۔

چونکہ وتر کا ہونا ایک رکعت ملانے پر موقوف ہوتا ہے اسی لئے اُس ایک رکعت پر وتر کا اطلاق کر دیا گیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وتر کی حقیقت ہی صرف ایک رکعت ہے ——— جیسے بعض احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ الحج عرفة (حج عرفہ کا نام ہے)(۱) اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وقوفِ عرفہ حج کا رکنِ اعظم ہے اور حج کی حقیقت اس کے بغیر متحقق نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج کی ساری حقیقت صرف وقوفِ عرفہ ہے، اب نہ احرام کی ضرورت، نہ تلبیہ کی، نہ طواف و سعی کی، نہ دوسرے مناسک کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ:

ان رجلا سأل النبى ﷺ عن صلوٰة الليل فقال رسول الله ﷺ صلوٰة الليل مثنىٰ مثنىٰ فاِذاخشى احدكم الصبح صلى ركعة واحدة توتر له ماقد صلّىٰ. (بخاری ج۱ ص۱۳۶، مسلم ج۱ ص۲۵۷)

ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے متعلق دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے، پس جب تم میں سے کوئی صبح صادق ہو جانے کا اندیشہ کرے تو ایک رکعت پڑھ لے وہ اس کی پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی۔

---

(۱) جامع صغیر ج۱ ص۱۵۱ بحوالہ سنن اربعہ و مسند احمد وغیرہ۔

گویا دو، دو رکعت پڑھتا جائے اور جب طلوعِ صبحِ صادق کا اندیشہ ہو تو آخر والی دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر پڑھ لے، یہ ایک رکعت اس کی پہلی دو رکعت کو وتر بنا دے گی (کیوں کہ دو رکعت جفت تھی اب ایک مل کر تین ہو گئی تو وتر بن گئی)

بالکل یہی مفہوم ہے عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کا:

| | |
|---|---|
| الوتر رکعة من اٰخر الليل. | وتر ایک رکعت ہے رات کے آخری حصہ |
| (مسلم ج ۱ ص ۲۵۷) | میں۔ |

کیوں کہ اس طرح یہ تیسری رکعت رات کی نماز میں بالکل آخری ہوگی، اس کے بعد صبح ہو جائے گی اور فجر کا وقت شروع ہو جائے گا۔

ہاں بعض صحابۂ کرامؓ سے ایک رکعت وتر پڑھنے کی بھی روایتیں ملتی ہیں مگر یہ اُن کا اپنا اجتہاد تھا۔ جو احادیثِ مرفوعہ کثیرہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔

## وتر کا طریقہ

وتر پڑھنے کا طریقہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ وہی ہے جو نماز مغرب کا ہے، یعنی دو رکعت پر تشہد کے لئے بیٹھنا ہے، اس کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا ہے، تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے اور سورہ ملانے کے بعد الله اكبر کہہ کر دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک اٹھا کر پھر باندھ لینا ہے، اور اب دعائے قنوت پڑھنا ہے، دعائے قنوت کے بعد رکوع و سجدہ و قعدہ اخیرہ دیگر نمازوں کی طرح ادا کر کے نماز کو سلام پھیر کر ختم کر دینا ہے۔

وتر پڑھنے کا یہ طریقہ احادیثِ کریمہ سے ثابت ہے جیسا کہ نیچے درج کی جا رہی ہیں۔

۱- دو رکعتوں پر سلام نہ پھیرا جائے بلکہ نماز مغرب کی طرح دو رکعت پر قعدۂ اولیٰ کر کے کھڑے ہو جائیں اور تیسری رکعت پر سلام پھیریں۔

| | |
|---|---|
| ان عائشة حدثته ان رسول الله | حضرت عائشہؓ نے حدیث بیان کی ہے کہ |

| | |
|---|---|
| صلی الله علیه وسلم کان لایسلم فی رکعتی الوتر. (نسائی ج۱ص۲۴۸) | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ |

موطا امام محمد ص ۱۵۰ اور مستدرک حاکم ج۱ص۳۰۴ پر بھی اسی قسم کی احادیث موجود ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہے:

| | |
|---|---|
| قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الوتر ثلاث کثلاث المغرب. (مجمع الزوائد ج۲ص۲۴۲) | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وتر تین رکعات ہے، مغرب کی تین رکعتوں کی طرح۔ |

حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| الوتر کصلوٰة المغرب (موطا امام محمد ص۱۵۰) | وتر، نمازِ مغرب کی طرح ہے۔ |

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:

| | |
|---|---|
| کان ابی بن کعب رضی الله عنه یوتر بثلاث لایسلّم الا فی الثالثة مثل المغرب (مصنف عبدالرزاق ج۳ص۲۶) | حضرت ابی بن کعبؓ وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے، اور نماز مغرب کی طرح سلام تیسری رکعت میں ہی پھیرتے تھے۔ |

ابوالعالیہ کی روایت میں ہے:

| | |
|---|---|
| الوتر مثل صلوٰة المغرب غیر انا نقرأ فی الثالثة. (طحاوی ج۱ص۱۴۳) | وتر نماز مغرب کی طرح ہے، مگر یہ کہ ہم وتر کی تیسری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں۔(۱) |

مندرجہ بالا احادیث وآثار سے صاف ظاہر ہے کہ وتر میں نماز مغرب کی طرح دو رکعت پر تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھنا ضروری ہے۔ اِن کے علاوہ درج ذیل احادیث نبویہ بھی اسی کی مؤید ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

---

(۱) یعنی سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ وغیرہ ملاتے ہیں جب کہ نماز مغرب میں ایسا نہیں۔

وکان یقول فی کل رکعتین التحیة (مسلم ج۱ص۱۹۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعت میں "التحیات" ہے۔

فضل بن عباسؓ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ مثنیٰ مثنیٰ تشھد فی کل رکعتین۔ (ترمذی ج۱ص۵۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز دو، دو رکعت ہوتی ہے۔ ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے۔

۴- دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھنی ہے:

حدثنا عاصم قال سألت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن القنوت فقال کانت القنوت قلت قبل الرکوع او بعدہٗ قال قبلہ قلت فان فلاناً اخبرنی عنک انک قلت بعد الرکوع فقال کذب انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدالرکوع شھراً۔

(بخاری شریف ج۱ص۱۳۶)

عاصم احولؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا قنوت ہوتی تھی، میں نے پوچھا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟ فرمایا رکوع سے پہلے، میں نے کہا فلاں شخص نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ قنوت رکوع کے بعد ہے، فرمایا اس نے جھوٹ کہا، رکوع کے بعد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ قنوت پڑھی ہے۔

اس حدیث میں ایک ماہ جس قنوت کے پڑھنے کا تذکرہ ہے وہ قنوتِ نازلہ ہے جو کہ دشمنوں کے غلبہ کے خوف کے وقت رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

بخاری شریف کی اس روایت کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں دعائے قنوت، رکوع کے بعد پڑھنے کا تذکرہ ہے۔

ابی بن کعبؓ کی روایت نسائی شریف میں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كـان يـوتـر بثلاث ........... ويقنت قبل الركوع. (ج ا ص ۲۴۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے .......... اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے۔

ابن ماجہ میں ہے:

كان يوتر فيقنت قبل الركوع. (ص ۸۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تو قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

۳- دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے اللّٰـه اكبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے تکبیر تحریمہ کے مانند۔

ثم قعد ثم قام ولم يفصل بينهما بالسلام ثم قرأ (بقل هو الله أحد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد) حتى اذا فرغ كبر ثم قنت فدعابما شاء الله ان يدعوه ثم كبر وركع.

(استیعاب ج ۴ ص ۴۵۰ و ۴۵۱ علی ہامش الاصابہ)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ کیا، پھر کھڑے ہوئے اور دو رکعت اور تیسری رکعت میں سلام سے فصل نہیں کیا (یعنی قعدۂ اولیٰ کے بعد بغیر سلام پھیرے کھڑے ہوگئے) پھر قل هو الله أحد الخ پڑھی یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو الله اكبر کہا پھر دعائے قنوت پڑھی اور اللہ کو جو منظور تھا دعائیں کیں پھر الله اكبر کہہ کر رکوع کیا۔

اسودؒ سے مروی ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه كان يرفع يديه اذا قنت في الوتر. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۷)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب وتر میں قنوت پڑھتے۔

یہی بات امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع الیدین ص ۲۴ پر بھی لکھی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا جیسا کہ امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے:

عن ابی عثمان کان عمر رضی الله عنه یرفع یدیه فی القنوت.

ابو عثمانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

(جزء رفع الیدین ص ۲۸)

۴- دعائے قنوت پڑھنے کے لئے ہاتھوں کو اٹھانے کے بعد پھر دوبارہ اسی ہیئت کے مطابق ہاتھوں کو باندھ لینا ہے کیوں کہ قیام کی حالت میں نماز میں ہاتھ باندھنا ہی مشروع ہے نہ کہ ہاتھوں کو اٹھانے کے بعد کھلا چھوڑ دینا، یا ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنے لگنا۔ کیوں کہ نماز میں جتنی بھی دعائیں منقول ہیں کسی کسی بھی دعا کو ہاتھ اُٹھا کر پڑھنے کا تذکرہ کسی حدیث میں نہیں، بلکہ جس حالت میں جو دعاء پڑھنے کا حکم ہے وہی حالت برقرار رہے گی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ دعاء پڑھنے کے لئے حالت بدل دی جائے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعاء پڑھی جانے لگے، نماز میں یہ قطعاً غیر مشروع طریقہ ہے، جو نماز کے اندر مروی دعائیں پڑھنے کے معروف طریقہ سے ہم آہنگ نہیں۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس طریقہ کو بدعت قرار دیا۔

أرأیتم رفعکم فی الصلوٰۃ واللّٰه انه لبدعة مازاد رسول الله صلی الله علیه وسلم علیٰ هذا قط فرفع یدیه حیال منکبیه رواه الطبرانی.

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۷)

دیکھو! یہ جو تم نماز میں ہاتھ اُٹھا کر قنوت پڑھتے ہو خدا کی قسم یہ بدعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ کبھی نہیں کیا، پھر عبداللہ بن عمرؓ نے رفعِ یدین کر کے دکھایا۔

لہٰذا جب رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھنی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حالت قیام کی

حالت ہے، اور قیام کی حالت میں ہاتھ بندھے رہتے ہیں، اس لئے ہاتھ اُٹھانے کے بعد پھر باندھ لئے جائیں گے اور اس ہیئت میں کوئی تبدیلی نہ لائی جائے گی۔

## وتر کا قنوت

وتر کا قنوت یہ ہے:

اَللّٰھمّ اِنّا نستعِینکَ و نستغفِرکَ ونؤمِنُ بِک ونتوکّلُ علیک ونُثنی علیک الخیر ونشکُرُکَ ولا نکفُرُک وَنخلَعُ ونترُکَ مَن یفجُرُکَ اللّٰھمُ اِیّاکَ نَعبُدُ وَلکَ نُصلّیْ وَنَسجُدُ وَاِلیکَ نَسعیٰ وَنحفِدُ وَنرجُوْ رَحمَتکَ وَنخشیٰ عَذابَکَ اِنّ عذابَکَ بِالکُفّارِ مُلحِقٌ.

(سنن بیہقی باب دعاءقنوت،
قیام اللیل للمروزی ص۲۳۲)

اے اللہ! ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری اچھی تعریفیں کرتے ہیں اور ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور ہم الگ ہوجاتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے نماز پڑھتے ہیں اور تیرے ہی لئے سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف دوڑتے ہیں اور تیری عبادت میں جلد مستعد ہوجاتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تیرا عذاب کافروں پر نازل ہونے والا ہے۔

امت کا اجماع ہے کہ وتر با جماعت صرف رمضان المبارک میں ہی پڑھی جائے گی رمضان کے علاوہ اور دنوں میں نہیں، کیوں کہ جماعت سے وتر پڑھنے کا تذکرہ

احادیث کریمہ میں صرف رمضان المبارک کے لئے آیا ہے۔ (دیکھئے تراویح کی بحث ص ۳۷۰)

## وتر کے بعد نفل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کے بعد دو رکعت ہلکی پھلکی نفل پڑھنا بھی ثابت ہے۔

عن ام سلمة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین. (ترمذی ج ۱ ص ۶۲)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں نماز پڑھتے تھے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

خفیفتین وهو جالس (ص ۶۵)

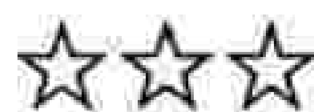
دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے بیٹھ کر۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلیهما بعد الوتر وهو جالس یقرأ فیهما اذا زلزلت وقل یاایها الکفرونَ رواه احمد (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، دونوں میں اذا زلزلت الخ اور قل یاایها الکافرون الخ پڑھتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ان دونوں رکعتوں کو بیٹھ کر پڑھتے تھے، مگر ہمیں اور آپ کو کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے ورنہ ثواب آدھا ملے گا۔ (احادیث کریمہ ص ۴۷۹ پر آرہی ہیں)



# نماز جمعہ

## جمعہ کے احکام

مریض، مسافر، عورت، بچے، غلام اور مجنون کے علاوہ تمام لوگوں پر لازم ہے کہ نماز جمعہ میں شریک ہوں، اور شریک نہ ہونے والے سخت گنہگار ہوں گے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فعلیہ الجمعة یوم الجمعة الامریض اومسافر اوامرأة اوصبی اومملوک فمن استغنیٰ بامراو تجارة استغنی اللہ عنه واللہ غنی حمید رواہ الدارقطنی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۲)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے، سوائے مریض، مسافر، عورت، بچے اور غلام کے، پس جو شخص لہو ولعب یا کاروبار میں مشغول رہ کر اس سے غافل رہا، اللہ تعالیٰ اس سے اپنی توجہ بھی ہٹالے گا اور اللہ بے نیاز قابلِ تعریف ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص سستی اور کاہلی سے تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۷)

جمعہ کے دن سویرے سے ہی جمعہ کی تیاری کرنا، سویرے جامع مسجد پہنچنا غسل کرنا، مسواک کرنا، صاف ستھرے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا مسنون و مستحب ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۲۱، مسلم ج ۱ ص ۲۸۰، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۰) صفوں کو چیرنا اور پھلانگنا، اور خطبہ کے وقت بات چیت کرنا یا نماز وغیرہ پڑھنا کچھ بھی جائز نہیں، بس خاموش رہنا چاہئے۔

عن سلمان الفارسی قال قال النبی صلی الله علیه وسلم لایغتسل رجل یوم الجمعة ویتطهر مااستطاع من طهر ویدّهن من دهنه اویمس من طیب بیته ثم یخرج فلایفرق بین اثنین ثم یصلی ماکتب لہ ثم ینصت اذا تکلّم الامام الاغفر له مابینه وبین الجمعة الاخریٰ. (بخاری ج۱ص۱۲۱)

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور حسبِ استطاعت خوب پاکی حاصل کرے اور تیل یا خوشبو لگائے پھر نمازِ جمعہ کے لئے نکلے اور وہاں پہنچ کر کسی دو میں تفریق نہ کرے (یعنی لوگوں کو چیر کر اپنی جگہ نہ بنائے بلکہ جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائے) پھر نماز پڑھے جو مقرر کی گئی ہے اور جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے، ایسے شخص کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ صغیرہ بخشدیئے جائیں گے۔

# جمعہ کی دواذانیں

جمعہ کے دن دواذانیں دی جائیں، ایک اذانِ خطبہ سے اتنی دیر پہلے ہونی چاہئے کہ لوگ مسجد میں آکر پورے اطمینان کے ساتھ سنت پڑھ سکیں اور سنت سے فارغ ہوکر پرسکون ہوکر خطبہ سنیں، اور دوسری خطبہ کے وقت خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد خطیب کے سامنے دی جائے۔

عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعة اوله اذا جلس الامام علی المنبر علیٰ عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر

سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جائے،

وعمر فلمّا کان عثمان و کثر الناس زاد النداء الثالث علی زوراء فثبت الامر علیٰ ذالک.

(بخاری ج۱ص۱۲۴و۱۲۵، ابوداؤد ج۱ص۱۷۱)

جب حضرت عثمانؓ کا زمانۂ خلافت آیا اورلوگوں کی تعداد بڑھ گئی توانھوں نے زیادہ کی تیسری اذان مقام زوراء پر، پس امر اسی پرثابت ہوگیا (یعنی اسی پر اجماع صحابہؓ ہوگیا)

یہ تیسری اذان وہی ہے جو سب سے پہلے ہوا کرتی ہے، چونکہ تعیین کے اعتبار سے اس کا تیسرا نمبر ہے، اسی لئے اسے تیسری اذان کہا گیا۔ اور معنوی اعتبار سے اقامت کو بھی اذان میں شامل کردیا گیا۔ اسی طرح کل تین اذانوں کا اس حدیث میں تذکرہ ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو اسی لئے متعین کیا تھا کہ عہدِ رسالت سے دوری ہونے کے سبب لوگوں کے اندر کچھ کچھ اضمحلال اور سستی پیدا ہونے لگی تھی، اور جمعہ کی حاضری میں وہ جلد بازی نہیں ہوتی تھی جو عہدِ رسالت، عہد صدیقی وعہدِ فاروقی میں پائی جاتی تھی، اس جلد بازی کے سبب یہ خطرہ نہیں ہوتا تھا کہ خطبۂ جمعہ، جس کے بعد نہ نماز ہے نہ کلام بلکہ خطبہ کوہی بغور سننے کا حکم ہے، اس کا کچھ حصہ فوت ہوجائے گا، لیکن بعد میں یہ خطرہ پیدا ہوا تو ایک اور اذان اس مقصد سے متعین کردی کہ اب لوگ پہلی ہی اذان سنکر مسجد میں پہنچ جائیں گے اور دوسری اذان تک سنت وغیرہ سے فارغ ہوکر خطبہ سننے کے تیار رہیں گے، خطبہ کا کوئی حصہ سننے یا اس طرف دھیان لگانے سے قاصر نہیں رہے گا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ کے اس فعل کو سبھی نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور امت کا اس اذان پر اجماع ہوگیا جو کہ خود حجتِ شرعی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان اللــه لایجـمع امتی اوقال امّة

اللہ تعالیٰ میری امت کو یا حضورؐ نے فرمایا تھا

محمد علیٰ ضلالة رواه الترمذی. (مشکوۃ ج۱ص۳۰)

کہ امتِ محمدؐ کو (راوی کو شک ہے) کسی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

دوسری روایت میں ہے:

اتبعوا السواد الاعظم رواه ابن ماجه. (مشکوۃ ج۱ص۳۰)

سوادِ اعظم(۱) کی اتباع کرو۔

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والا گروہ) اُسے قرار دیا ہے جو سنتِ رسولؐ اور سنتِ صحابہ پر عمل پیرا ہو۔

قالوا من هی یارسول الله قال ما أنا علیه وأصحابی. (ترمذی ج۲ص۸۹عن عبداللہ بن عمرؓ)

صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! نجات پانے والا گروہ کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہو۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ دامادِ رسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سنت ہے جو کہ خلفائے راشدین میں تیسرے خلیفۂ راشد ہیں، اور خلفائے راشدین کی سنت بھی حجت شرعیہ ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ اسے بھی مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافا کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ.

تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑتا ہے جو کہ ہدایت یافتہ ہیں، اسے خوب مضبوطی سے پکڑے رہو۔

---

(۱) یعنی جس پر مسلمانوں کے اکثر اہل الرائے متفق ہوں۔

## جمعہ کا وقت

جمعہ کی نماز دو رکعت ہے اور اس کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے، جن پر نمازِ جمعہ واجب ہے وہ نمازِ جمعہ ہی پڑھیں گے ظہر نہیں پڑھیں گے۔ جن پر نمازِ جمعہ نہیں وہ بھی نمازِ جمعہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جس کی نماز جمعہ فوت ہوگئی وہ جمعہ کی قضا نہیں کرے گا بلکہ ظہر پڑھے گا۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أدرك من الجمعة ركعة فليصل اليها اخرىٰ ومن فاتته الركعتان فليصل اربعاً اوقال الظهر رواه الدارقطنى.

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو جمعہ کی ایک رکعت پالے وہ دوسری رکعت بھی اس کے ساتھ ملائے اور جس کی دونوں رکعتیں چھوٹ گئیں وہ چار رکعت ظہر پڑھے۔

ایک دوسری روایت میں تمام نمازوں کے متعلق عمومی حکم یوں دیا جا رہا ہے:

اذا اقيمت الصلوٰة فلاتاتوها وانتم تسعون واتوها تمشون وعليكم السكينة فماادركتم فصلوا ومافاتكم فاتموا.

(بخاری ج ۱ ص ۸۸ و ۱۲۴، مسلم ج ۱ ص ۲۲۰)

جب نماز کھڑی ہو جائے تو (نماز میں شامل ہونے کے لئے) دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ اطمینان کے ساتھ چلتے ہوئے پرسکون انداز میں آکر شامل ہو جاؤ پس جو پالو اسے امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے (بعد میں) پورا کرلو۔

## جماعت کی کم از کم مقدار

نمازِ جمعہ کی جماعت میں امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی ہونے چاہئیں۔ کیوں

کہ سورۂ جمعہ میں ارشاد خداوندی ہے:

| | |
|---|---|
| اِذا نُودِیَ لِلصَّلوٰۃِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ (آیت-۹) | جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے (اذان دی جائے) پس اللہ کے ذکر کی طرف سبقت کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دو |

آیتِ کریمہ میں لفظ فَاسْعَوْا (پس سبقت کرو) جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، دوسری طرف اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ (اللہ کے ذکر کی طرف) میں ''ذکر'' سے بالاجماع خطبۂ جمعہ مراد ہے، گویا خطیب کے علاوہ تین آدمی ہونے چاہئیں، اس کے علاوہ لفظ ''جمعہ'' خود جماعت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا آیت کو اس کے پورے مفہوم میں لینے کی صورت میں ضروری ہے کہ جمعہ کی جماعت میں امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی اور بھی ہوں۔

## دیہات میں جمعہ نہیں

نمازِ جمعہ، مسلمانوں کی خاص، اجتماعی زندگی کی علامت ہے یعنی شہری زندگی۔ یہی وجہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے لئے شہر یا مضافاتِ شہر کا ہونا ضروری ہے۔ دیہات میں جمعہ نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

| | |
|---|---|
| یٰـاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذا نُودِیَ لِلصَّلوٰۃِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ ذَالِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (جمعہ-۹) | اے ایمان والو! جب نماز کے لئے جمعہ کے دن پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سبقت کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ |

اس آیت میں جمعہ کی اذان ہوتے ہی خرید وفروخت اور کاروبار بند کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جمعہ وہاں ہوگا جہاں خرید وفروخت

کا سلسلہ قائم ہو، لوگ لین دین میں لگے ہوئے ہوں لہٰذا اذان ہوتے ہی لین دین بند کر دیں اور ظاہر ہے کہ دیہات کاروبار اور تجارت و لین دین کی جگہ نہیں، کاروباری مراکز شہر ہی ہوتے ہیں۔

بہر حال کسی بھی اذان کے وقت خرید و فروخت کے چھوڑنے کا ذکر نہیں، مگر جمعہ کے لئے بطور خاص اس بات کو بیان کرنا جمعہ کی خصوصی تمدنی شان کو واضح کرتا ہے۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مسجد نبویؐ میں تو جمعہ کی نماز ہوتی تھی مگر کم از کم چھ سال تک مسجد نبوی کو چھوڑ کر حضورؐ نے کہیں بھی جمعہ قائم کرنے کا حکم نہیں دیا جب کہ اس چھ سال کے عرصہ میں مدینہ منورہ سے دور کے علاقوں میں بھی اسلام پھیل چکا تھا مگر کہیں بھی جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی، پھر دوسرا جمعہ جواثٰی میں ہوا جو بحرین کا ایک شہر ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ اس وقت ہوا جب وفد عبدالقیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا، جب یہ لوگ واپس جواثٰی پہنچے تو وہاں جمعہ کی نماز قائم کی اور مسجد نبوی کے بعد تاریخِ اسلام میں دوسرا خطبۂ جمعہ دیا گیا، جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں "ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مسجد عبدالقیس بجواثیٰ من البحرین۔ "

(بخاری ج ا ص ۱۲۲)

جواثٰی گاؤں نہیں تھا، شہر تھا، تجارتی مرکز تھا، کھجور کی تجارت میں خاص طور سے ضربُ المثل تھا، وہاں قلعہ تھا، بلند و بالا مکانات تھے، بڑی آبادی اور بارونق بازار تھے، زمانۂ جاہلیت کے اشعار میں بھی وہاں کی تجارتی مرکزیت کا ذکر ملتا ہے، مثلاً امرؤ القیس کا قصیدہ، مورخین اور جغرافیہ دانوں کی تصریحات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، چار ہزار سے زیادہ کی آبادی تھی، (دیکھئے تفصیل کے لئے آثار السنن ج ۲ ص ۷۹ کا حاشیہ و بذل المجہود ج ۲ ص ۱۶۹)

یہاں کسی کوشبہہ نہیں ہونا چاہئے کہ ابوداؤد کی روایت میں تو جواثی کوقریہ کہا گیاہے (ج۱ص۱۶۹) کیوں کہ ''قریہ'' کالفظ شہر پر بھی بولا جاتا ہے۔ ''قریہ'' سے یہ سمجھ لینا کہ وہ دیہات یا گاؤں تھا، صحیح نہیں، خودقرآن میں مکہ مکرمہ اور طائف کے لئے'' قریہ'' کالفظ استعمال کیا گیا ہے جب کہ جزیرۃ العرب کے یہی دوسب سے اہم شہر تھے، سورۂ زخرف میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَقَالُوْا لَوْلَانُزِّلَ هٰذاالقرانُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْم (آیت۳۱) | کفار نے کہا، کیوں نہ نازل کیا گیا یہ قرآن دونوں قریوں کے کسی بڑے آدمی پر۔ |

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ'' قریہ'' سے مراد، یہاں دیہات ہے؟ کیوں کہ مکہ اور طائف دیہات تھے؟ اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں بھی جواثی کو'' قریہ'' کہہ دیا گیا حالانکہ وہ شہر تھا جیسا کہ تفصیلات گذریں، جس کا جی چاہے کتبِ لغات اٹھا کر دیکھ لے، ''قریہ'' کااطلاق شہر اور دیہات دونوں پر ہوتا ہے اور قرآن کے استعمال کے بعد تو معترض کی زبان بہرحال بند ہوجانی چاہئے۔

سورۂ یوسف میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّافِيْهَا. (آیت-۱۹) | اور پوچھ لیجئے! اس قریہ والوں سے جس میں ہم تھے۔ |

یہاں'' قریہ'' سے مراد مصر ہے اور ظاہر ہے کہ مصر کے شہر ہونے میں کسے شبہہ ہوسکتا ہے۔ سورۂ محمد میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِىَ اَشَدُّ قُوَّةٍ مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِىْ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنَا هُمْ فَلَانَاصِرَ لَهُمْ. (آیت-۱۳) | اور کتنے قریے جوزیادہ قوت وشوکت والے تھے، آپؐ کے اس'' قریہ'' سے جس نے آپ کونکالا، ہم نے ان کو ہلاک وبرباد |

کر دیا پھر انھیں کوئی مدد گار نہ ملا۔

اس آیت میں ''آپ ؐ کے قریہ'' سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور '' کتنے قریوں'' سے مراد وہ شہر ہیں جو مکہ مکرمہ سے بھی زیادہ آباد وشاداب تھے۔

ان دونوں آیتوں میں ''قریہ'' کا لفظ شہر پر بولا گیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

وفد عبد القیس کی آمد۔ باختلاف روایت۔ ۶ھ یا ۸ھ میں ہوئی تھی، ہجرت کے کم از کم چھ سال تک صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا رہا اور وہ جگہ تھی مسجدِ نبوی۔ حالانکہ اس عرصہ میں اسلام مدینہ منورہ کے باہر دور دور تک پھیل چکا تھا، مگر چونکہ وہ سب علاقے گاؤں اور دیہات تھے، اس لئے جمعہ قائم نہ ہوا، جب شہر جواثی کے باشندے (وفد عبد القیس) آئے تو جواثی میں نمازِ جمعہ شروع ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

| | |
|---|---|
| كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي. | لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اور عوالی سے جمعہ کے لئے باری باری آتے تھے۔ |

(بخاری ج۱ص ۱۲۳، ابوداؤد ج۱ص ۱۶۷)

ظاہر بات ہے کہ اگر مدینہ منورہ کے باہر کے باشندوں پر جمعہ فرض ہوتا تو وہ باری باری نہ آتے بلکہ سب کے سب آتے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے علامہ قرطبی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ج۲ص ۳۰۹)

معلوم ہوا کہ دیہات والوں پر جمعہ فرض ہی نہیں ہوتا، بخاری ج۱ص ۱۲۳ پر حضرت عطا کا ایک اثر منقول ہے اس میں بھی ''قری جامعۃ'' کی قید لگی ہوئی جو شہر کا ہی ہم معنیٰ ہے۔

ہجرت کے موقع پر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام قبا میں چودہ یا چوبیس دن (باختلافِ روایت) قیام فرمایا، اس دوران جمعہ بھی آیا مگر نمازِ جمعہ خود

پڑھنا یا پڑھنے کا حکم دینا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں، البتہ وہاں سے جب جمعہ کے دن مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسجد بنی سالم بن عوف میں آپؐ نے نمازِ جمعہ پڑھائی، یہ تاریخ اسلام کا پہلا جمعہ تھا جو مدینہ منورہ کے ایک محلّہ کی مسجد میں ادا کیا گیا۔ (بذل ج۲ص۱۷۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع جو حج اکبر کے نام سے موسوم ہے بالاتفاق جمعہ کے دن ہوا تھا مگر آپؐ نے میدانِ عرفات میں جمعہ نہیں پڑھا اور نہ اہلِ مکہ کو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا بلکہ ظہر کی نماز پڑھی، جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے:

| | |
|---|---|
| ثم اذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ولم یصل بینهما شیئاً. (مسلم ج۱ص۳۹۷) | پھر اذان دی پھر اقامت کہی، پس ظہر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی پس عصر کی نماز پڑھی اور دونوں کے بیچ میں کچھ نہیں پڑھا۔ |

اس سے بھی ثابت ہوا کہ ہر جگہ جمعہ نہیں ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، میدان عرفات میں جمعہ ترک کر کے نمازِ ظہر نہ پڑھتے، خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لاجمعة ولاتشريق ولاصلاةَ فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۱۰۱، مصنف عبدالرزاق ج۳ص۱۶۷) | جمعہ، تشریق، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ مصر جامع (شہر) یا بڑے قصبہ کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ |

بہرحال اِن احادیث وآثار سے صاف ظاہر ہے کہ دیہات میں جمعہ نہیں ہے لیکن اگر دیہات کے لوگ شہر میں آکر جمعہ میں شریک ہوں تو اجازت ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں گزرا۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص۳۰ پر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور ائمۂ مجتہدین شہروں میں ہی جمعہ قائم فرماتے تھے، اور دیہات والوں کو اس کا مکلّف نہیں بناتے تھے۔

البتہ موجودہ دور کے اعتبار سے ایک مسئلہ باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ آج کل عام طور پر گاؤں اور دیہات میں بھی جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو کیا وہاں جمعہ بند کرا کے نمازِ ظہر پڑھوائی جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ہونا تو یہی چاہئے، مگر اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ اگر جمعہ بند کرانے کے نتیجے میں فتنہ وفساد کا ڈر ہو یا یہ خوف کہ جمعہ میں تو جیسے تیسے لوگ آ بھی جاتے ہیں، ظہر قائم کی جائے تو لوگ ظہر میں شریک ہی نہیں ہوں گے، جیسے ہفتہ کے بقیہ دنوں میں ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ ہفتہ کی ایک وقت کی نماز بھی چھوڑ بیٹھیں گے۔ اِن حالات میں گاؤں اور دیہات میں ہونے والے جمعہ کو باقی رکھا جائیگا۔

# جمعہ کی سنتیں

نمازِ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے:

عن ابن مسعود قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلى قبل الجمعة اربعاً و بعدها اربعاً.

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔

(ترمذی ج۱ص۶۹)

دوسری روایت میں ہے:

اذاصلىٰ احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعاً. (مسلم ج۱ص۲۸۸)

جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھ لے تو چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت پڑھے۔

ابوداؤد کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نمازِ جمعہ کے بعد چھ رکعت

منقول ہیں، چار ایک سلام سے، دو ایک سلام سے (ج۱ص۱۷۶)

بعض روایتوں میں خطبۂ جمعہ سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کا بھی تذکرہ آتا ہے لیکن وہ نہ واجب ہے نہ سنتِ مؤکدہ، بلکہ مستحب ہے، وجہ بھی ظاہر ہے وہ یہ کہ جب تحیۃ المسجد عام حالات میں واجب یا سنت نہیں تو خاص اس وقت کیسے واجب یا سنت ہو جائے گی۔

## خطبۂ جمعہ

جمعہ کے دو خطبے ہیں، دونوں منبر پر کھڑے ہو کر نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر دیئے جائیں، دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھنا ہے۔

عن ابن عمر قال كان النبی صلی الله عليه وسلم يخطب خطبتين كان يجلس اذاصعدالمنبر حتی يفرغ اراه المؤذن ثم يقوم فيخطب ثم يجلس ولايتكلم ثم يقوم فيخطب. (ابوداؤد ج۱ص۱۷۲)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے، پہلے منبر پر چڑھنے کے بعد بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ موذن اذان سے فارغ ہو جاتا، پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر (ایک خطبہ دیکر) بیٹھ جاتے اور خاموش رہتے اس کے بعد پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔

خطبہ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور نصیحت آمیز باتوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔
(بخاری ج۱ص۱۲۶ وغیرہ)

## خطبہ کی اذان منبر کے سامنے

خطبہ کی اذان خطیب کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد خطیب کے سامنے دی جائے گی:

كان يوذن بين يدی رسول الله

اذان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

صلی الله علیه وسلم .
(آثار السنن ج ۲ ص ۹۴)

سامنے دی جاتی تھی۔(۱)

دوسری روایت میں ہے:

عن السائب بن یزید قال کان بلال یوذن اذاجلس رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنبر یوم الجمعة فاذانزل اقام ثم کان کذالک فی زمن ابی بکر وعمر رضی الله عنهما. (نسائی ج ۱ ص ۲۰۷)

سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد اذان دیتے، پھر جب حضورؐ خطبہ سے فارغ ہو کر اترتے تو بلالؓ اقامت کہتے، پھر ایسے ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی رہا۔

اِس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوا کرتی تھی، ورنہ اگر حضرت بلالؓ مسجد کے اندرونی حصہ کے باہر دروازے کے پاس اذان دیتے تو اندر آنے اور اقامت کہنے کے لئے لازماً لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آنا پڑتا، بلکہ جانا بھی پڑتا، گردنیں پھلانگ کر، اور آنا بھی پڑتا گردنیں پھلانگ کر، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ میں بطورِ خاص گردنوں کو پھلانگ کر آنے جانے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے، تو کیا یہ ممکن تھا کہ ایک طرف تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گردنوں کو پھلانگنے پر غصہ کا اظہار فرمائیں، اور سختی کے ساتھ منع کریں، دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے وہی کام کرائیں ـــــ معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ منبر کے سامنے ہی

---

(۱) ابوداؤد کی جس روایت میں بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم اذاجلس علی المنبر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب آپ منبر پر بیٹھ جاتے) کے علاوہ علیٰ باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر) کا تذکرہ ہے۔اس میں علی باب المسجد کے الفاظ سائب بن یزیدؓ کی صرف اس روایت میں ہیں جو محمد بن اسحاق سے مروی ہے اور محمد بن اسحٰق پر ائمہ جرح وتعدیل نے شدید جرحیں کی ہیں۔ جن میں امام مالکؒ، نسائیؒ، دارقطنیؒ، سلیمان تیمیؒ، ہشام بن عروہ وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس جرح کا تذکرہ ص ۲۱۸ پر بھی موجود ہے۔

اذان دیا کرتے تھے، وہیں موجود رہتے تھے اور خطبہ کے بعد اقامت بھی کہہ دیتے تھے، کہیں آنے جانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ گردنوں کو پھلانگنا لازم آئے۔

جمعہ کے دن گردن پھلانگ کر آنے جانے کی ممانعت بہت سی حدیثوں میں وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث یہ ہے:

عن ابی الزاھریة قال کنت مع عبدالله بن بسر صاحب النبی ﷺ یوم الجمعة فجاء رجل یتخطیٰ رقاب الناس فقال عبدالله بن بسر جاء رجل یتخطی رقاب الناس یوم الجمعة والنبی صلی الله علیه وسلم یخطب فقال له النبی صلی الله علیه وسلم اجلس فقد اٰذیت.

(ابوداؤد ج۱ ص۱۷۵، نسائی ج۱ ص۲۰۷)

ابوالزاہریہؒ کہتے ہیں کہ میں ایک جمعہ کو صحابئ رسولؐ حضرت عبداللہ بن بسرؓ کے ساتھ تھا، اچانک ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، عبداللہ بن بسرؓ نے کہا کہ اسی طرح جمعہ کے دن، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے دوران ایک شخص گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، حضورؐ نے اس سے فرمایا بیٹھ جا، تو نے ایذا پہنچائی۔

## خطبہ عربی میں ہونا چاہئے

سورۂ جمعہ آیتِ کریمہ فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰهِ (پس اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو) میں ''ذکر'' سے مراد خطبۂ جمعہ ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج۹ ص۴۵۶ وغیرہ۔

بخاری ومسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

فاذا خرج الامام طووا صحفھم ویستمعون الذکر.

(بخاری ج۱ ص۱۲۷، مسلم ج۱ ص۲۸۱و۲۸۳)

پس جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو وہ اپنے رجسٹر بند کردیتے ہیں اور توجہ کے ساتھ ذکر (خطبہ) سنتے ہیں۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے:

احضروا الذکر وادنوا من الامام. (ج۱ص۱۷۴) ذکر (خطبہ) میں حاضر رہو اورامام سے قریب رہو۔

اِس سے معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ، ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ ہی اس کا اصل مقصد ہے، نہ کہ وعظ و نصیحت، اور ظاہر ہے کہ ''ذکراللہ'' کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، نہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ جو ذکر کر رہا ہے یا جس کے سامنے ذکر کر رہا ہے وہ اس کا ترجمہ ومطلب بھی سمجھے، بلکہ ذکر عربی زبان میں ہی کیا جاتا ہے، خواہ کوئی مطلب نہ سمجھے، جہاں مقصد و عظ وتذکیر ہو وہاں سامعین کی زبان استعمال کرنی چاہئے، لیکن جہاں یہ مقصد ہی نہ ہو بلکہ صرف ذکراللہ مقصود ہو وہاں یہ خیال ہی لغو ہے کہ سامعین سمجھیں بھی۔

تلاوتِ قرآن، نماز، اذان واقامت، تکبیراتِ نماز، تمام ذکر واذکار اور دعائیں، کیا اِن سب کا مطلب سمجھنا ضروری ہے اور اگر پڑھنے والے یا جس کے سامنے یہ چیزیں پڑھی گئیں، اُن کا معنیٰ ومطلب نہ سمجھے تو یہ سب چیزیں بے فائدہ ہوں گی؟ خاص طور سے قرآن مجید کا تو مقصد ہی ہدایت ورہنمائی ہے، وعظ و نصیحت ہے، تبلیغِ احکامِ الٰہی ہے تو تلاوت کے وقت آیاتِ قرآنی کا معنیٰ ومطلب سمجھنا ضروری ہے؟ اور بے مطلب سمجھے ہوئے تلاوت بے فائدہ ہے؟!

حقیقت یہ ہے کہ اِن تمام چیزوں کا اصل مقصد ادائے عبادت اور ذکر اللہ ہے، اور ادائے عبادت وذکراللہ میں خود معنیٰ ومطلب سمجھنا یا مخاطبین کو سمجھانا ضروری نہیں ہوتا، اب ذکراللہ کے ساتھ ساتھ ضمناً تذکیر بھی پائی جائے تو یہ ایک ضمنی ہی چیز ہوگی، اصل مقصود نہ ہوگی۔

خطبۂ جمعہ پر ادائے جمعہ موقوف ہے۔ اگر خطبہ کا اصل مقصد وعظ وتذکیر ہوتا تو ادائے جمعہ کو اس پر موقوف کر دینے کے کوئی معنیٰ نہ تھے، پھر یہ کہ تذکیر تو جمعہ کے بعد بھی

ہوسکتی تھی، تو یہ کیوں لازم کر دیا گیا کہ جمعہ سے پہلے ہی ضروری ہے۔

خطبۂ جمعہ کے لئے ظہر کا وقت بھی شرط ہے، اگر کوئی خطیب خطبہ، زوال سے پہلے دے اور نماز زوال کے بعد پڑھائے تو نمازِ جمعہ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ خطبہ ظہر کے وقت میں نہیں ہوا، لہٰذا زوال کے بعد پھر سے خطبہ دینے کے بعد نماز ہونی چاہئے—— اگر خطبہ وعظ ونصیحت ہی ہے تو پھر زوال سے پہلے اور بعد میں ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ زوال سے پہلے خطبہ دیدینے سے بھی تو وعظ وتذکیر ہوگئی تھی۔

وعظ ونصیحت لوگ نہ سنیں تو بے فائدہ ہے مگر خطیب نے خطبہ ایسے لوگوں کے سامنے دیا جو بہرے ہوں یا بیٹھے بیٹھے سو گئے ہوں تو بھی خطبہ ادا ہوگیا۔ اب نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر خطبہ کا مقصد وعظ وتذکیر ہو تو اس صورت میں کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وعظ وتذکیر ہوگئی؟ اور خطبہ ادا ہوگیا؟

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ظہر کی فرض چار رکعت ہے اور جمعہ دو رکعت، اور جو جمعہ پڑھتا ہے، اسے ظہر نہیں پڑھنا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ظہر کے اعتبار سے اس کی دو رکعت کم ہوگئی، لہٰذا خطبۂ جمعہ اسی دو رکعت کے تدارک کے طور پر فرض کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں الخطبة موضع الركعتين (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۳۷) ''جمعہ کا خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔'' سوال یہ ہے کہ وہ دو رکعتیں جن کے قائم مقام خطبہ ہے، ادائے عبادت اور ذکر الٰہی کے لئے تھیں یا وعظ وتذکیر کے لئے؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ میں غیر عربی داں حضرات بھی بکثرت مسجد میں موجود ہوتے تھے مگر کسی بھی موقع پر ایسا نہیں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے خطبۂ جمعہ کو عربی زبان کے بجائے سامعین کی رعایت میں دوسری زبان میں دیا ہو یا کسی سے کہہ دیا ہو کہ اس کا ترجمہ کردو، تاکہ غیر عربی داں حاضرین بھی سمجھ جائیں، اگر خطبہ کا مقصد حاضرین کو سمجھانا اور نصیحت کرنا تھا تو کوئی

تو واقعہ اِس قسم کا ملنا چاہئے تھا، جبکہ دیگر بہت سے مواقع پر حضورؐ نے ، اور خلفائے راشدین نے مترجمین سے بھی کام لیا تھا۔

پھر یہ کہ بہت سے صحابۂ کرامؓ بلادِ عجم میں پہنچے، ان کی زبانیں بھی سیکھیں، بہت سے صحابۂ کرامؓ ایسے تھے کہ ان کی مادری زبان عربی نہیں تھی مثلاً کوئی روم کا تھا، کوئی فارس کا، کوئی حبشہ کا، بہت سے صحابہ کئی کئی زبانوں کے ماہر تھے مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ ـــــ اور حدیث و سیر کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرامؓ کے خطبے لفظ بلفظ موجود ہیں مگر کوئی خطبہ غیر عربی میں نہیں، حالانکہ ان میں سے بہت سے دوسری زبانیں بھی جانتے تھے اور دوسرے علاقوں (بلادِ عجم) میں جا کر خطبہ دیا مگر پھر بھی زبان عربی ہی رہی، اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ عربی میں ہونا ہی مسنون ومتوارث ہے نہ کہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں۔ اور خطبہ کا مقصد صرف ذکراللہ، وعظ وتذکیر نہیں ہے، ورنہ سامعین کی رعایت میں عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں بھی کوئی نہ کوئی خطبہ موجود ہوتا یا تاریخ میں اس کا ذکر ملتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وأما كونها عربية فلا ستمرار اهل المسلمين في المشارق والمغارب به مع ان في كثير من الأقاليم كان المخاطبين أعجميين وقال النووى رحمه الله تعالىٰ في كتاب الاذكار ويشترط كونها بالعربية. | خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس لئے ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق ومغرب میں ہمیشہ یہی عمل رہا ہے باوجودیکہ بہت سے ممالک میں مخاطب عجمی لوگ تھے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو۔ |
| (شرح موطا شاہ ولی اللہ) | |

ہمارے ملک میں بعض حضرات اِس پر بہت زور دیتے ہیں کہ خطبہ اردو زبان میں ہونا چاہئے اور بہت سی جگہوں پر خطیب اردو میں خطبہ دیتا بھی ہے، مگر جس کا جی چاہے تجربہ

کر کے دیکھ لے، کہ ایسے خطیبوں کا خطبہ بہت لمبا ہوتا ہے اور نماز اس کے مقابلے میں بہت مختصر، کیوں کہ ظاہر ہے کہ اس میں تقریر کا سا انداز ہوتا ہے، بلکہ وہ تقریر ہی کرتے ہی ہیں، اس میں بات طویل ہو جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خطبہ لمبا ہو گیا اور نماز مختصر۔ جب کہ حدیثِ رسول ہے کہ نماز لمبی ہو اور خطبہ مختصر اور اردو میں خطبہ دینے والے اس کا اُلٹا کرتے ہیں۔

عن عمار قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان طول صلوٰة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فأطيلوا الصلوٰة واقصروا الخطبة. (مسلم ج ۱ ص ۲۸۶)

عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کی نماز کا لمبی ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا، اس کے تفقہ کی دلیل ہے۔ پس نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر دو۔

دوسری روایت میں ہے:

عن عبدالله بن ابى اوفىٰ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يطيل الصلوٰة ويقصر الخطبة. (نسائی ج ۱ ص ۲۰۹)

عبداللہ بن ابی اوفیٰ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز لمبی پڑھاتے اور خطبہ مختصر دیتے تھے۔

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے خطبے میں بس چند کلمات ادا کرتے تھے۔ (ج ۱ ص ۱۷۴)

اگر خطبہ عربی میں ہوتا تو خطبہ طویل اور نماز مختصر والی بات نہ پیدا ہوتی، کیوں کہ عربی جاننے کے باوجود مادری زبان اور غیر مادری زبان کا تو فرق پڑتا ہی۔

## خطبہ کے وقت نہ نماز جائز ہے نہ بات چیت

خطبہ کے وقت نہ کوئی نماز جائز ہے، نہ بات چیت۔ مفسرین کے بیان کے

مطابق سورۂ اعراف کی یہ آیت:

| | |
|---|---|
| وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (آیت ۲۰۴) | اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ |

نماز اور خطبہ دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (دیکھئے تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۰، تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۰۰، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۰، ۲۸۱)

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وقداستفاض عن السلف انها نزلت فی القرأة فی الصلوٰة وقال بعضهم فی الخطبة وذکر احمد بن حنبل الاجماع علیٰ انها نزلت فی ذالک. (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۶۹) | سلف سے استفاضہ اور شہرت کے ساتھ منقول ہے کہ یہ آیت قرأت فی الصلوٰۃ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض کا قول ہے کہ خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ |

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| احدها ماذکره الامام احمد من اجماع الناس علیٰ انها نزلت فی الصلوٰة وفی الخطبة وکذالک قوله فاذا قرأ فأنصتوا. (ج ۲۳ ص ۳۱۲) | ایک وہ جو امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ لوگوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح ارشاد نبویؐ فاذا قرأ فأنصتوا (جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو) بھی۔ |

وجہ یہ ہے کہ خطبہ بھی آیاتِ قرآنی پر مشتمل ہونے کی بنا پر ''ذکراللہ'' قرار پایا۔ لہٰذا اس ذکر کو بغور سننا اور اس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔

احادیثِ کریمہ میں خطبہ کے وقت مکمل خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عن سلمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايغتسل رجل يوم الجمعة ويتطهر مااستطاع من طهر ويدّهن من دهنه اويمسّ من طيب بيته ثم يخرج فلايفرق بين اثنين ثم يصلي ماكتب له ثم ينصت اذا تكلم الامام الاغفرله مابينه وبين الجمعة الأخرىٰ. (بخاری ج۱ص۱۲۱و۱۲۴)

سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور حسبِ استطاعت خوب پاکی حاصل کرے اور تیل یا خوشبو لگائے، پھر نمازِ جمعہ کے لئے نکلے اور وہاں پہنچ کر کسی دو میں تفریق نہ کرے (یعنی لوگوں کو چیر کر اپنی جگہ نہ بنائے بلکہ جہاں جگہ مل جائے، بیٹھ جائے) پھر نماز پڑھے جو مقرر کی گئی ہے اور جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے، ایسے شخص کے اِس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخشد یئے جاتے ہیں۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے:

فصلىٰ ماقدرله ثم انصت حتى يفرغ من خطبته ثم يصلي معه. (ج۱ص۲۸۳)

پس نماز پڑھی جو اس کے لئے مقدر تھی، پھر خاموش رہا، یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہوگیا۔ پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

دوسری روایت میں ہے:

ثم اتى الجمعة فاستمع وانصت. (حوالۂ مذکورہ)

پھر جمعہ میں آیا، پس خطبہ کو غور سے سنا اور خاموش رہا۔

ایک اور روایت میں ہے:

اذاقلت لصاحبک يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت.

جب تم اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران یوں کہو "چپ رہ" تو یہ بھی تم

نے لغو کام کیا۔ (بخاری ج اص ۱۲۸، مسلم ج اص ۲۸۱، ابن ماجہ ص ۷۹)

گویا خطبہ کے دوران امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ کی بھی ممانعت ہے، اور ساری توجہ خطبہ کی طرف صرف کرنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جب فریضہ کا یہ حال ہو تو تحیۃ المسجد جیسی مستحب نماز پڑھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

ثم اتی الجمعة فدنیٰ واستمع وانصت . (ترمذی ج اص ۶۶)

پھر جمعہ میں آیا، امام کے قریب ہوا اور خطبہ کو غور سے سنا اور خاموش رہا۔

ابن عباسؓ کی روایت مین خطبہ کے دوران بات کرنے والے کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے اور اُس کو چُپ کرانے والے کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس کا جمعہ ہی نہیں ہوا۔

من تکلم یوم الجمعة والامام یخطب فھو کمثل الحمار یحمل اسفاراً والذی یقول له انصت لیس له جمعة رواه احمد. (مشکوۃ ج اص ۱۲۳)

جس نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران بات کی وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر بوجھ لدا ہو (اور وہ اپنی آواز نکال رہا ہو) اور جو شخص اس سے کہے کہ "خاموش رہ" اس کا جمعہ ہی نہیں۔

ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے:

ثم خرج الیٰ المسجد فیرکع ان بداله ولم یوذ احداً ثم انصت حتی یصلی. (رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۷۱)

پھر جامع مسجد چلا اور وہاں جا کر نماز پڑھی اگر موقع ملا اور کسی کو ایذا نہیں دی (یعنی پھلانگ کر اور صفیں چیر کر) پھر نماز کی ادائیگی تک خاموش رہا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے:

ثم صلی ماکتب الله له ثم انصت

پھر نماز پڑھی جو اس کے لئے مقرر کی گئی تھی،

اذا خــرج الامــام حتـیٰ یفـرغ عن صَلوته. (طحاوی ج۱ص۱۸۰) | پھر خاموش رہا جب امام خطبہ کے لئے نکلا، یہاں تک کہ اپنی نماز سے فارغ ہو جائے۔

ابوداؤد میں ہے:

فاستمع وانصت. (ج۱ص۱۶۶) | پس غور سے سنا اور خاموش رہا۔

اِن احادیث میں دو باتیں قابلِ غور ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حد خطبہ تک بیان فرمادی کہ نماز اُس وقت تک پڑھنا ہے جب تک امام خطبہ کے لئے نہ نکلے، اس کے بعد سکون کے ساتھ، پورے دھیان سے خطبہ سننا اور اس کی طرف دل لگانا ہے۔

دوم یہ کہ نماز وسکوت کو ایک دوسرے کے مقابل لاکر یہ ظاہر کردیا گیا کہ نماز سکوت کے منافی ہے، لہٰذا جب خطبہ کے دوران سکوت کا حکم ہوا تو نماز نہ پڑھنے کا بھی حکم ہوا اور خطبہ کے دوران نماز وکلام دونوں ممنوع ہوں گے۔

خطبہ کے وقت فرشتے بھی اپنا رجسٹر بند کر کے مسجد کے اندر آجاتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔

فـاذا خـرج الامـام طـووا صحفهم ویستمعون الذکر. (بخاری ج۱ص۱۲۷، مسلم ج۱ص۲۸۱و۲۸۳) | پس جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو وہ اپنا رجسٹر بند کردیتے ہیں اور ذکر وخطبہ غور سے سنتے ہیں۔

خطبہ کے وقت نماز وکلام (خواہ امر بالمعروف کے ہی قبیل سے ہو) دونوں کی ممانعت بیشہ ہذلیؓ کی اِس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فــان لــم یـجـد الامـام خرج صلی | پس اگر نہ پائے امام کو کہ خطبہ کے لئے نکلا

مابدا له وان وجد الامام قد خرج حبس فاستمع وانصت حتی یقضی الامام جمعته و کلامه رواه احمد.
(مجمع الزوائد ص ۱۷۱)

ہے تو نماز پڑھے جو مناسب ہو، اور اگر امام کو پائے کہ خطبہ کے لئے نکل چکا ہے تو بیٹھ جائے پس غور سے سنے اور خاموش رہے یہاں تک کہ امام نماز جمعہ و خطبہ ختم کرلے،

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے بعد نماز مکروہ سمجھتے تھے۔ (ج ۲ ص ۱۱۱)

عروہ بن زبیرؒ سے مروی ہے:

اذا قعد الامام علی المنبر فلاصلوٰۃ.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۱)

جب امام منبر پر بیٹھ جائے، پس کوئی نماز جائز نہیں۔

ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں:

فخروج الامام یقطع الصلوٰۃ و کلامه یقطع الکلام.
(مؤطا امام مالک ص ۳۸)

امام کا خطبہ کے لئے نکلنا نماز کو ختم کردیتا ہے اور اس کا کلام (خطبہ) کلام (دوسروں کی بات) کو ختم کردیتا ہے۔

اسحٰق بن راہویہؒ اپنی سند میں سائب بن یزید سے نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کے دن نماز پڑھتے تھے، پس جب حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھتے تو ہم نماز پڑھنا بند کردیتے۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۴)

اِن تمام روایتوں کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بالکل بے غبار ہوکر سامنے آجاتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذادخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلاصلوٰۃ ولا کلام حتی یفرغ الامام رواه الطبرانی فی

جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو، اور امام منبر پر ہو تو نہ کوئی نماز جائز ہے نہ بات چیت یہاں تک کہ امام فارغ ہوجائے۔

**المعجم الکبیر.** (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۸۴)

کیوں کہ اس حدیث کا مفہوم بھی بالکل وہی ہے جو آیتِ کریمہ، احادیثِ نبویہ، اور آثارِ صحابہؓ کے حوالے سے اب تک بیان کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام سلفِ صالحین (صحابۂ کرامؓ وتابعینؒ وغیرہ) سے خطبہ کے وقت نماز وکلام کا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (دیکھئے مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۲۰۸، مؤطا امام محمد ص۱۳۸، طحاوی شریف ج۱ ص۱۸۱، مؤطا امام مالکؒ ص۳۸ وغیرہ) جن روایتوں سے خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے وہ اس وقت کی روایتیں ہیں جب کہ دورانِ خطبہ نماز وکلام کی ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی، جیسے نماز میں کلام کی منسوخی سے قبل بات چیت کی اجازت تھی، بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی، اسی طرح تحیۃ المسجد کی اجازت بھی خطبہ کے دوران ممانعت نماز وکلام وارد ہونے سے قبل کی ہے یا پھر استثنائی مخصوص واقعات ہیں جن کا مخصوص ہونا قرائن وشواہد سے ثابت ہے۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص۲۲۵)



# نمازِ عیدین

نمازِ عیدین کا طریقہ وہی ہے جو دیگر نمازوں کا ہے، بس تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ نمازِ عیدین میں چھ زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد قرأت سے قبل تین تکبیریں، اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے تین تکبیریں، پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر علیٰحدہ ہے، اگر اُن دونوں کو بھی ان چھ کے ساتھ شامل کرلیا جائے تو ہر رکعت میں حالتِ قیام میں چار چار تکبیریں ہوگئیں، جس طرح نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہوتی ہیں:

عن سعید بن العاص قال سألت ابا موسیٰ وحذیفة بن الیمان کیف کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یکبر فی الاضحیٰ والفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعاً تکبیرهٔ علیٰ الجنائز فقال حذیفة صدق. (ابوداؤد ج۱ ص۱۷۹)

سعید بن العاصؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ ابوموسیٰؓ نے جواب دیا چار تکبیریں، نمازِ جنازہ کی تکبیر کی طرح، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔

دوسری روایت میں ہے:

عن علقمة والاسود قالا کان ابن مسعود جالساً وعندهٔ حذیفة وابو موسیٰ الاشعری فسألهم سعید

علقمہؒ اور اسودؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حذیفہؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے، ان سب سے

بن العاص عن التكبير فی صلوٰة العيد فقال الحذيفة سل الأشعری فقال الأشعری سل عبدالله فانه أقدمنا و أعلمنا فسأله فقال ابن مسعود يكبر اربعاً ثم يقرأ ثم يكبر فيركع فيقوم فی الثانية فيقرأ ثم يكبر أربعاً بعدالقرأة.

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ص ۲۹۳)

سعید بن العاصؓ نے عید کی تکبیر کے بارے میں سوال کیا۔ حذیفہؓ نے کہا ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھو، ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھو اس لئے کہ وہ ہم میں سب سے پُرانے بھی ہیں اور سب سے بڑے عالم بھی، چنانچہ سعید بن العاصؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا، انھوں نے جواب دیا چار تکبیریں کہے پھر قرأت کرے، پھر رکوع کرے، پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو پہلے قرأت کرے پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہے۔

عبداللہ بن عباسؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سے بھی اسی قسم کی روایات موجود ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ص ۲۹۵)

## عیدین سے متعلق ضروری احکام

نمازِ عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت (مسلم ج ۱ص ۲۸۹) نمازِ عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہوگا۔ (بخاری ج ۱ص ۱۳۱، ترمذی ج ۱ص ۷۰) عورتیں عیدگاہ میں نہ جائیں (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۱۸۳) عیدین کی نماز میں قرأت جہراً ہوگی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ص ۱۲۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے طاق عدد کھجوریں کھا کر عیدگاہ تشریف لے جاتے، لہٰذا عید الفطر کے دن کھجور یا کوئی بھی میٹھی چیز کھا کر عیدگاہ جانا سنت ہے (بخاری ج ۱ص ۱۳۰) لیکن عید الاضحیٰ کے دن نمازِ عید کے بعد ہی کھانا وغیرہ کھانا چاہئے، یہی مسنون ہے۔ (ترمذی ج ۱ص ۷۱) عیدگاہ ایک راستہ سے جانا اور دوسرے

راستہ سے واپس آنا سنت ہے۔ (بخاری ج ا ص ۱۳۴) اگر کسی وجہ سے نماز عید الفطر پہلے دن یکم شوال کو ادا نہ ہو سکے تو دوسرے دن ادا کی جائے اس کے بعد نہیں۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۸۰) لیکن نمازِ عید الاضحیٰ کسی عذر سے ۱۰ ذی الحجہ کو نہ ادا کی جا سکے تو گیارہ کو ادا کی جائے، اگر گیارہ کو بھی عذر لاحق ہو تو بارہ کو ادا کی جائے، یعنی قربانی کے ایام میں ادا کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ بلا عذر ترک نہ کی جائے، ورنہ گناہ ہوگا۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں دن عیدگاہ کے راستہ میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر لَااِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھنا چاہئے (بخاری ج ا ص ۱۳۲ وغیرہ)

نمازِ عیدین کا وقت آفتاب کے بلند ہو جانے کے بعد زوال سے پہلے پہلے ہے (ابن ماجہ ص ۹۴)

نمازِ عید الاضحیٰ جلدی اور نمازِ عید الفطر قدرے تاخیر سے ادا کرنی چاہئے۔

عن ابی الحويرث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى عمروبن حزم وهو بنجران عجّل الاضحىٰ وأخر الفطر.

(مشکوٰۃ ج ا ص ۲۲۷)

ابوالحویرثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے پاس نجران میں تحریر فرمایا کہ عید الاضحیٰ جلدی پڑھو اور نمازِ عید الفطر میں تاخیر کرو۔

# عورتیں عیدگاہ میں نہ جائیں

کچھ حضرات، عورتوں کو عیدگاہ لے جانے پر بہت زور دیتے ہیں اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

عن ام عطية قالت أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نخرجهنّ فى الفطر والأضحىٰ العواتق

حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم عورتوں کو گھروں سے نکالیں اور عید اور بقرعید کے

والحيض وذوات الخدور فاما الحيض فيعتزلن الصلوٰة وليشهدن الخير و دعوة المسلمين قلت يارسول الله احدانا لايكون لها جلباب قال لتلبسها اختها من جلبابها.

(مسلم ۱/۲۹۱، بخاری ۱/۱۳۳)

لئے لے جائیں، جوانوں کو، حیض والیوں کو، پردہ نشینوں کو، حیض والیاں نماز سے دور رہیں، اور خیر و برکت اور مسلمانوں کی دعاء میں شریک رہیں، میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس پردہ کے واسطے بڑی چادر (برقع) نہ ہو (تو وہ کیا کرے؟) فرمایا اس کی بہن اپنی چادر (جو فاضل ہو) عاریت پر دیدے۔

اس حدیث میں چند باتیں قابل غور ہیں:

راویہ کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنھیں عیدگاہ جانے کا حکم دیا تھا، ان میں ہر طرح کی عورتیں تھیں، شادی شدہ، غیر شادی شدہ، نوجوان، پردہ نشین، حیض والی اور بچے (۱)، ظاہر ہے کہ عورتیں اور بچے نماز عیدین کے مکلّف نہیں، ان پر یہ نماز واجب نہیں اور حیض والی عورتوں پر کوئی بھی نماز فرض نہیں، پھر آخر ان سب کو عیدگاہ کیوں بلایا جارہا ہے؟

شارحینِ حدیث اس عُقدہ کو حل کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ بلانے کا مقصد نماز عیدین نہیں تھی، بلکہ ایک دوسرا مقصد تھا، وہ مقصد تھا انھیں نماز کا عادی بنانا، نماز کے عملی مظاہر سے واقف کرانا، مسلمانوں کی دعاؤں کی خیر و برکت میں شریک کرنا، اور بقول امام قشیریؒ چونکہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، اس لئے عورتوں اور بچوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ عیدین کے موقع پر مردوں کے ساتھ عیدگاہ حاضر ہوں تاکہ جماعتِ مسلمین کی

(۱) دیکھئے بخاری جلد اول ص ۱۳۳ پر باب خروج الصبیان الی المصلی۔ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس اس وقت بچے تھے، خود اس موقع پر حاضر تھے۔ عمدۃ القاری ۶/۲۹۷۔

کثرت اور اسلام کی شوکت کا اظہار ہو۔ (قرطبی)

امام طحاویؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں چونکہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی، اس لئے تکثیرِ جماعت کے پیش نظر عورتوں اور بچوں کو عیدین میں نکلنے کا حکم دیا گیا، تاکہ ان کی کثرت دیکھ کر دشمنانِ اسلام کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہو، اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیدیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

واستدل به علىٰ وجوب صلوٰة العيد وفيه نظر لأن من جملة من أمر بذالک من ليس بمكلف فظهر ان القصد فيه اظهار شعار الاسلام بالمبالغة فى الاجتماع ولتعم الجميع البركة.

(فتح الباری ۲/۵۹۷)

اس حدیث میں جو اَمَرَ نَا (ہم کو حکم دیا) کے الفاظ ہیں، اس سے نماز عیدین کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے، لیکن یہ استدلال محلِ نظر ہے کیوں کہ جنھیں حکم دیا گیا تھا ان میں وہ تھیں جو مکلّف ہی نہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ مقصد بھیڑ کی جگہ میں شعارِ اسلام کا اظہار تھا اور اس لئے بھی سب کو جمع کیا تاکہ برکت میں سب شامل ہو جائیں۔

خطّابی کہتے ہیں:

امر جميع النساء بحضور المصلىٰ يوم العيد لتصلى من ليس لها عذر وتصل بركة الدعاء الىٰ من لها عذر وفيه ترغيب للناس فى حضور الصلوٰت ومجالس الذكر ومقاربة الصلحاء لينالهم بركتهم وهٰذا اى حضور هن غير مستحب

تمام عورتوں کو عید گاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا تاکہ جسے عذر نہ ہو وہ نماز پڑھے، اور جسے عذر ہو اسے دعاء کی برکت پہنچے، اس میں لوگوں کے لئے ترغیب ہے کہ وہ نماز میں حاضر ہوں، مجالس ذکر میں حاضر ہوں، نیک لوگوں کی قربت اختیار کریں تاکہ ان کی برکت حاصل ہو، ہمارے زمانے میں

في زماننا لظهور الفساد.
(مرقات المفاتیح ۳/۲۸۸)

چونکہ فساد و بگاڑ کا غلبہ ہے، اس لئے عید گاہ میں عورتوں کا آنا مستحب نہیں۔

آگے بتایا گیا ہے کہ جن حضرات نے عورتوں کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی ہے، انھوں نے بوڑھی عورت کو اجازت دی ہے، مزید شرط یہ لگائی ہے کہ معمولی پرانے کپڑے پہن کر جائے، شوہر سے اجازت لے لے۔ مردوں سے ہر حال میں الگ تھلگ رہے، نہ زیورات پہنے ہو، نہ قیمتی لباس، خوشبو وغیرہ بھی نہ لگائے، پردہ کا پورا اہتمام ہو۔ غور کیجئے! جو لوگ عید گاہ میں عورتوں کو لے جانے کی بات کرتے ہیں وہ عید کے دن اِن چیزوں پر پابندی لگا پائیں گے؟ !

علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں:

ويقال هذا كان في ذالك الزمان لأمنهن عن المفسدة بخلاف اليوم ولهذا صح عن عائشة لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المساجد كما منعت نساء بني اسرائيل، فاذا كان الأمر قد تغير في زمن عائشة حتى قالت هذا القول فماذا يكون اليوم الذي عم الفساد فيه وفشت المعاصي من الكبار والصغار فنسأل الله العفو والتوفيق.
(عمدۃ القاری ۶/۲۹۶)

کہا جاتا ہے کہ یہ بات اُس زمانہ میں تھی، کیوں کہ وہ عورتیں فساد و بگاڑ سے مامون تھیں، لیکن آج ایسا نہیں، اسی وجہ سے حدیثِ صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورتوں نے آج جو باتیں پیدا کر دی ہیں، اگر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے اسی طرح روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔ پس جب معاملہ حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں اتنا بدل گیا تھا کہ انھیں مذکورہ جملہ کہنا پڑا، تو آج کیا حال ہوگا جب کہ فساد بالکل عام

ہو چکا ہے، کبیرہ وصغیرہ گناہ پھیل چکے ہیں،
پس ہم اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی
اور نیکی کی توفیق مانگتے ہیں۔

فساد زمانہ کا ہی اثر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ عیدین میں پہلے اپنے گھر والوں کو لے جاتے تھے، لے جانا بند کر دیا، چنانچہ نافع مولیٰ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ: عبداللہ بن عمر انہ کان لایخرج نساء ہ فی العیدین۔ اپنی عورتوں کو عیدین میں نہیں لے جاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ وفتح الباری ۲/۵۹۷)

عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان لايدع امرأة من اهله تخرج الیٰ فطر ولااضحیٰ. (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۳)

ہشامؒ اپنے والد عروہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر کی کسی عورت کو بھی عیدین کے لئے گھر سے نکلنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔

مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک، حضرت قاسمؒ کے بارے میں ان کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ

كان القاسم أشد شئ علی العواتق لایدعهن یخرجن فی الفطر ولا الاضحیٰ. (حوالۂ مذکورہ)

قاسمؒ، نوجوان عورتوں پر بہت سختی کرتے تھے۔ انھیں عید اور بقرعید میں نکلنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں:

یكره للشابة ان تخرج الیٰ العیدین (حوالۂ مذکورہ)

جوان عورتوں کا عیدین کے لئے نکلنا مکروہ ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے بوڑھی، جوان کی تفریق کئے بغیر کہا کہ:

یكره خروج النساء فی العیدین.

عورتوں کا عیدین کے لئے نکلنا مکروہ ہے۔

(حوالۂ مذکورہ)

جو حضرات، حضرت ام عطیہؓ کی روایت کا حوالہ دے کر عورتوں کو عیدگاہ لے جانے کی وکالت کرتے ہیں اور اس پر اپنا زور بیان وزور قلم صرف کرتے ہیں، کیا وہ اپنے گھر کی ساری عورتوں، جوان، بوڑھی، شادی شدہ، غیر شادی شدہ، پردہ نشین وغیرہ کو لے کر کبھی عیدگاہ گئے ہیں؟ وہ خود کیوں نہیں اس حدیث پر زور وشور سے عمل کرتے، ان کا گریز وفرار کس بات کا غماز ہے؟ تبدیلیٔ حالات کا؟ یا کسی اور چیز کا؟۔

## اگر عید، جمعہ کے دن پڑ جائے؟

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن عید یا بقرعید پڑ جاتی ہے، اُس دن، دونوں کو پڑھنا ہے، یعنی عید یا بقرعید کا دوگانہ بھی پڑھنا ہے اور جمعہ کی نماز بھی پڑھنی ہے، ایسا نہیں ہے کہ عید یا بقرعید کی نماز پڑھ لی، تو جمعہ سے چھٹی مل گئی، یا جمعہ کے بجائے، اب ظہر پڑھی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوا تھا، تو آپ نے عید اور جمعہ، دونوں پڑھا تھا، بلکہ یہ تفصیل تک موجود ہے کہ آپ نے دونوں میں کن سورتوں کی قرأت کی تھی، چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

| | |
|---|---|
| كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في العيدين وفي الجمعة بسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأعْلىٰ وهَلْ أتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قال واذا اجتمع العيد والجمعة في يوم واحد يقرأ بهما أيضاً في الصلوتين | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عیدین میں اور جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأعْلىٰ اور هَلْ أتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے، اور جب عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتے تو انہی دونوں سورتوں کو دونوں نمازوں میں پڑھتے تھے۔ |

(مسلم ۱/۲۸۸ کتاب الجمعۃ)

جولوگ ایسے موقع پر جمعہ چھوڑنے کی اجازت دیتے ہیں، وہ ایک انتہائی مجہول راوی کی ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ روایت یہ ہے:

عن ایاس بن ابی رملة الشامی قال شهدت معاویة بن ابی سفیان وهو یسأل زید بن أرقم قل شهدت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم عیدین اجتمعا فی یوم قال نعم قال فکیف صنع قال صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال من شاء ان یصلی فلیصل. (ابوداؤد ۱/۱۵۳)

ایاس بن رملہ شامی سے مروی ہے کہ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے یہاں حاضر تھا جب انھوں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب دو عیدیں ایک دن جمع ہوگئی تھیں، حضرت زید بن ارقمؓ نے جواب دیا ہاں! حضرت معاویہؓ نے کہا، حضور ﷺ نے اس دن کیا کیا تھا؟ حضرت زید بن ارقمؓ نے جواب دیا، عید کی نماز پڑھی، پھر جمعہ کے معاملے میں رخصت دی، پس فرمایا جو جمعہ پڑھنا چاہے، جمعہ پڑھے۔

اِس روایت میں ایاس بن ابی رملہ شامی مجہول ہے، امام ذہبیؒ نے میزان میں ایاس بن ابی رملہ کے حالات میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن منذرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں

قال ابن المنذر لایثبت هذا فان ایاساً مجهول.

ابن منذر نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں، کیونکہ ایاس مجہول ہے۔

خلاصہ اور تقریب میں بھی اسے مجہول ہی کہا گیا ہے، ایسے مجہول الحال راوی کی روایت کسی طرح صحیح، قرار نہیں دی جاسکتی، مگر حیرت اور افسوس ہے اُن لوگوں پر جو راوی

کے مجہول ہونے کو تسلیم بھی کریں، پھر بھی حدیث کی صحت پر اصرار کریں، ایسے ہی حضرات کے متعلق بذل المجہود میں ہے

والعجب منهم كيف صححوه وفي اسناده اياس بن ابي رملة وهو مجهول أو مختلف فيه. (۱۷۲/۲)

تعجب ہے، انھوں نے اس حدیث کو کیسے صحیح قرار دیدیا، جب کہ اس کی سند میں ایاس بن ابی رملہ موجود ہے جو کہ مجہول ہے یا مختلف فیہ ہے۔

جمعہ اور عید، اگر ایک ہی دن پڑ جائے، تو کیا کیا جائے؟ اس معاملہ میں صرف دو صحابہ کرامؓ کو غلط فہمی ہوئی ہے، اور وہ بھی ان کی کم عمریؓ اور کم سنی کی وجہ سے، وہ ہیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ عید اور بقرعید کے دن، گاؤں اور دیہات سے بھی بہت سے لوگ عید و بقرعید کی نماز ادا کرنے شہر آجاتے ہیں، یا اُن مقامات پر آجاتے ہیں، جہاں عیدین کی نماز ادا ہوتی ہے، یہی معاملہ عہدِ رسالت میں بھی ہوا کرتا تھا، گاؤں اور دیہات کے بہت سے لوگ مدینہ منورہ آجاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نمازِ عیدین ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ عید، جمعہ کے دن پڑ گئی، تو آپؐ نے گاؤں والوں کو اجازت دیدی کہ جس کا جی چاہے، جمعہ تک انتظار کر کے ہمارے ساتھ جمعہ بھی پڑھ لے، اور نہ انتظار کرنا چاہے تو واپس چلا جائے، جمعہ کے انداز میں ایک نماز تو اس نے ادا کر ہی لی ہے، اسی کو کافی سمجھے، اپنے یہاں جا کر ظہر پڑھ لے۔

اِس پس منظر میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ملاحظہ کیجئے۔

عن ابی هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال قد اجتمع في يومكم هذا عيد ان فمن شاء

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اس دن میں دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، پس

اجزاه من الجمعة وأنا مجمعون. (ابوداؤد ۱۵۳/۱) جو چاہے تو اسے یہ جمعہ کی طرف سے کافی ہے، اور ہم تو جمعہ ادا کریں گے۔

الفاظِ حدیث وأنا مجمعون (اور ہم تو جمعہ ادا کریں گے) صاف بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اہل مدینہ کو مراد لے رہے ہیں، کیونکہ آپ مدینہ میں رہتے تھے، اور جنھیں اجازت دے رہے ہیں وہ اہلِ مدینہ کے علاوہ لوگ تھے، اور اہلِ مدینہ کے علاوہ لوگ وہی ہوتے تھے جو گاؤں ودیہات سے آتے تھے۔

بذل المجہود میں ہے

اتفق ذالک فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم بأنه وافق یوم الجمعة یوم عید وکان أهل القریٰ یجتمعون لصلوٰة العیدین مالا یجتمعون لغیرهما کماهو العادة فی اکثر اهل القریٰ وکان فی انتظارهم بعد الفراغ من صلوٰة العید حرج علیٰ اهل القریٰ فلما فرغ رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلوٰة العید نادیٰ منادیه من شاء منکم ان یصلی فلیصل ومن شاء الرجوع فلیرجع وکان ذالک خطاباً لأهل القریٰ المجتمعین ثم، والقرینة علیٰ ذالک بأنه قد صرح فیه بأنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بار اتفاقاً جمعہ اور عید اکٹھا ہوگئے، اور گاؤں کے لوگ عیدین کے لئے، اتنے جمع ہوتے تھے جتنے دوسرے موقع پر نہیں جمع ہوتے تھے، جیسا کہ اکثر گاؤں والوں کی یہی عادت ہے، اور عید کی نماز سے فراغت کے بعد، جمعہ کا انتظار، گاؤں والوں کے لئے پریشانی کی چیز تھی، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ کے منادی نے پکارا کہ تم میں سے جو جمعہ پڑھنا چاہے، پڑھے، اور جو لوٹنا چاہے، لوٹ جائے، یہ اُن گاؤں والوں سے خطاب تھا جو وہاں جمع ہوئے تھے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ آپ نے صراحۃً فرمایا کہ "ہم تو جمعہ پڑھیں گے"

مـجـمـعـون والمراد فيه من جمع الـمتـكـلـم أهـل المدينة فهٰذا يدل دلالة واضـحة بـأن الـخطـاب فی قـولـه مـن شـاء منكم أن يصلی الیٰ اهـل القریٰ لاالیٰ اهل المدينة واما ابـن عبـاس وابـن الـزبيـر فكانا اذا ذاک صـغيـريـن غيـرانهـما سمعا الـمنادی او النداء باٰذانهما وان لم يـفـهـمـا مـاارید به فأخر ابن الزبير صـلوٰة الـعيـد مـاالیٰ ماقبل الزوال وقـدم الـجـمـعة ولـعلـه كـان یریٰ جـواز تـقـديـم الـجمعة على وقت الـزوال كـمـا يـراه آخرون فصلی الـجـمـعة وادخل فيها صلوٰة العيد فـلهٰـذا لـم يـصـل الـظهر كما يدل عـلـيـه ظـاهـر الرواية ولما كان ابن عبـاس سـمع باذنه ايضاً مانودی به فـی ذالـک الـوقـت قـال فيـه انـه اصـاب السنة ای مـاسمعتـه منـه صـلـی الله عليه وسلم من قوله من شاء فليصل. (۱۷۲/۲)

اس میں جو جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا، اس سے مراد اہلِ مدینہ تھے، یہ واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے اس ارشاد ''تم میں سے جو جمعہ پڑھنا چاہے'' میں خطاب گاؤں والوں سے تھا، نہ کہ مدینہ والوں سے، جہاں تک عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کا تعلق ہے، تو وہ دونوں حضرات اس وقت چھوٹے تھے، ان لوگوں نے منادی، یا نداء تو اپنے کانوں سے سنی، لیکن اس کی مراد نہیں سمجھ سکے، چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ نے نماز جمعہ، زوال کے پہلے تک مؤخر کی اور جمعہ کو مقدم کیا، غالباً وہ جمعہ کو زوال سے پہلے پڑھ لینا جائز سمجھتے تھے، جیسا کہ کچھ دوسرے حضرات بھی جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ انھوں نے جمعہ پڑھا اور اسی میں عید کی نماز بھی داخل کردی، اسی وجہ سے نماز ظہر نہیں پڑھی، جیسا کہ ظاہرِ روایت دلالت کرتی ہے اور چونکہ اس نداء کو اُس وقت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی اپنے کانوں سے سنا تھا، اسی لئے انھوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کے فعل کے متعلق فرمایا کہ اصاب السنۃ (انھوں نے

سنت کو پالیا) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے جو بات سنی تھی کہ جو چاہے جمعہ پڑھے
الخ۔ اس کے مطابق کیا۔

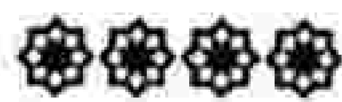
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہجرت کے پہلے سال میں پیدا ہوئے تھے، اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر دس سال ہوئی، اور عید وجمعہ کے ایک ہی دن پڑنے کا واقعہ، عہد رسالت کا ہے، ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس وقت دس سال کے اندر ہی رہے ہوں گے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہ، ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے، اس طرح ان کی عمر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تیرہ سال ہوئی۔ (اکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ ص ۶۰۴)

ظاہر ہے کہ دونوں حضرات کی یہ عمریں، کم سنی ہی کہلائیں گی، لہٰذا محض، مذکورہ بالا اعلان سننے سے غلط فہمی پیدا ہونے اور اصل مقصد نہ سمجھ پانے کا پورا پورا امکان ہے۔

پھر یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں صاف موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانا مجمعون . (ابوداود ۱۵۳/۱) ہم تو جمعہ ادا کریں گے۔

غور کیجئے! ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف اور صریح ارشاد ہے، دوسری طرف ایاس بن ابی رملہ جیسے مجہول راوی کی روایت، یا پھر دو صغیر السن صحابہ میں سے ایک کا عمل اور دوسرے کی تصویب، اور دونوں کا ہی غلط فہمی پر مبنی ہونا بعید نہیں، ایسی صورت میں ترجیح کسے ہونے چاہئے؟



# تراویح

## تراویح کسے کہتے ہیں؟

تراویح، ترویحہ کی جمع ہے، ترویحہ وہ نشست جس میں کچھ راحت لی جائے۔ چونکہ تراویح کی چار رکعتوں پر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دعاء پڑھی جاتی ہے اور اس طرح کچھ آرام مل جاتا ہے، اس لئے تراویح کی چار رکعت کو ایک ترویحہ کہا جانے لگا۔ اور چونکہ پوری تراویح میں پانچ ترویحہ ہیں، اس لئے پانچوں کا مجموعہ تراویح کہلاتا ہے۔

تراویح وہ نماز ہے جو رمضان المبارک میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے۔ شارح بخاری علامہ حافظ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| سمّیت الصلوٰۃ فی الجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح. | رمضان کی راتوں میں نماز باجماعت کا نام تراویح ہے۔ |

(فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۰)

اہلِ حدیث عالم حافظ عبداللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''نمازِ تراویح وہ نماز ہے جو ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے۔'' (ضمیمہ رکعات التراویح)

نیز دیکھئے قسطلانی ج ۳ ص ۴۸۳، یہی وجہ ہے کہ تراویح کو ''قیامِ رمضان'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تہجد کو ''قیام لیل'' سے، جیسا کہ کتبِ حدیث سے ظاہر ہے۔

# تراویح کا اَجر وثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یرغّب فی قیام رمضان من غیر ان یامرهم فیه بعزیمة فیقول من قام رمضان ایمانا واحتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم والامر علیٰ ذالک ثم کان الامر علیٰ ذالک فی خلافة ابی بکر وصدراً من خلافة عمر علیٰ ذالک. (بخاری ج۱ص۲۶۹، مسلم ج۱ ص۲۵۹، ابوداؤد ج۱ص۲۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "قیام رمضان" پر ابھارتے تھے، بغیر اس کے کہ کسی تحدید وتاکید کا حکم دیں چنانچہ حضورؐ فرماتے تھے جس نے رمضان المبارک کی راتوں میں ایمان واحتساب کے ساتھ نماز پڑھی، اس کے اگلے گناہ (صغیرہ) معاف کردیئے جائیں گے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور معاملہ اسی طرح رہا پھر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی ایام خلافت میں بھی اسی طرح رہا۔

اِس حدیث سے تراویح کے اجر وثواب کے ساتھ ساتھ درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ رمضان (تراویح) کا شوق دلاتے تھے مگر اُس کی نہ کوئی تعداد متعین کی تھی نہ کوئی تاکید، بلکہ ہر شخص کی صوابِ دید پر تھا جتنا ہو سکے پڑھے کم یازیادہ، اور پڑھے یا نہ پڑھے۔

۲۔یہی صورتِ حال حضرت ابوبکرؓ کی پوری مدت خلافت تک رہی اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانۂ خلافت میں بھی، آیئے اِن دونوں باتوں کو مزید تفصیل سے دیکھیں۔

## حضورؐ کی تراویح

عروہ بن زبیرؒ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج ليلة من جوف الليل فصلى في المسجد وصلى رجال بصلوته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فصلوا بصلاته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلوٰة الصبح فلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد فانه لايخف على مكانكم ولكني خشيت ان يفرض عليكم فتعجزوا عنها فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم والأمر علىٰ ذالک. (بخاری ج۱ص۱۲۶ و۱۵۲و۲۶۹، مسلم ج۱ص۲۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن، رات میں نکلے، پس آپؐ نے مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے لوگوں نے بھی وہی نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے پچھلی رات کی نماز کا آپس میں تذکرہ شروع کیا، چنانچہ دوسری رات پہلے سے زیادہ تعداد ہوگئی، پس آپؐ نے نماز پڑھی، اور آپؐ کے ساتھ وہی نماز دوسرے لوگوں نے بھی پڑھی، صبح ہوئی تو پھر چرچا ہوا اور تیسری رات لوگوں کی تعداد اور بھی زیادہ بڑھ گئی، پس آپؐ نے نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ لوگوں نے وہی نماز پڑھی، جب چوتھی رات آئی تو مسجد نمازیوں سے تنگ ہوگئی، اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لئے ہی نکلے، جب نماز فجر ادا کرلی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا مجھے تمہاری آمد کا علم تھا لیکن میں ڈرا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہوجائے پس تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہوجاؤ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور معاملہ اسی طرح رہا۔

حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تین رات پیش آیا، مگر یہ نہیں پتہ چلتا کہ رمضان کی کن تاریخوں کا واقعہ ہے اور لگاتار پیش آیا یا ناغہ کرکے،

حضرت ابوذرؓ کی روایت سے یہ ساری باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

عن جبير بن نفير عن ابی ذر قال صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان فلم يقم بنا شيئاً من الشهر حتى بقي سبع فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل فقلت يارسول الله لو نفّلتنا قيام هٰذهِ الليلة قال فقال ان الرجل اذاصلىٰ مع الامام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة قال فلما كانت الرابعة لم يقم فلما كانت الثالثة جمع أهله ونساء ه والناس فقام بنا حتى خشينا ان يفوتنا الفلاح قال قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر. (ابوداؤد ج۱ ص۲۱۱، ترمذی ج۱ ص۹۹، ابن ماجہ ص۹۵، نسائی ج۱ ص۲۳۸)

جبیر بن نفیرؒ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم نے رمضان المبارک کا روزہ رکھا، پورے مہینہ آپؐ نے ہمیں رات میں نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ سات دن باقی رہ گئے تو (تیئسویں رات میں) آپؐ نے نماز پڑھائی یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی، جب چھ دن رہ گئے تو نماز نہیں پڑھائی (یعنی چوبیسویں رات میں) پھر جب پانچ دن رہ گئے تو نماز پڑھائی (یعنی پچیسویں رات میں) یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کاش ان راتوں کا قیام آپؐ ہمارے لئے (فرائض و واجبات کے علاوہ) مزید متعین فرمادیئے، آپؐ نے فرمایا جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز عشاء پڑھے پھر اپنے گھر واپس جائے تو پوری رات نماز پڑھنے والا شمار کیا جائے گا۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ جب چار دن رہ گئے تو آپ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی (یعنی چھبیسویں رات میں) جب تین دن باقی رہ گئے تو آپؐ نے اپنے گھر والوں،

عورتوں اور لوگوں کو جمع کیا اور نماز پڑھائی (یعنی ستائیسویں رات میں) اور اتنی طویل نماز تھی کہ ہمیں خوف ہوا کہ ہم سے "فلاح" فوت ہو جائے گی، جبیر بن نفیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "فلاح فوت ہونے کا" کیا مطلب ہے؟ فرمایا "سحری" پھر بقیہ ایام میں حضورؐ نے نماز نہیں پڑھائی۔

زید بن ثابتؓ کی روایت میں چوتھی رات کے متعلق مزید تفصیل یوں ہے:

ثم فقدوا صوته ليلة وظنوا انه قدنام فجعل بعضهم يتنحنح ليخرج اليهم فقال مازال بكم الذى رأيت من صنيعكم حتى خشيت ان يكتب عليكم ولو كتب عليكم ماقمتم به. (نسائی ج۱ص۲۳۷)

پھر ایک رات صحابۂ کرامؓ نے حضور کی آواز محسوس نہ کی تو سمجھے کہ آپ سو گئے ہیں، کچھ نے کھنکھارنا شروع کیا تاکہ آپ باہر تشریف لائیں، چنانچہ جب (فجر کے وقت) حضورؐ تشریف لائے تو فرمایا مجھے تمہارے آنے کا حال معلوم تھا، لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے، اگر فرض ہو جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اسے ادا نہ کر سکو۔

ان روایات میں تین رات تراویح باجماعت پڑھانے کا ذکر ہے، مگر یہ نہیں پتہ چلتا کہ کتنی رکعتیں پڑھائیں، آٹھ یا بیس، حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی روایتیں موجود ہیں، اسی لئے محدثین اور علماءِ محققین کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے سندِ صحیح کے ساتھ تراویح کا کوئی مخصوص عدد متعینہ طور پر ثابت نہیں۔ (بذل ج۲ص۳۰۴)

# تراویح کی تعدادِ رکعات

**آٹھ رکعتیں:** جولوگ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں:

عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن انه سأل عائشة كيف كانت صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فی رمضان فقالت ماكان يزيد فی رمضان ولافی غيره علیٰ احدیٰ عشرة ركعة يصلی اربعاً فلاتسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی اربعاً فلاتسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثاً.

(بخاری ج۱ ص۱۵۴، مسلم ج۱ ص۲۵۴)

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ فرمایا آپؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، پہلے چار رکعت پڑھتے، کچھ نہ پوچھو کہ کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعت پڑھتے، کچھ نہ پوچھو کہ کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں۔ پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔

لیکن یہ حدیث آٹھ رکعات تراویح کے بارے میں صریح نہیں، کیوں کہ:

۱- اس حدیث میں رمضان وغیر رمضان، ہمیشہ گیارہ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے جب کہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، نہ کہ رمضان کے علاوہ اور مہینوں میں۔

۲- اس حدیث میں ایک سلام سے چار چار رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے، جب کہ تراویح ایک سلام سے دو، دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

۳-اس حدیث میں گیارہ رکعت پڑھنے کا جو تذکرہ ہے وہ تنہا پڑھنے کا ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن جو تراویح پڑھی تھی وہ جماعت کے ساتھ تھی جیسا کہ احادیث گذریں۔

۴-یہ حدیث تراویح سے متعلق نہیں بلکہ تہجد سے متعلق ہے، کیوں کہ تہجد رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور غیر رمضان میں بھی، اور تہجد پڑھنے والے کے لئے مستحب یہی ہے کہ وتر عشاء کے ساتھ پڑھنے کے بجائے تہجد کے ساتھ پڑھے۔

۵-اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ یہ اصل میں تہجد ہے اور نماز تہجد ہی رمضان میں تراویح بن جاتی ہے اور غیر رمضان میں اسے تہجد کہتے ہیں۔تو بھی تراویح کی آٹھ رکعتیں متعینہ طور پر مسنون نہیں ہوسکتیں، کیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی چار، چھ، آٹھ، دس ہر قسم کی روایات موجود ہیں، جیسا کہ تفصیل آئے گی۔

۶-جو لوگ اِس حدیث سے آٹھ رکعت تراویح ثابت کرتے ہیں وہ خود بھی اس حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں کیوں کہ حدیث میں چار چار رکعات پڑھنے کا تذکرہ ہے اور وہ دو، دو رکعات پڑھتے ہیں، حدیث میں تین رکعات وتر کا تذکرہ ہے مگر وہ آٹھ رکعات تراویح پڑھنے کے بعد ایک رکعت وتر پڑھ کر گھر کی راہ لیتے ہیں گویا نو ہی رکعت۔ اور کبھی تین پڑھتے بھی ہیں تو دو سلام سے، یعنی دو رکعت پر سلام پھیر دیتے ہیں پھر ایک رکعت پڑھتے ہیں۔

۷-اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان ہمیشہ، آٹھ رکعات کے علاوہ تین رکعات وتر کا تذکرہ ہے۔ گویا پورے سال وتر تین ہی رکعات ہونی چاہئے۔ نہ ایک رکعت نہ پانچ، نہ سات۔لیکن آٹھ رکعات تراویح کے قائلین تین کے کم اور ایک کے زیادہ قائل ہیں اور عمل بھی زیادہ تر ایک ہی پر ہے، جب کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ

ہمیشہ وتر تین رکعات پڑھنی چاہئے۔

۸-محدثین کے نزدیک یہ حدیث قیامِ رمضان (تراویح) سے متعلق نہیں۔ چنانچہ وہ اس حدیث کو قیام رمضان کے بجائے تہجد کے ابواب میں نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے مسلم ج ۱ ص ۲۵۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶، ترمذی ج ۱ ص ۵۸، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۲، مؤطا امام مالک ص ۴۲، امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''قیام اللیل'' میں ''قیام رمضان'' کا باب بھی باندھا ہے اور تعدادِ رکعت بیان کرنے کے لئے بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں مگر حضرت عائشہؓ کی حدیث زیر بحث نہیں نقل کی (دیکھئے قیام اللیل ص ۹۱ و ۹۲) گویا ان کے نزدیک بھی یہ حدیث تراویح سے متعلق نہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے بھی زادالمعاد ج ۱ ص ۸۶ پر قیام اللیل (تہجد) میں ہی اسے نقل کیا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسے تہجد سے ہی متعلق مانا ہے، اور گیارہ کی حکمت یہ بتائی کہ دن کی نمازوں کی مشابہت ہو جائے، یعنی چار ظہر، چار عصر اور تین مغرب، کل گیارہ رکعتیں۔ اسی طرح نماز تہجد چار، چار رکعات اور تین وتر کل گیارہ رکعتیں۔ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وظهر لی ان الحكمة فی عدم الزيادة علىٰ احدىٰ عشرة ان التهجد والوتر مختص بصلوٰة الليل وفرائض النهار الظهر وهی اربع والعصر وهی اربع والمغرب وهی ثلاث وتر النهار فناسب ان تكون صلوٰة الليل كصلوٰة النهار فی العدد جملة وتفصيلا.

گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے کی حکمت مجھے یہ سمجھ میں آئی کہ تہجد اور وتر، خاص رات کی نمازیں ہیں اور دن کے فرائض ظہر کی چار رکعت، عصر کی چار رکعت اور مغرب جو کہ دن کی وتر ہے تین رکعت (کل گیارہ رکعتیں ہوگئیں) لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ رات کی نماز تعداد و تفصیل میں دن کی نماز

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۱) کی طرح گیارہ ہی ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

قد اوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم بركعة وثلاث وخمس وهكذا بالأوتار الىٰ احدى عشرة ركعة والرواية مترددة فى ثلث عشرة وفى حديث شاذ سبع عشرة وكانت هذه الركعات اعنى ما سمّينا جملتها وتراً بالليل وهو التهجد. (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت، تین رکعت، پانچ رکعت، سات رکعت، نو رکعت اور گیارہ رکعت سے وتر کو ادا کیا ہے۔ اور تیرہ رکعات کی روایت متردد ہے اور ایک حدیثِ شاذ میں سترہ رکعتیں بھی آئی ہیں، یہ تمام رکعتیں جنھیں ہم نے وتر سے موسوم کیا ہے، رات کی نمازیں ہیں، اسی کو تہجد کہتے ہیں۔

امام غزالیؒ کے اس بیان سے بھی اُن گیارہ رکعات کا مع وتر تہجد ہونا ثابت ہوا۔

۱۰- مذکورہ بالا اسباب وعلل کی وجہ سے یہ حدیث رکعاتِ تراویح کے عدد کو ثابت نہیں کرتی، کیوں کہ محدثین کے نزدیک اس کا تراویح سے متعلق ہونا متعین نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہلِ علم اس حدیث کو مضطرب قرار دیتے ہیں:

قال القرطبى اشكلت روايات عائشة علىٰ كثير من اهل العلم حتى نسب بعضهم حديثها الىٰ الاضطراب. (فتح الباری ج ۳ ص ۲۱، عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۸۷)

امام قرطبیؒ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت بہت سے اہلِ علم کے لئے مشکل ثابت ہوئی، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے اسے اضطراب کی طرف منسوب کیا۔

بہرحال اِس حدیث سے تو تراویح کی آٹھ رکعتیں ثابت نہ ہوسکیں۔ ہاں! دو روایتیں ضرور ہیں جن سے صراحت کے ساتھ آٹھ رکعتیں معلوم ہوتی ہیں مگر وہ دونوں

روایتیں بھی حد درجہ ضعیف ہیں لہٰذا قابلِ استدلال نہیں۔

**پہلی روایت:-** صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، قیام اللیل اور معجم صغیر میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے:

| | |
|---|---|
| صلی بنا رسول اللہ ﷺ فی رمضان ثمان رکعات والوتر. | رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائی۔ |

لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضورؐ نے تراویح تین رات پڑھائی، اس کے بعد تشریف نہیں لائے، اور حضرت جابرؓ کی اِس روایت میں صرف ایک رات پڑھنے اور دوسری رات میں نہ نکلنے کا ذکر ہے، جیسا کہ اسی روایت میں آگے یوں مذکور ہے:

| | |
|---|---|
| فلما کانت اللیلة القابلة اجتمعنا فی المسجد رجونا ان یخرج فیصلی بنا فاقمنا فیه حتی اصبحنا فقلنا یارسول اللہ رجونا ان تخرج فتصلی بنا فقال انی کرهت اوخشیت ان یکتب علیکم الوتر. (قیام اللیل ص......، صحیح ابن خزیمۃ ج ۲ ص ۱۳۸) | پس جب اگلی رات ہوئی تو ہم مسجد میں جمع ہوئے اس امید پر کہ حضورؐ نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے، پس ہم صبح تک وہیں رہے، (صبح کے وقت) ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں امید تھی کہ آپ نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپؐ نے فرمایا مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ ہو جائے۔ |

اور میزان الاعتدال میں لیلۃ (ایک رات) کی تصریح بھی ہے، لہٰذا متعین نہیں کہ یہ انھیں تین راتوں میں سے کسی رات کا واقعہ ہے۔ چنانچہ شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو انھیں تین راتوں میں سے کسی رات کا واقعہ قرار دینے میں متردد ہیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۲)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اِس روایت کے تین تین راوی ضعیف و مجروح

ہیں۔ چنانچہ غور کیجئے کہ یہ حدیث درج ذیل دو سلسلۂ سند سے آتی ہے:

(۱) اسحٰق۔ ابو ربیع۔ یعقوب قمی۔ عیسیٰ بن جاریہ۔ جابر بن عبداللہؓ

(۲) محمد بن حمید رازی۔ یعقوب قمی۔ عیسیٰ بن جاریہ۔ جابر بن عبداللہؓ

یہی دو سلسلۂ سند ہر جگہ ملے گا خواہ صحیح ابن خزیمہ ہو یا محمد بن نصر مروزیؒ کی قیام اللیل یا کوئی اور کتاب جس میں یہ روایت درج ہو۔

سب سے پہلے دونوں سندوں میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے اِس روایت کو نقل کرنے کا جو شخص دعویدار ہے وہ ہے عیسیٰ بن جاریہ۔ اور عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق خود صحیح ابن خزیمہ کے ہی حاشیہ پر ہے۔

عیسیٰ بن جاریہ فیہ لین. عیسیٰ بن جاریہ میں کمزوری ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸)

جب عیسیٰ بن جاریہ میں کمزوری ثابت ہوگئی تو یہ پوری روایت ہی کمزور ہوگئی، کیوں کہ دونوں سندوں سے اس حدیث کا دارومدار عیسیٰ بن جاریہ پر ہی تھا۔

یہ تو عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق صحیح ابن خزیمہ کے محشی کی رائے تھی۔ اب دیگر ائمہ جرح وتعدیل کی آراء ملاحظہ کریں، اور سوچیں کہ اس روایت کی کمزوری کس حد تک پہنچ گئی ہے۔

یحیٰ بن معینؒ کہتے ہیں لیس بذاک عندہ مناکیر (وہ قوی نہیں ہے، اس کے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں۔)

امام نسائیؒ اور امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں منکر الحدیث (وہ منکر الحدیث ہے)

امام نسائی فرماتے ہیں متروک (وہ متروک الحدیث ہے، اس کی حدیثیں نہیں لی جاتیں)

ساجیؒ اور عقیلیؒ کہتے ہیں ضعفاء میں شامل ہے۔

ابن عدیؒ کہتے ہیں اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (یعنی شاذ و منکر ہیں)

(دیکھئے میزان الاعتدال ج ۲ س ص ۳۱۱، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۰۷)

یہ کل چھ ائمہ ہیں جنھوں نے عیسیٰ بن جاریہ پر شدید جرحیں کی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۰۷ پر عیسیٰ بن جاریہ کو لین الحدیث کہا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱ پر عیسیٰ بن جاریہ کی منکر حدیثوا کی مثال میں یہی حدیث پیش کی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے علامہ سخاویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ منکرالحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے جس کی بناپر اس کی حدیث قابلِ ترک ہوجاتی ہے۔ (ابکار المنن ص ۱۹۱)

یہ تو پہلے راوی عیسیٰ بن جاریہ کا حال تھا، اس کے بعد دونوں ہی سندوں میں ایک اور نام آتا ہے وہ ہے یعقوب قمی کا نام، اس کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں لیس بالقوی وہ قوی نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۲۴)

دوسری سند میں یعقوب قمی سے پہلے ایک نام محمد بن حمید رازی کا ہے۔ اس کے متعلق امام ذہبیؒ کہتے ہیں وھو ضعیف وہ ضعیف ہے۔

یعقوب بن شیبہؒ کہتے ہیں کثیر المناکیر بہت منکر احادیث بیان کرتا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں فیه نظر اس میں نظر (اعتراض) ہے۔

ابوزرعہؒ کہتے ہیں وہ جھوٹا ہے کذبه ابوزرعة

اسحٰق کوسجؒ کہتے ہیں اشهد انه کذاب میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔

صالح جزرہؒ کہتے ہیں فی کل شئ یحدثنا مارأیت أجرأ علی الله منه کان یأخذ احادیث الناس فیقلب بعضه علیٰ بعض (ہر چیز کے بارے میں

حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا۔ لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے)

اب خراشؒ کہتے ہیں کان واللہ یکذب خدا کی قسم! وہ جھوٹا ہے۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں لیس بثقة وہ معتبر نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹ و ۵۰)

غور کرنے کی بات ہے کہ جس حدیث کے سلسلۂ سند میں تین تین ضعیف راوی موجود ہوں اُس حدیث کا درجہ کیا رہا۔

بلوغ المرام میں بھی یہ روایت موجود ہے، مگر اس میں رکعتوں کا ذکر ہی نہیں، دوسرا اضطراب یہ ہے کہ اُس حدیث میں ہے:

فقلنا یارسول اللہ رجونا أن تخرج فتصلی بنا فقال انی کرھت اوخشیت ان یکتب علیکم الوتر.

ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ہمیں امید تھی کہ آپ نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپؐ نے فرمایا مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ ہو جائے۔

(بلوغ المرام ص ۴۲ و ۴۳، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸)

گویا وتر فرض ہو جانے کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہیں لائے، جب کہ احادیثِ صحیحہ سے قیامِ رمضان (تراویح) فرض ہو جانے کے خوف سے تشریف نہ لانا منقول ہے، خود ابن خزیمہؒ نے اس حدیث کا عنوان یوں قائم کیا ہے باب ذکر دلیل بأن الوتر لیس بفرض (اس بات کی دلیل کہ وتر فرض نہیں ہے ج ۲ ص ۱۳۸۔

**دوسری روایت:-** حضرت جابرؓ کی ہی دوسری روایت اس طرح ہے:

جاء ابی بن کعب الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ انه کان منی اللیلة شئ یعنی فی

ابی بن کعبؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! رمضان کی گزشتہ رات مجھ سے

رمضان قال وماذاک یاابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لانقرا القرآن فنصلی بصلاتک قال فصلیت بھن ثمان رکعات واوترت فکانت سنۃ الرضاء ولم یقل شیئا. (ابویعلی، قیام اللیل)

ایک بات ہوگئی، آپؐ نے فرمایا وہ کیا، اے ابی؟ جواب دیا میرے گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے، تو ہم بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں گے، چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعت پڑھائی اور وتر بھی پڑھائی، پس یہ سنت رضا ہوئی اور حضورؐ نے کچھ نہیں کہا۔

قیام اللیل ص ۵۵ پر اعلامہ مروزیؒ نے اس کی سند نقل کی ہے۔ اس میں بھی وہی خرابی ہے جو پہلی روایت میں ہے، یعنی اس کے سلسلۂ سند میں بھی عیسیٰ بن جاریہ موجود ہے، لہٰذا محدثین کے نزدیک ضعیف، متروک، منکر الحدیث اور غیر معتبر ہونے کی وجہ سے یہ روایت بھی قطعاً قابلِ استدلال نہیں، اس کے علاوہ یعقوب قمی بھی ہے جس نے اس روایت کو مزید ضعیف بنا دیا۔

آٹھ رکعات کی لے دے کے یہی کل تین روایتیں تھیں، (۱) اور ان سے تراویح کی آٹھ رکعتوں کا ثابت نہ ہونا بالکل واضح ہے۔

## آٹھ سے زائد

مؤطا امام مالکؒ میں آٹھ رکعات سے زائد کی یہ روایت موجود ہے:

عن داؤد بن الحصین انہ سمع

داؤد بن حصینؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے

(۱) یعنی روایتِ عائشہؓ اور حضرتِ جابرؓ کی یہ دو روایتیں۔ ایک روایت یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں گیارہ کا ہی حکم دیا تھا مگر وہ راوی کا وہم ہے، کیوں کہ حضرت عمرؓ کا بیس رکعات کا حکم دینا روزِ روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے۔ تفصیلی بحث اسی کتاب کے ص ۴۲۸ پر آرہی ہے۔

الاعرج یقول ماادرکت الناس الاوھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان وکان القاری یقرأ سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بھا فی اثنیٰ عشرۃ رکعۃ رأی الناس انہ قدخفف.
(ص ۴۴)

اعرجؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ رمضان المبارک میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے اور امام آٹھ رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھ ڈالتا۔ پھر جب بارہویں رکعت میں کھڑا ہوتا تو لوگوں کو محسوس ہوتا کہ اب اس نے قرأت میں تخفیف کر دی ہے۔

اس کی سند صحیح ہے اور کسی نے بھی کلام نہیں کیا —— اس حدیث سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آٹھ رکعات سے زائد تراویح پڑھنا صراحۃً ثابت ہے، کم ازکم بارہ رکعت کا تذکرہ اسی روایت میں موجود ہی ہے اور آگے کی نفی نہیں، بلکہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ امام پوری سورۂ بقرہ آٹھ رکعات میں پڑھ ڈالتا تھا، اس کے بعد بارہویں رکعت میں قرأت میں تخفیف کرتا۔ یعنی کم، کم پڑھ کر رکوع، سجدہ کرتا، اور رمضان المبارک میں باجماعت پڑھنے کا تذکرہ ہے جس نے اس نماز کا تراویح ہونا اور مؤکد کر دیا۔

کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ حضورؐ کے زمانہ میں تراویح صرف تین دن ہوئی، کیونکہ تین دن تو خود حضورؐ کے عمل سے ثابت ہے۔ لیکن صحابۂ کرام اپنے اپنے طور پر متفرق جماعتیں کر کے تراویح پڑھا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں انہی متفرق جماعتوں کو ایک امام کے پیچھے اکٹھا کر دیا تھا۔

## بیس رکعتیں

بیس رکعات تراویح کی روایت یہ ہے:

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

الله علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر انتهیٰ
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۴؛ بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۳ ص ۱۴۸، منتخب مسند حمید بن حمید ج ۱ ص ۷۳ وغیرہ)

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

اس کے سلسلۂ سند میں بھی ایک ضعیف راوی ابراہیم بن عثمان موجود ہے۔

## حضورؐ سے تراویح کا کوئی متعین عدد منقول ہے یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ آٹھ یا بیس کی کوئی بھی روایت احتمال اور ضعف سے خالی نہیں، لہٰذا سندِ صحیح کے ساتھ اور بالصراحت کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین رات کی تراویح میں متعین طور پر کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔ آٹھ یا بیس۔ یہی وجہ ہے کہ علماء محققین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے تراویح کی رکعتوں کا کوئی متعین عدد ثابت نہیں ہوتا کہ حضورؐ نے بس اتنی ہی پڑھی ہوں، نہ اس سے کم اور نہ زائد۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ان نفس قیام رمضان لم یوقت النبی صلی الله علیه وسلم فیه عدداً معینا بل هو کان صلی الله علیه وسلم لایزید فی رمضان ولاغیره علیٰ ثلٰث عشرة رکعة کان یطیل الرکعات فلما جمعهم عمر رضی الله عنه علیٰ ابی ابن

قیام رمضان (تراویح) کے لئے آنحضرت ﷺ نے کوئی عدد متعین نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات پر زیادہ نہیں کرتے تھے۔ رکعتیں لمبی پڑھتے تھے، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی ابن کعبؓ کی امامت میں سب لوگوں کی ایک جماعت

کعب کان یصلی بھم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث.

قائم کردی تو وہ بیس رکعتیں پڑھاتے تھے پھر تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

لیجئے! ابن تیمیہؒ کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یعنی گیارہ کے بجائے تیرہ ——— اور حضورؐ نے قیامِ رمضان (تراویح) کی رکعتوں کی کسی عددِ معین کے ساتھ تحدید بھی نہیں فرمائی۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

من ظن ان قیام رمضان فیه عدد معین مؤقت عن النبی صلی الله علیه وآله وأصحابه وسلم لایزاد علیه ولاینقص فقد أخطأ.

جو یہ سمجھے کہ قیام رمضان کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی متعین عدد منقول ہے جس میں نہ زیادتی کی جاسکتی نہ کمی، وہ غلطی پر ہے۔

(مرقات ج۲ص۱۷۵)

علامہ سبکی شافعی شرح منہاج میں لکھتے ہیں:

اعلم انه لم ینقل کم صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی تلک اللیالی هل هو عشرون او أقل.

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھیں، بیس یا کم۔

(تحفۃ الاخیار ص۱۹۶)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ مصابیح میں لکھتے ہیں:

ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذالک من فعل النبی صلی الله علیه وسلم لم یختلف فیه.

(ص۴۲)

علماء نے تراویح کی رکعات میں اختلاف کیا ہے، اور اگر یہ (تراویح کی متعین رکعتیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہوتیں تو یہ اختلاف نہ ہوتا۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

والحاصل الذین دلت علیہ احادیث الباب وما یشابھما ھو مشروعیة القیام فی رمضان والصلوٰة فی جماعة وفرادیٰ فقصر الصلوٰة المسماة بالتراویح علیٰ عدد معین وتخصیصھا بقرأة مخصوصہ لم ترد بہ سنة.

(نیل الاوطار ج۳ ص۵۳)

احادیثِ باب کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کا قیام مشروع ہے، اور نماز جماعت کے ساتھ بھی پڑھی جائے گی اور تنہا بھی۔ پس تراویح کو کسی متعین عدد میں منحصر اور کسی خاص قرأت کے ساتھ مخصوص کردینے کے بارے میں حدیث وارد نہیں ہوئی۔

## رکعاتِ تراویح اور صحابۂ کرامؓ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعاتِ تراویح کا کوئی مخصوص عدد سندِ صحیح کے ساتھ بالصراحت مروی نہیں (۱) اور محتمل وضعیف الاسناد احادیث کی جہاں تک بات ہے تو آٹھ بھی ثابت ہیں اور بیس بھی، لہٰذا ضروری ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طرزِ عمل کو دیکھا جائے کہ وہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے کیوں کہ وہی اسلام کے اولین مخاطب اور قول وفعلِ رسولؐ کے شارح تھے۔ انھوں نے سنتِ رسولؐ پر جس طرح عمل کیا، وہ سنتِ رسولؐ پر عمل کرنے کے جیسے شیدائی تھے اس کی نظیر ومثال نہیں مل سکتی اور بعد کے لوگ تو ان کی برابری کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔

چنانچہ ہم صحابۂ کرامؓ کو دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کی زندگی میں ہی حضورؐ کی اِس سنت (تراویح) پر عمل کرنے لگے تھے، مختلف جماعتوں میں، متفرق ہوکر، الگ الگ ٹولیوں میں

(۱) بذل المجہود ج۲ ص۳۰۴۔

بٹ کروہ تراویح پڑھتے رہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تھے لیکن کبھی اس پر ناپسندیدگی یا ناگواری کا اظہار نہیں کیا، بلکہ پسندیدگی اور رضامندی کی سند عطاء فرمائی۔ کیوں کہ تراویح کو آپؐ نے ہی سنت فرمایا تھا۔

عن عبدالرحمٰن بن عوف قال ذکر رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان فقال شهر فرض الله صيامه وسننت انا قيامه.

(ابن ماجہ ص ۹۵، بیہقی، نسائی، ابن شیبہ)

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کا ذکر کیا، پس فرمایا رمضان المبارک ایسا مہینہ ہے کہ جس کے روزوں کو اللہ نے فرض کیا ہے اور اس کی رات کی نماز کو میں نے مسنون کیا ہے۔

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرظیؓ روایت کرتے ہیں:

خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فى رمضان فرأى ناساً فى ناحية المسجد يصلون فقال مايصنع هؤلاء قال قائل يارسول الله هؤلاء ناس ليس معهم القرآن وابى بن كعب يقرأ وهم معه يصلون بصلاته فالقداحسنوا وقد اصابوا ولم يكره ذالك لهم.

(رواہ البیہقی فی المعرفۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی ایک رات میں نکلے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں نماز پڑھ رہے ہیں، فرمایا یہ لوگ کیا کررہے ہیں؟ ایک شخص نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ! یہ قرآن کے حافظ نہیں، ابی بن کعبؓ قرأت کررہے ہیں۔ اور یہ لوگ ان کے ساتھ وہی نماز پڑھ رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اچھا کیا اور درست کیا، آپؐ نے اُن لوگوں کے لئے اسے ناپسند نہیں کیا۔

اِسی مضمون کی ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد شریف میں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

فقال النبی صلی الله علیه وسلم اصابوا ونعم ماصنعوا (ج۱ص۲۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھوں نے درست کیا اور بڑا اچھا کام کیا۔

عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے مروی ہے کہ:

خرجت مع عمربن الخطاب لیلة فی رمضان الی المسجد فاذا الناس أوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط فقال عمر انی أریٰ لو جمعت هٰؤلاء علیٰ قارئ واحد لکان أمثل ثم عزم فجمعهم علیٰ ابی بن کعب.

(بخاری ج۱ص۲۶۹، مؤطاامام مالک ص۴۲)

میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ رمضان کی ایک رات میں مسجد نبوی کی جانب نکلا تو لوگ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آئے، کوئی خود نماز پڑھ رہا تھا، کوئی کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر پڑھ رہا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر میں ان لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کردوں تو بہت عمدہ ہوتا، پھر اس کا پختہ ارادہ کرلیا اور حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں سب کو جمع کردیا۔

دوسری روایت میں ہے:

عن نوفل بن ایاس الهذلی قل کنا نقوم فی عهدعمربن الخطاب فی المسجد فیتفرق هٰهُنا فرقة وهٰهُنا فرقة وکان الناس یمیلون الیٰ أحسنهم صوتا فقال عمر اراهم قد اتخذوا القرآن اغانی اماوالله لئن استطعت لاغیرن فلم یمکث الا ثلث لیال حتی أمرأبیّاً فصلی

نوفل بن ایاس ہذلیؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسجد نبوی میں نماز (تراویح) پڑھتے تھے تو مختلف گروہوں میں تقسیم رہتے تھے، ایک گروہ یہاں پڑھتا، دوسرا گروہ وہاں، لوگ سب سے اچھی آواز والے امام کی طرف مائل ہوتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں نے قرآن کو گانے

بهم. (رواه البخاری فی خلق افعال العباد و ابن سعد و جعفر الفریابی و اسناده صحیح.

(آثار السنن ج ۲ ص ۷۱)

کی چیز بنالیاہے، خدا کی قسم! اگر مجھے استطاعت ہوئی تو اسے ضرور بدل دوں گا، چنانچہ اس بات کے تین راتوں کے بعد حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم دیا لہٰذا وہ سب کو نماز پڑھانے لگے۔

اِن روایات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱-حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابۂ کرامؓ تراویح پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پسند فرمایا۔

۲- یہ تراویح باجماعت ہوتی تھی، مگر ایک امام کے پیچھے نہیں بلکہ ایک ہی مسجد میں مختلف اماموں کے پیچھے۔ گویا ایک ہی مسجد میں تراویح کی کئی کئی جماعتیں ہوتی تھیں۔

۳-تراویح کی یہ متفرق جماعتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوتی رہیں اور آپ کے بعد بھی، مثلاً حضورؐ کے زمانہ میں ہونے کا تذکرہ ثعلب بن ابی مالک قرظیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات اور عہد فاروقی میں ہونے کا ذکر عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ اور نوفل بن ایاسؒ کی روایات سے ظاہر ہے۔

۴-حضرت عمر فاروقؓ نے انھیں متفرق جماعتوں کو ملا کر ایک جماعت کردی اور حضرت ابی بن کعبؓ کو ان سب کا امام مقرر کردیا۔ (۱) تاکہ مختلف جماعتوں کی وجہ سے اختلاف وانتشار نہ ہو اور سبھی لوگوں کی اس خواہش کی بھی تکمیل ہوجائے کہ سب سے اچھے قرآن پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھیں تاکہ قرآن سے رغبت بڑھے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تین دن کے بعد باجماعت تراویح کا ترک، اس خوف سے تھا کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہوجائے اور امت بعد میں چل کر اپنی تساہلی اور غفلت کی وجہ سے ادا نہ کرسکے، مگر حضورؐ کی وفات کے بعد فرض ہونے کا امکان باقی نہیں رہا اور اس کا مسنون ہونا حضورؐ کی ترغیب وتلقین سے ثابت ہی تھا لہٰذا رفعِ نافع کے بعد حضرت عمرؓ نے مختلف جماعتوں کی ایک جماعت کردی تاکہ تراویح اسی طرح ایک امام کے پیچھے ادا ہو جس طرح حضورؐ کی زندگی میں تین رات ادا ہوئی تھی، پھر تمام صحابۂ کرامؓ کا بالاتفاق اس پر عمل پیرا ہوجانا، جس سے یہ نماز سنت مؤکدہ قرار پائی۔

ابی بن کعبؓ کے متعلق حضورؐ کا ارشاد تھا اقرا کم ابی بن کعب تم میں سب سے اچھے قاری ابی بن کعبؓ ہیں)

۵-مگر اِن روایات سے ایک بات کا پتہ نہیں چلتا، وہ یہ کہ جو صحابۂ کرامؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متفرق جماعتوں کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے وہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے، اسی طرح حضرت عمرؓ کے حکم سے پہلے متفرق جماعتوں والے کتنی رکعتیں ادا کرتے تھے۔ آٹھ یا بیس یا کوئی اور تعداد؟

البتہ داؤد بن حصین کی مؤطا امام مالک ص۴۳ کی روایت (جو گزر چکی) میں صحابۂ کرامؓ کا بارہویں رکعت تک کا تذکرہ سندِ صحیح کے ساتھ صاف طور پر موجود ہے اور بارہ سے آگے کی نفی بھی نہیں ہے، بلکہ انداز بیان بتاتا ہے کہ بارہ کے بعد بھی نماز ہوتی تھی۔

اِس روایت سے صحابۂ کرامؓ کا یہ صریح طرزِ عمل معلوم ہوا کہ وہ آٹھ سے زائد پڑھتے تھے اور اسی روایت سے بارہ سے زائد بیس کی طرف اشارہ ملا اور جہاں تک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بات ہے تو انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس ہی رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا (جیسا کہ روایات آرہی ہیں) حضرت عمرؓ کے اِس حکم پر کسی بھی صحابیؓ نے انکار نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، جن کی گیارہ رکعات والی روایت، آٹھ کے قائلین پیش کرتے ہیں، انھوں نے بھی حضرت عمرؓ پر کوئی گرفت نہیں کی کہ آپ سنتِ رسولؐ کے خلاف بجائے آٹھ کے بیس کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟ گویا حضرت عائشہؓ کے نزدیک بھی تراویح کی بیس ہی رکعتیں مسنون تھیں، اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں حضرت عثمانؓ بھی تھے اور حضرت علیؓ بھی، عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے، عبداللہ بن عمرؓ بھی، عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ وغیرہ۔ کا بالاتفاق اجماعی طور پر بیس رکعتوں کو تسلیم کر لینا اور ابی بن کعبؓ کے پیچھے بیس کی ادائیگی

میں مشغول و مصروف ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسے حضورؐ کی سنت کے عین مطابق سمجھتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیس والی روایت، اگرچہ بعد کے راوی کی وجہ سے ضعیف قرار پاتی ہے، مگر صحابۂ کرامؓ کے اجماعی فیصلے نے اسے تقویت دیدی اور بتادیا کہ بعد کے زمانے کے اعتبار سے خواہ اس میں ضعف ہو مگر صحابۂ کرامؓ کے نزدیک وہ کسی طرح ضعیف نہیں تھی، کیوں کہ اگر صحابۂ کرامؓ کے نزدیک وہ ضعیف ہوتی اور حضورؐ کی سنت کے خلاف ہوتی تو اسے برداشت کرلینا صحابۂ کرامؓ کے اُس مخصوص مزاج کے خلاف تھا جس پر قرآن وحدیث گواہ ہیں کہ وہ خلافِ سنت اور خلافِ حق کوئی بات، کوئی حکم، کوئی چیز، ایک لمحہ کے لئے بھی قطعی طور پر گوارہ نہ کرسکتے تھے، خواہ اس کے لئے انھیں ابتلاء وآزمائش کے کتنے ہی مراحل سے کیوں نہ گزر جانا پڑے۔ ایک عمرؓ کیا سیکڑوں عمرؓ بھی انھیں کسی غلط بات اور خلافِ سنت امر پر مجبور نہیں کرسکتے تھے۔ اور وہ خود حضرت عمرؓ جنھیں زبانِ رسالت سے کہیں تو کہا گیا کہ **لو کان بعدی نبی لکان عمر** (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو عمر ہوتے) کہیں فرمایا گیا **ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبه** (اللہ نے کلمۂ حق، عمر کی زبان اور قلب پر جاری کردیا ہے) کہیں کہا گیا **ان الشیطان یخاف منک یاعمر** (اے عمرؓ! تم سے شیطان بھی خوف کھاتا ہے) اور حضرت علیؓ فرماتے تھے **ماکنا نبعد ان السکینة تنطق علیٰ لسان عمر** (ہم لوگ (یعنی صحابہ) اس کو بعید نہیں سمجھتے تھے کہ سکینہ حضرت عمرؓ کی زبان پر بولتا ہے(۱)) ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیان کردہ اِن خصوصیات کے حامل حضرت عمرؓ آٹھ رکعات مسنون تراویح چھڑوا کر بیس رکعات غیر مسنون کا حکم دے سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔

---

(۱) یہ ساری احادیثِ کریمہ مشکوٰۃ جلد ثانی ص ۵۵۶، باب مناقب عمر میں ترمذی، ابوداؤد اور بیہقی وغیرہ کے حوالہ سے درج ہیں۔

امام ابوداؤد سجستانیؒ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ أصحابہ. (ابوداؤد شریف ج۱ص۲۶۳) | جب دو متضاد حدیثیں ہمارے سامنے ہوں تو دیکھا جائے گا کہ عملِ صحابہؓ کس کے مطابق ہے۔ |

یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے صحیح سند اور غیر مضطرب روایت کے ساتھ رکعاتِ تراویح کا کوئی متعین عدد ثابت نہیں، لیکن صحابۂ کرامؓ کے اجماعی فیصلے نے بتادیا کہ حضورؐ کی تراویح کی رکعتیں بیس ہی تھیں اور بیس ہی مسنون ہیں اور اس اعتبار سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیس والی روایت عہد صحابہؓ میں ہر قسم کے ضعف سے خالی اور استدلال کی پوری قوت کی حامل نظر آتی ہے، اور عہد صحابہؓ کے بعد اس کے سلسلۂ سند میں کسی ضعیف راوی کا شامل ہوجانا اس کے درجے اور مرتبے کو کسی طرح کم نہیں کرتا، اشکال تو اس وقت ہوتا جب بیس رکعتوں کو صحابۂ کرامؓ نے تسلیم نہ کیا ہوتا، یہاں تو صورتِ حال یہ ہے کہ بیس پر خلفائے راشدین (عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ) (۱) نے عمل کیا، اجلۂ صحابہؓ نے عمل کیا، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ (ابوحنیفہؒ مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ) نے تسلیم کیا، مختصر یہ کہ چند گنے چنے افراد کو چھوڑ کر، پوری امت نے ہاتھوں ہاتھ لیا، پھر یہ اشکال ہی کہاں رہ جاتا ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت ضعیف ہے۔ کیا یہ سب لوگ خلافِ سنت پر ہی عمل کرانے کے درپے ہیں؟ کیا انھیں سنتِ رسولؐ سے محبت نہیں ہے؟

ایک دوسرے اعتبار سے سوچئے تو بیس پر عمل کرنا اس لئے بھی بہتر ہے کہ اگر حضورؐ کی تراویح بیس رکعات تھی تو آٹھ پڑھنے والا سنت سے محروم رہا اور اگر آٹھ رکعت تھی تو بیس میں آٹھ شامل ہے، بیس پڑھنے والا بہر حال آٹھ پر عمل کرنے والا قرار پائے گا اور سنت سے محروم نہیں رہے گا۔

---

(۱) خلافتِ صدیقی میں تراویح کی ایک جماعت نہیں ہوتی تھی جیسا کہ ص۳۷۲ پر گزر چکا ہے۔

بہر حال اب بیس رکعتوں پر خلفائے راشدین سمیت دیگر اجلۂ صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور امت کے اجماعی عمل کی روایات ملاحظہ فرمائیں۔

## بیس رکعتوں کا ثبوت، خلفائے راشدینؓ سے

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں ہونا درج ذیل روایات سے ثابت ہے۔

۱۔ یحییٰ بن سعیدؒ سے مروی ہے:

ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعة.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۳۹۳)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ انھیں (صحابہؓ وتابعینؒ کو) بیس رکعات پڑھائے۔

۲۔ عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة. (مؤطاامام مالک ص۴۳)

یزید بن رومانؒ کہتے ہیں کہ لوگ (صحابہؓ تابعینؒ) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تئیس (۲۳) رکعتیں پڑھتے تھے (بیس تراویح، تین وتر)

۳۔ عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علیٰ عھد عمربن الخطاب رضی اللہ عنه فی شھر رمضان بعشرین رکعة قال وکانوا یقرأون بالمئین وکانوا یتوکئون علیٰ عصیھم فی عھد عثمان بن عفان رضی الله عنه من شدة القیام. (بیہقی ج۲ص۴۹۶)

یزید بن خصیفہ، سائب بن یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں رمضانُ المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے، سائب بن یزیدؓ کے زمانۂ خلافت میں شدتِ قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔

۴- کنز العمال میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا:

فصلی بهم عشرين ركعة.

(ج ۲ ص ۲۸۴)

پس انھوں نے ان کو (صحابہ وتابعین کو) بیس رکعتیں پڑھائیں۔

۵- عن عبدالعزيز بن رفيع قال كان ابى بن كعب يصلى بالناس فى رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں کو رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں بیس رکعتیں اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

۶- عن عبدالرحمٰن السلمى إن علياً دعا القراء فى رمضان فامر رجلاً ان يصلى بالناس عشرين ركعة وكان على يوتر بهم.

(معرفۃ السنۃ للبیہقی ج ۱ ص ۷۷۴، وسنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

عبدالرحمٰن سلمیؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان المبارک میں قراء کو بلایا، پس ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے اور حضرت علیؓ انھیں وتر پڑھاتے تھے۔

## حضرت عمرؓ کا حکم، حدیثِ مرفوع

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعتوں کا ہی حکم کیوں دیا؟ نہ اس سے کم نہ زیادہ، کوئی نماز کتنی تعداد میں پڑھی جائے اور کس طرح پڑھی جائے؟ یہ کوئی عقلی چیز نہیں کہ عقل سے سوچ کر آدمی بتادے، نماز کا طریقہ، نماز میں رکعتوں کی تعداد، یہ وہ امور ہیں کہ جن میں عقل و اجتہاد کا ذرا بھی دخل نہیں، حضرت عمرؓ نے جو بیس رکعتوں کا حکم دیا اور حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ سمیت تمام صحابۂ کرامؓ نے جو اسے تسلیم کیا

وہ سوائے اس کے نہیں ہوسکتا کہ خود حضرت عمر اور دیگر صحابۂ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل اسی طرح سنا اور دیکھا تھا، بغیر حضورؐ کے قول یا فعل سے بلا کمی بیشی از خود بیس رکعتوں پر اجماع کر لینا اور اسے متفقہ طور پر تسلیم کر لینا، ممکن نہیں ، کیوں کہ یہ عقلی اور اجتہادی چیز نہیں تھی کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہی رہیں گی نہ اس سے کم ہوں گی ، نہ زیادہ، اور کسی ایسے امر میں کسی بھی صحابی کا قول وفعل جس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو، حدیث، حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

مایقول الصحابی الذی لم یأخذ من الاسرائیلیات مالااجتهادفیه ولا له تعلق ببیان لغة اوشرح غریب ...... وانما کان له حکم المرفوع لانه اخبارهٔ بذالک یقتضی مخبرا له ومالامجال للاجتهاد فیه یقتضی موقفا للقائل به ولا موقف للصحابة الا النبی صلی الله علیه واٰله وسلم.

(شرح نخبۃ الفکر ص ۷۶)

صحابی کا وہ قول بھی حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہے، جسے اس نے اسرائیلیات سے نہ لیا ہو، نہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو، نہ اس کا تعلق کسی لغت کے بیان یا کسی نامانوس لفظ کی شرح سے ہو...... وہ حدیثِ مرفوع کے حکم میں اس لئے ہے کیوں کہ صحابۂ کرامؓ کی اِس قسم کی خبریں کسی خبر دینے والے کو چاہتی ہیں، جب اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں تو کہنے والے کے لئے کوئی واقفیت اور اطلاع کی جگہ ہوگی جہاں سے اس نے یہ بات حاصل کی ہو اور صحابہ کرامؓ کی واقفیت کی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں۔

قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا:

هـل كـان لـعمر رضى الله عنه عهد من الـنبى صلى الله عليه وسلم فى عشريـن ركـعة فـقـال له ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ لم يكن عمر رضى الله عنه مبتدعاً .

(فیض الباری شرح بخاری ج۲ص۴۲۰،مراقی الفلاح ص۸۱،البحرالرائق ج۲ص۶۶)

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیس رکعات کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے کوئی بات معلوم تھی؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حضرت عمرؓ بدعت کو ایجاد کرنے والے نہ تھے، (یعنی بلاشبہ حضرت عمرؓ کو بیس رکعتوں کے متعلق حضورؐ سے کوئی بات ضرور معلوم تھی ورنہ وہ اپنی طرف سے بیس کی تعیین نہ کردیتے)

# دیگر صحابہؓ وتابعینؒ

۱- وفـى قـيـام الـليـل قـال الاعـمـش كـان اى ابـن مسعود يصلى عشرين ركعة ويوتر بثلاث .

(تحفۃ الاحوذی ج۲ص۷۵)

قیام اللیل میں ہے کہ اعمشؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور تین رکعت وتر۔

۲- عـن ابـى الـخـصـيب قـال كـان يـؤمـنـا سـويـد بن غفلة فى رمـضـان فيصلى خمس ترويحات عشرين ركعة. (بیہقی ج۲ص۴۹۶)

ابوالخصیبؒ کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہؒ رمضان المبارک میں ہماری امامت کرتے تھے اور پانچ ترویحوں میں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

۳- نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ:

كـان ابـن ابـى مـليكة يصلى بنافى رمضان عشرين ركعة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۳۹۳)

ابن ابی ملیکہؒ ہمیں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

۴- ان علی بن ربیعة کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث. (حوالۂ مذکورہ)

علی بن ربیعہؒ انھیں رمضان المبارک میں پانچ ترویحے اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

۵- حضرت عطاء بن رباحؒ سے مروی ہے کہ:

ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا وعشرین رکعة بالوتر. (حوالۂ مذکورہ)

میں نے لوگوں (صحابہؓ وتابعینؒ) کو پایا کہ وہ مع وتر تئیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

۶- عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنه انه کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعة ویوتر بثلاث.

(بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ ومصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

شتیر بن شکلؒ جو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب میں سے تھے، وہ لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

۷- عن الحارث انه کان یؤم الناس فی رمضان بعشرین رکعة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

حارثؒ رمضان المبارک میں لوگوں کی امامت کرتے اور بیس رکعتیں پڑھاتے۔

۸- عن محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة. (قیام اللیل ص ۹۱)

محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ لوگ (صحابہؓ وتابعینؒ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

۹- ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ نے بیس رکعتوں پر تمام صحابۂ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۱۶۷) علامہ ابن حجر ہیثمیؒ اور ابن عبدالبرؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ (تحفۃ الاخیار ص ۱۹۷، مرقات ج ۲/۱۷۴) امام غزالی بھی اسی کے قائل ہیں۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۲۰۸)

## ائمہ اربعہؒ

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ۔ یہ سب کے سب بیس رکعات تراویح کو مسنون قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام مالکؒ چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے یعنی بیس میں سولہ کے اضافہ کے ساتھ، اور اضافہ کی وجہ یہ تھی کہ اہلِ مکہ ہر چار رکعت پر خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا کرتے تھے اور اہلِ مدینہ ظاہر ہے کہ اس پر قادر نہیں تھے۔ لہٰذا انھوں نے طواف کا بدل یہ نکالا کہ ہر طواف کے عوض چار رکعتیں مزید پڑھنے لگے تا کہ اہلِ مکہ سے برابری ہو سکے، کہ اگر اہلِ مکہ بیس رکعتوں کے ساتھ چار مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کر کے ثواب حاصل کرتے ہیں تو یہ لوگ بیس رکعتوں کے ساتھ مزید سولہ رکعتیں پڑھ لیتے ہیں، چونکہ اہلِ مدینہ کے ہی عمل کو امام مالکؒ نے اختیار کیا تھا اس لئے وہ بھی بیس کے ساتھ مزید سولہ رکعتوں کے قائل تھے۔

ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| انما فعل هذا اهل المدينة لانهم ارادوا مساواة اهل مكة فان اهل مكة يطوفون سبعاً بين كل ترويحتين فجعل اهل المدينة مكان كل سبع اربع ركعات. (المغنی ج ۲ ص ۱۶۷) | اہلِ مدینہ نے یہ اس لئے کیا تھا تا کہ اہلِ مکہ کے ساتھ برابری ہو جائے کیوں کہ اہلِ مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے لہٰذا اہلِ مدینہ نے ہر سات طواف کی جگہ چار رکعتیں رکھ دیں۔ |

پھر ابن قدامہؒ لکھتے ہیں کہ لیکن چونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیس ہی رکعات مروی ہیں، اس لئے ہمیں اسی کی اتباع کرنی چاہئے۔ خواہ کسی جگہ بھی رہیں۔

| | |
|---|---|
| وكان اصحاب رسول الله عليه | اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اولی |

وسلم اولیٰ واحق ان یتبع (حوالۂ مذکورہ)

ہیں اور اتباع کے زیادہ حقدار ہیں۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں:

واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالک فی احد قولیه وابوحنیفة والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر وذکر ابن القاسم عن مالک انه یستحسن ستا وثلاثین رکعة والوتر ثلاث. (بدایۃ المجتہد ج۱ص۱۷۹)

رکعاتِ تراویح کے مختار عدد کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے، امام مالکؒ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں، اور امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور داؤد ظاہریؒ نے، وتر کے علاوہ بیس رکعتوں کو اختیار کیا ہے، اور عبدالرحمٰن بن قاسمؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس رکعات اور تین رکعات وتر کو بہتر سمجھتے تھے۔

شوافع کا توشیح میں بیس رکعات کا مسلک نقل کیا گیا ہے۔ (بذل ج۲/۳۰۵)

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

والمختار عندابی عبدالله رحمه الله فیها عشرون رکعة وبهذا قال الثوری وابوحنیفة والشافعی وقال مالک ستة وثلاثون وتعلق بفعل اهل المدینة. (المغنی ج۲ص۱۶۷)

امام ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) رحمہ اللہ کے نزدیک تراویح میں بیس رکعتیں مختار و پسندیدہ ہیں، اسی کے قائل ہیں سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ بھی، اور امام مالکؒ چھتیس رکعات کے قائل ہیں اہل مدینہ کے فعل سے تعلق پیدا کرتے ہوئے۔

## دیگر ائمہ کبار و علماء محققین

عام طور پر تمام ائمۂ کبار اور علماء محققین بیس کے ہی قائل ہیں لیکن بعض بیس سے

بھی زیادہ کے، جیسا کہ امام مالکؒ کا حوالہ گزرا، اس کے علاوہ کچھ اور حضرات اس سے بھی زیادہ کے، جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے:

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم ان یصلی احدیٰ واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علیٰ هٰذا عند هم بالمدینة واکثراهل العلم علیٰ ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهٰکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة.

(ترمذی شریف ج ۱ص ۹۹)

اہل علم نے قیامِ رمضان (تراویح) کے بارے میں اختلاف کیا ہے، اُن میں سے بعض مع وتر اکتالیس رکعتوں کے قائل ہیں، یہی اہل مدینہ کا قول ہے اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل ہے، (۱) اور اکثر اہل علم اُن بیس رکعتوں کے قائل ہیں جو حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور ان دونوں کے علاوہ دیگر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، یہی سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔ (۲) اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں نے ایسے ہی اپنے شہر مکہ میں پایا کہ وہ بیس رکعتیں پڑھتے ہیں۔ (۳)

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح ہوا کرتی تھی اور حضرت ابی بن کعبؓ پڑھاتے تھے،

---

(۱) یہ اکتالیس رکعتیں وتر کو شامل کر کے ہیں اور وتر کی بعض علماء کے نزدیک پانچ رکعتیں بھی مروی ہیں، لہٰذا چھتیس اور پانچ، اکتالیس ہوجاتی ہیں، اس طرح اہلِ مدینہ کے عمل میں سابقہ چھتیس والی روایت اور موجودہ اکتالیس والی روایت میں کوئی تضاد نہیں ہے (فتح الباری ج ۴ص ۲۵۳) (۲) غور کیجئے اب تک کے جتنے اقوال سامنے آئے خصوصاً امام ترمذیؒ نے کئی حضرات کے نام گنا دیئے، کسی کا بھی آٹھ کا قول نہیں ملا، زیادہ تر بیس کے ملے، بعض بیس سے بھی زیادہ۔ (۳) مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آج بھی بیس رکعات پر ہی عمل ہوتا ہے۔

پھر آگے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ عہدِ فاروقی میں اسی بیس رکعات پر تمام انصار ومہاجر صحابہؓ کا اجماع ہو گیا تھا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔

فانہ قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذالک ھو السنة لانہ اقامه بین المھاجرین والأنصار ولم ینکرہ منکر. (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۱۱۲)

یہ بات سندِ صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں (صحابہؓ وتابعینؒ) کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے، لہٰذا بہت سارے علماء اسی کو سنت قرار دیتے ہیں کیوں کہ ابی بن کعبؓ نے بیس رکعت حضرات انصارؓ ومہاجرینؓ کی موجودگی میں پڑھائی تھیں اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۶۷ پر عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے بھی یہی لکھنے کے بعد یہ بھی بتادیا کہ:

واستقر الأمر علیٰ ذالک فی الأمصار.

تمام بلادِ اسلامیہ میں اسی پر عمل درآمد متعین ہو گیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہؒ سے بھی بیس رکعتیں ہی منقول ہیں۔ (دیکھئے غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۰۱۱، احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۲۰۸، حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۶۷) ان سب حضرات نے بیس رکعات کو ہی سنت قرار دیا ہے۔

شیخ احمد رومیؒ، مجالس الابرار میں فرماتے ہیں۔

والصحابة حینئذ متوافرون منھم عثمان وعلی وابن مسعود والعباس وابنه وطلحة والزبیر

صحابہؓ اس وقت بکثرت موجود تھے، اُن میں عثمانؓ وعلیؓ بھی تھے، عبداللہ بن مسعودؓ بھی، حضرت عباسؓ بھی اور عبداللہ بن

| | |
|---|---|
| ومعاذ وغيرهم من المهاجرين | عباسؓ بھی، طلحہؓ وزبیرؓ اور معاذ بن جبلؓ بھی، |
| والأنصار ومارد عليه واحد منهم | اور اُن کے علاوہ بہت سے انصار ومہاجر |
| بل ساعدوه ووافقوه وامروه | صحابہؓ۔ کسی نے بھی حضرت عمرؓ پر اعتراض |
| بذالک وواظبوا عليها حتى ان | نہیں کیا، بلکہ ان کی مساعدت وموافقت |
| عليا اثنىٰ عليه ودعا له وقال | کی اوران کے حکم کی تعمیل کی اور مداومت |
| نور الله مضجع عمر كما نوّر | وہیشگی کے ساتھ اس پر عمل کیا، یہاں تک |
| مساجدنا وقد قال النبى صلى الله | کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے حضرت |
| عليه وسلم عليكم بسنتى وسنة | عمرؓ کی تعریف کی اور دعا دی، اور فرمایا ''اللہ |
| الخلفاء الراشدين من بعدى وهى | تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو منور کردے، جس |
| عشرون ركعة. | طرح انھوں نے ہماری مساجد کو منور کیا، |
| (مجالس الابرار مجلس ۲۸ ص ۱۸۷) | اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے |
| | کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے |
| | بعد والے خلفائے راشدین کی سنت اور |
| | خلفائے راشدین کی سنت بیس رکعت ہے |

## ساڑھے بارہ سو سال تک آٹھ پر عمل کا ایک بھی ثبوت نہیں

محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''رکعاتِ تراویح'' میں فرماتے ہیں:

''یہ تھے عہدِ فاروقی سے لے کر تیسری صدی کے تقریباً وسط تک کے علماء وائمہ

''یہ تھے عہدِ فاروقی سے لے کر تیسری صدی کے تقریباً وسط تک کے علماء وائمہ

کے مذاہب، رکعاتِ تراویح کے باب میں، اور یہ تھا اس عہد کے مسلمانوں کا معمول، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور بلادِ خراسان میں، ایک بار آپ اس کو

پھر پڑھ جایئے اور دیکھئے کہ کوئی بھی آٹھ رکعت پر اکتفاء کرنے کا قائل تھا اور کہیں بھی اس پر عمل تھا؟

اس کے بعد سنئے کہ تیسری صدی کے وسط سے پہلے ہی ائمہ اربعہ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ اپنی اپنی فقہ کی تعلیم اپنے اپنے شاگردوں کو دے کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور ان کے فقہی مسالک کی اشاعت اور ان پر عمل شروع ہو چکا تھا، جو آج تک جاری ہے، آج ان چاروں اماموں کی کتبِ فقہیہ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، ان میں سے کسی میں آٹھ پر اکتفاء کی تعلیم نہیں دی گئی، یہ صحیح ہے کہ تیسری صدی کے وسط سے پہلے اور بعد میں ان چاروں کے علاوہ بعض دوسرے ائمہ کے مسلک کا اتباع بھی کچھ کچھ عرصہ تک کے لئے ہوتا رہا ہے، جیسے سفیان ثوریؒ اور داؤد ظاہریؒ کے مسلک پر عمل، مگر لطف یہ ہے کہ یہ حضرات بھی آٹھ پر اکتفاء کے قائل نہیں تھے، بلکہ بیس کے قائل تھے، بیس اور بیس سے زائد پر امتِ محمدیہ کے اس قدیم عمل درآمد اور ائمہ وعلماءِ سلف وخلف کے اس کو پسند اور اختیار کرنے کے مقابل میں آٹھ رکعات پر عمل کرنے کو سامنے رکھئے اور کتابوں کی ورق گردانی کیجئے تو حضرت عمرؓ کے بعد سے تیرہویں صدی کے اواخر تک دنیائے اسلام میں کسی ایک جگہ بھی اس پر عمل ہونے کا ذکر آپ کو نہیں مل سکتا، اور پوری قوت صرف کرنے کے بعد بھی اس طویل مدت میں آٹھ پر عمل درآمد کی تصریح کہیں بھی نہیں دکھائی جاسکتی اور اس کا کوئی گھٹیا سے گھٹیا ثبوت بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔''

(رکعاتِ تراویح مذیل بر انوار مصابیح ص ۳۵)

ہاں! اِدھر سوڈیڑھ سو سال سے ایک فرقہ نے یہ نیا شوشہ چھیڑ دیا ہے کہ بیس رکعات تراویح مسنون نہیں۔ مسنون آٹھ رکعت ہے، گویا خلافتِ فاروقی کے بعد سے

اب تک جن جن اصحابؓ رسولؐ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ ہدیٰ، علمائے سلف نے بیس رکعات کو مسنون کہا اور مسنون سمجھ کر عمل کیا اور آٹھ کو چھوڑے رہے، وہ سب سنت کے تارک تھے، سب نے مل کر حضورؐ کی ایک سنت کو فنا کر دیا، (نعوذ باللہ من ذالک) گویا وہ سب کے سب ضلالت وگمراہی پر متفق ہوگئے، ظاہر ہے کہ کسی سنت کو مستقلاً چھوڑ دینا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| ان اللـه لایجـمع امتی اوقال امة محمد علیٰ ضلالة رواه الترمذی. | اللہ تعالیٰ میری امت کو کسی گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا۔ |

(مشکوۃ ج ا ص ۳۰)

مذکورہ تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ وعلماء سلف کو تارکِ سنت قرار دینے والے خود ہی سوچ لیں کہ انھوں نے اس حدیثِ نبویؐ کی تکذیب کردی یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ بیس کے مقابلے میں آٹھ رکعت تراویح اس لئے نہیں بھاتی کہ وہی مسنون ہے، بلکہ اس میں سہولت اور آسانی ہے، آرام وراحت ہے، جلد فرصت مل جاتی ہے اور آج کے دین بیزاروں اور سہولت پسندوں کے ذوق کا پورا سامان موجود ہے۔

بقول حجۃ اللہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ:

> ''باقی رہی تراویح، اس میں آج کل کے ملانوں نے تخفیف کر ڈالی ہے، یعنی بیس کی آٹھ کر ڈالی ہے، وہ سب کو سہولت کی وجہ سے پسند آتی ہے، مگر یہ بات کوئی سمجھتا نہیں کہ آٹھ رکعت جو حدیث میں وارد ہے تہجد کی رکعات ہیں، تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے۔ تراویح تو بیس ہی رکعت ہے۔'' (تصفیۃ العقائد ص ۳۸)

## سند دیکھنے کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟

یہاں ٹھہر کر ایک بات پر اور غور کر لیجئے، آٹھ کو سنت اور بیس کو غیر سنت کہنے

والے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیس رکعت تراویح والی حدیث کوایک راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دینے پر بہت زور دیتے ہیں، مگر وہ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ سند دیکھنے کی ضرورت کس حدیث کے سلسلے میں ہوگی۔

ایک حدیث وہ ہے جوامت کے درمیان بالاتفاق قبول کر لی گئی، صحابۂ کرامؓ نے قبول کیا، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور علمائے محققین نے تسلیم کیا، ہرایک کا عمل بھی اسی کے مطابق، دوسری حدیث وہ ہے جومختلف فیہ ہے، اس سے ثابت شدہ حکم پر نہ صحابہ کرامؓ نے اتفاق کیا، نہ بعد کے حضرات نے، ظاہر ہے کہ سند دیکھنے کی ضرورت دوسری حدیث کے سلسلے میں ہوگی نہ کہ پہلی کے سلسلے میں، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''سند کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اختلاف ہو، مثلاً یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین بالجہر فرمائی یا بالسر، اور جہاں اختلاف ہی نہ ہو، حضراتِ صحابہؓ کے دور مقدس سے لے کر آج تک اُن تمام علماء محدثین اور ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کا اتفاق پایا جاتا ہو جن پر امت اعتماد کرتی ہے، یہ اتفاق، یہ عملی تواتر اور تلقی بالقبول خود سند اور نہایت قابلِ وثوق سند ہے۔'' (فتاویٰ رحیمیہ ج ا ص ۲۹۱)(۱)

علامہ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین جلد اول ص ۲۰۲ پر وصیت، طہارت اور بیع سلسلے کی چند احادیث نقل کرنے کے بعد جو عبارت لکھی ہے، یہاں وہ بھی پیش نظر رہے تو بہتر ہے، وہ لکھتے ہیں:

وان کانت هٰذه الاحادیث لاتثبت　　یہ احادیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ثابت

(۱) بعض مدعیان علم وتحقیق نے محض عناداً اور تعصباً اس حدیث کو موضوع تک لکھ مارا (دیکھئے حدیث خیر وشر ص ۶۷ و ۱۰۶) حالانکہ کسی بھی محدث کا ایک بھی حوالہ ایسا نہیں پیش کیا جاسکتا کہ جس میں اس حدیث کو موضوع کہا گیا ہو، تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کا رسالہ۔ (تحفۃ الاخیار ص ۲۱۰)

من جهة الاسناد ولكن لماتلقتها الكافة عن الكافة غنوا بصحتها عندهم عن طلب الاسناد لها.

نہیں ہیں، لیکن جب سب لوگوں نے سب لوگوں سے روایت کرتے ہوئے اسے تلقی بالقبول کا درجہ دیدیا تو اَب صحتِ حدیث کو جانچنے کے لئے سند طلب کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

اسی طرح ابن جوزیؒ نے ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے سنداً، اس کی صحت کا انکار کیا مگر آخر میں یہ بھی لکھا کہ:

وان كان معناه صحيحاً.

لیکن اس کا معنیٰ صحیح ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج۲ص۷۶)

یعنی سنداً حدیث کی صحت میں کلام ہے مگر، حدیث میں جو بات کہی گئی ہے وہ صحیح ہے۔

## مسجد نبوی میں تراویح

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں صحابۂ کرامؓ کے دور سے اب تک بیس رکعات تراویح برابر پڑھی جارہی ہے، اس پر کچھ گفتگو، گزشتہ صفحات میں آچکی ہے۔

سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد بنوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سوسالہ تاریخ پر عربی میں ایک کتاب لکھی ہے، اس کے مقدمہ کے میں وہ لکھتے ہیں:

''مسجد نبوی میں تراویح ہورہی ہوتی ہے، تو بعض لوگ آٹھ رکعات پڑھ کر ہی رک جاتے ہیں، ان کا گمان یہ ہے کہ آٹھ رکعات پڑھنا بہتر ہے، اور اس سے زیادہ جائز نہیں، اس طرح یہ لوگ مسجد نبوی میں بقیہ تراویح کے ثواب سے محروم رہتے ہیں، ان کی اس محرومی کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے، لہٰذا میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں تا کہ ان لوگوں

وشبہات ختم ہوں۔ اوران کوبیس رکعات تراویح پڑھنے کی توفیق ہوجائے۔

جو متعصب لوگ نمازعشاء کے بعدہی مسجد نبوی سے اس لئے نکل جاتے ہیں کہ

کی کسی مسجد میں جاکر آٹھ رکعات تراویح پڑھیں گے، توان کوبس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مسجد سے نکل کر، نہ توتم نے اس حدیث پرعمل کیا جس میں گھر جاکر نوافل پڑھنے کوافضل کہا گیاہے اور نہ ہی تمہیں مسجد نبوی شریف میں نماز تراویح کا ثواب ملا۔ جہاں ایک نماز پڑھنادوسری مسجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔''

شیخ عطیہ سالم کی کتاب کانام ہے۔ **التراویح اکثرمن الف عام** (تراویح کی ہزارسال سے زیادہ کی تاریخ)

وہ بتاتے ہیں کہ پہلی، دوسری، تیری صدی ہجری میں مسجد نبوی میں تراویح مع وتر ۲۳ اور۳۹ تک ہوئی۔ یعنی بیس رکعات تراویح اور تین وتر، کل ۲۳ رکعات اور ۳۶ رکعات تراویح اور تین وتر کل ۳۹ رکعات۔

چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی کے بارے میں لکھتے ہیں:

**عادت التراویح فی تلک الفترۃ کلھا الیٰ عشرین رکعۃ فقط بدلاً من ست وثلاثین فی السابق.**

(التراویح ص۴۲)

اِن تین صدیوں میں تراویح، ۳۶ کے بجائے، حسب سابق پھر بیس رکعات پڑھی جانے لگی۔

آٹھویں صدی سے تیرہویں صدی تک کا حال یہ تھا کہ:

**فکان یصلی التراویح اول اللیل بعشرین رکعۃ علی المعتاد ثم یقوم اخرالیل فی المسجد بست عشرین رکعۃ.** (ص۴۷)

شروع رات میں حسب دستور بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی، پھر رات کے آخری حصہ میں سولہ رکعتیں مزید پڑھی جاتی تھیں۔

نویں صدی میں بھی یہی معمول تھا (التراویح ص ۴۹)

دسویں صدی میں بھی یہی معمول رہا ( 〃 ص ۵۰)

گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی میں بھی یہی معمول باقی رہا، (التراویح ص ۵۲، ۵۳، ۵۴)

پھر لکھتے ہیں کہ چودہویں صدی کے پہلے پچاس سال تک مسجد بنوی میں تراویح کا یہی سلسلہ قائم رہا کہ پہلے بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی تھی، پھر رات کے آخر میں مزید سولہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ اس کے بعد چودہویں صدی کے آخری نصف صدی میں سعودی حکومت قائم ہوگئی تو مسجد حرام اور مسجد نبوی دونوں جگہ کی پانچوں نمازوں اور جماعت وتر اوتراویح کے نظام کو زیادہ بہتر طریقہ سے منظّم کیا گیا۔

| | |
|---|---|
| اما عددالركعات وكيفية الصلوٰة فكانت عشرين ركعة بعدالعشاء وثلاث وترا وذالك طيلة الشهر | رکعات کی اور نماز کی کیفیت کا حال یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد بیس رکعات اور تین وتر پڑھی جاتی ہیں، پورے رمضان ایسا ہی رہتا ہے۔ |

شیخ عطیہ سالم مزید لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لتكون التراويح قد استقر علىٰ عشرين ركعة علىٰ مايدل عليه العمل في جميع البلاد (ص ۶۵) | اس طرح تراویح کا بیس رکعات پڑھنا بالکل پختہ اور مضبوط ہوگیا جیسا کہ تمام علاقوں میں اسی پر عمل ہے۔ |

سعودی حکومت قائم ہونے سے پہلے شیخ اسعد توفیقؒ حنفی امام تھے، سعودی حکومت نے بھی نماز عشاء کی امامت انھیں کے ذمہ رکھی اور یہی شیخ اسعد توفیق نماز تراویح بھی پڑھاتے تھے۔ (التراویح ص ۱۰۰ و ص ۶۹ وغیرہ)

موجودہ پندرہویں صدی ہجری میں بھی حرمین شریفین میں تراویح کا یہی نظام ہے، پورے رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہے، ماہ مبارک، حرمین شریفین میں گزارنے والے حضرات بچشم خود اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، بیرونی حضرات جنھیں ریڈیو یاٹی وی پر پروگرام وغیرہ سننے کا شوق ہے وہ ریڈیو پر سن لیتے ہیں، ٹی وی پر دیکھ لیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نہ تو حرم شریف میں نہ مسجد نبوی میں، کسی بھی جگہ آج تک بلاانقطاع بیس رکعات تراویح سے کم کبھی نہیں ہوئی، آٹھ رکعات پڑھنا تو درکنار، بیس سے دو چار رکعت بھی کم نہیں پڑھی گئیں، گویا بیس رکعات تراویح ہی نسلاً بعد نسلٍ، تواتر کے ساتھ منتقل ہوتی آرہی ہے، اور تواترِ نقل خود حجتِ شرعی ہے۔

شیخ عطیہ سالم، مسجد نبوی کی تاریخِ تراویح مکمل کرتے ہوئے، قارئین سے سوال کرتے ہیں:

"اس کا تاریخی تفصیلی تجزیہ کے بعد ٹھہر کر ہم اپنے قارئین سے سوال کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں تراویح کے آغاز سے اب تک، ایک ہزار سال سے زائد کی طویل تاریخ میں کیا کبھی تراویح آٹھ رکعت پڑھنا ثابت ہے؟ یا آٹھ رکعات نہ سہی بیس رکعات سے کم ہی پڑھنا ثابت ہوا ہے؟

بلکہ ثابت تو یہی ہو رہا ہے کہ اس پورے چودہ سو سال میں۔ آج تک تراویح کی جو رکعتیں پڑھی گئیں وہ بیس تھیں، یا بیس سے زائد چالیس تک۔

اسی طرح قارئین سے ہم یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ کسی صحابی یا ماضی کے کسی ایک عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا کہ آٹھ سے زائد تراویح جائز نہیں ہے، اور اس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اپنے فتویٰ کی بنیاد بنایا ہو؟

الغرض جب پورے چودہ سو سالہ دور میں ایک قابل ذکر شخص بھی ایسا نہیں ملتا

جو کہے کہ آٹھ رکعات سے زیادہ تراویح جائز نہیں ہے، اور نہ ہی یہ ثابت ہوا ہے کہ مسجد نبوی میں باجماعت صرف آٹھ رکعت تراویح ادا کی گئی ہو، تو پھر بھی جو لوگ صرف آٹھ رکعات تراویح پر مُصر ہیں اور تنہا نہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دیتے ہیں، اُن سے ہم صرف اتنا عرض کر دیتے ہیں کہ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ سے لے کر آج تک کے تمام مسلمانوں کے طرز پر تراویح پڑھنا، ان کی مخالفت سے بہت بہتر ہے۔ خصوصاً اس شخص کے لئے جو مسجد میں باجماعت تراویح پڑھے۔"

(التراویح ص ۱۰۸ و ۱۰۹)

# تہجد کی رکعتیں

آٹھ رکعات تراویح کے قائلین کہتے ہیں کہ تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے، رمضان کے علاوہ میں پڑھی جائے تو تہجد ہے، اور رمضان میں اسی کا نام تراویح ہے، اوّلاً تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کہ ایک ہی نماز رمضان میں تراویح اور غیر رمضان میں تہجد بن جاتی ہے۔ اگر یہ صحیح مان لیا جائے تو بھی متعین طور پر بلا کم وبیش تراویح کی آٹھ رکعتیں کبھی بھی ثابت نہیں ہوسکتیں۔ کیوں کہ ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد، رمضان اور غیر رمضان میں مع وتر گیارہ رکعت ہی پڑھتے رہے ہوں (یعنی آٹھ تہجد اور تین وتر) بلکہ اس سے کم اور زیادہ دونوں ثابت ہیں اور متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔

عن عبداللہ بن ابی قیس قال سألت عائشة رضی الله عنها بكم كان رسول اللہ صلی الله علیه وسلم یوتر قالت بأربع وثلاث وست وثلاث وثمان وثلاث ولم یکن یوتر باکثر من ثلث عشرة ولا

عبداللہ بن ابی قیسؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، فرمایا چار اور تین کے ساتھ، چھ اور تین کے ساتھ، آٹھ اور تین کے ساتھ، آپ کی وتر کی

انقص من سبع.
(ابوداؤد ج۱ص۱۹۳، طحاوی ج۱ص۱۹)

رکعتیں نہ تیرہ سے زیادہ ہوتی تھیں اور نہ سات سے کم۔

اس روایت میں تہجد اور وتر دونوں پر وتر کا اطلاق کیا گیا ہے، اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ کی نمازِ تہجد وتر کے علاوہ چار بھی تھی، چھ بھی، آٹھ بھی اور دس بھی، وتر کے ساتھ مل کر یہی سات، نو، گیارہ اور تیرہ بن جاتی تھیں۔

صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن عبدالله بن شقيق عن عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل تسع ركعات فيهن الوتر. (ج۲ص۱۹۳)

عبداللہ بن شقیق، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نو رکعتیں پڑھتے تھے، انھیں میں وتر بھی ہوتی تھی۔

اس حدیث میں وتر کے علاوہ تہجد کی چھ رکعتوں کا ذکر ہے۔

عن ابن عباس كان رسول الله ﷺ يصلى من الليل ثلاث عشرة ركعة. (صحیح ابن خزیمہ ج۲/۱۹۲)

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

عن جابر بن عبدالله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى بعدالعتمة ثلاث عشرة ركعة.

(حوالۂ مذکورہ)

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کے بعد تیرہ رکعتیں پڑھیں۔

ان دونوں روایتوں میں وتر کے علاوہ دس، دس رکعات تہجد کا ذکر ہے۔

عن زيد بن خالد الجهنى انه قال لأرمقن صلوٰة رسول الله صلى الله

زید بن خالد جہنیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

| | |
|---|---|
| عليه وسلم الليلة فصلىٰ ركعتين خفيفتين ثم صلىٰ ركعتين طويلتين طويلتين طويلتين ثم صلىٰ ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم اوتر فذالك ثلٰث عشرة ركعة. | کو دیکھ رہا تھا، آپؐ نے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر دو طویل درطویل رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلے والی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں وہ ان دو رکعتوں سے ہلکی تھیں جو اُن سے پہلے پڑھی تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں وہ اُن سے پہلی والی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں، پھر وتر پڑھی یہ کل تیرہ رکعتیں ہوئی۔ (دس تہجد اور تین وتر) |

(مسلم ج۱ص۲۶۲، مؤطا امام مالک ص۴۵، ابوداؤد ج۱ص۲۰۹)

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| انه قدثبت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى ثلث عشرة ركعة سوى ركعتى الفجر. | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ سنت فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ |

(تحفۃ الاحوذی ج۲ص۷۳)

اب جو حضرات تراویح اور تہجد دونوں کو ایک کہتے ہیں، پھر تراویح کو آٹھ رکعت میں محصور کر دیتے ہیں، نہ اس سے کم کو سنت کہتے، نہ زیادہ کو۔ وہ غور کریں کہ تہجد کی چار، چھ، آٹھ، دس سبھی رکعتیں ثابت ہیں تو ان کا حصر کا دعویٰ کیسے صحیح ہوا۔ تراویح اور تہجد دونوں کو ایک قرار دینے کی صورت میں اُن پر لازم ہے کہ وہ چار رکعات تراویح، چھ رکعات تراویح اور دس رکعات تراویح کو بھی سنت کہیں۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں کہتے بلکہ صرف آٹھ کو ہی سنت کہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایت

ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں پر زیادہ نہیں کرتے تھے۔

کا اگر یہ مطلب ہو کہ حضورؐ وتر کے علاوہ آٹھ سے کم یا زیادہ پڑھتے ہی نہیں تھے، تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کی تردید خود حضرت عائشہؓ کی ہی دوسری روایتیں کر رہی ہیں۔ لہٰذا اگر اسے تہجد کے سلسلے میں حضورؐ کے مستقل عمل کا بیان مانا جائے تو حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کے مضطرب ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ کیوں کہ پھر بقیہ روایات کو سامنے رکھنے کی صورت میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں۔ ہاں اگر اُن سب روایات کو مختلف حالات وظروف اور آٹھ رکعات تہجد کو اکثر اوقات پر محمول کیا جائے تو سب روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے، کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، مگر اس صورت میں تراویح کو تہجد قرار دینے اور آٹھ رکعات میں ہی منحصر کر دینے والے حضرات کے لئے استدلال کی گنجائش نہیں رہتی، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ انھیں یہ کہنا چاہئے کہ اکثر حالات میں تراویح کی آٹھ رکعتیں مسنون ہیں اور یوں کبھی کبھی چار، چھ اور دس بھی مسنون ہیں، لیکن وہ ایسا نہیں کہتے بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں آٹھ رکعتوں کو ہی مسنون کہتے ہیں، نہ اس سے کم، نہ اس سے زیادہ۔

## صحیح ابن خزیمہ اور نمازِ تہجد

امام ابوبکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمہ محدث نیشاپوریؒ نے اس مسئلہ کو بالکل منقح کر دیا ہے، سب سے پہلے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ کی وہ روایتیں نقل کی ہیں کہ جن میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد مع

وتر تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۱،۱۹۲)

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں مع وتر گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۲)

پھر حضرت عائشہؓ کی ہی وہ روایت نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد مع وتر سات رکعتیں پڑھتے تھے، (صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ۱۹۳)

تینوں روایتیں نقل کرنے کے بعد تینوں میں تطبیق دیتے ہوئے یوں عنوان قائم کرتے ہیں۔

باب ذكر الخبر الدال علىٰ ان هٰذه الأخبار الثلاثة التي ذكرتها ليست بمتضادة ولامتهاترة والدليل علىٰ ان النبي صلى الله عليه وسلم قد كان يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة علىٰ مااخبر ابن عباس ثم نقص ركعتين فكان يصلي احدىٰ عشرة ركعة من الليل علىٰ مااخبر ابوسلمة عن عائشة ثم نقص من صلوٰة الليل ركعتين فكان يصلي من الليل تسع ركعات علىٰ مااخبر عبدالله بن شقيق عن عائشة.

اس بات کا بیان کہ یہ تینوں حدیثیں جنھیں میں نے ذکر کیا آپس میں متضاد ومخالف نہیں، دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے (مع وتر) تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں ہے، پھر دو رکعتیں کم کردیں لہٰذا (مع وتر) گیارہ پڑھنے لگے جیسا کہ ابوسلمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے، پھر دو رکعت اور کم کردیں، پس نو رکعتیں پڑھنے لگے، جیسا کہ عبداللہ بن شقیق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کرتے ہیں:

عن ابی اسحاق الهمدانی عن مسروق انه دخل علیٰ عائشة فسالها عن صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت کان یصلی ثلاث عشرة رکعة من اللیل ثم انه صلّیٰ احدی عشرة رکعة ترک رکعتین ثم قبض حین قبض وهو یصلی فی اللیل بتسع رکعات اٰخر صلوته من اللیل الوتر.

(صحیح ابن خزیمہ ج۲ ص۱۹۳، ابوداؤد ج۱ ص۲۰۹)

ابواسحاق ہمدانیؒ، مسروقؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور اُن سے حضور صلی علیہ وسلم کی (نمازِ تہجد مع وتر) کے متعلق دریافت کیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا پہلے آپؐ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر گیارہ رکعتیں پڑھیں اور دو رکعتیں ترک کر دیں، پھر جب آپؐ کی وفات ہوئی تو آپؐ نو رکعتیں پڑھتے تھے، اور آپ کی رات کی آخری نماز وتر ہوتی تھی (یعنی وتر، تہجد پڑھنے کے بعد آخر میں پڑھتے تھے)

اس کے بعد تہجد کے سلسلے کی آئی ہوئی تمام احادیث کے متعلق فیصلہ کن نقطۂ نظر یوں بیان کرتے ہیں:

قال ابوبکر (ناخذ) بالأخبار کلها التی أخرجنا ها فی کتاب الکبیر فی عدد صلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم باللیل واختلاف الرواة فی عددها کاختلافهم فی هٰذه الأخبار التی ذکرتها فی هٰذا الکتاب، قد کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی فی بعض اللیالی اکثر مما یصلی فی بعض، فکل من اخبر من

ابوبکر بن خزیمہؒ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی رکعتوں کے سلسلے میں، اُن تمام حدیثوں کو لیتے ہیں جن کی ہم نے کتاب الکبیر میں تخریج کی ہے، اور راویوں کا اس کی رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ویسا ہی ہے جیسا کہ اُن حدیثوں میں اختلاف ہے جنھیں میں نے اِس کتاب (صحیح ابن خزیمہ) میں ذکر کیا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض

اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم اومن ازواجه اوغیرمن النساء ان النبی صلی الله علیه وسلم صلیٰ من اللیل عدداً من الصلوٰة او صلی بصفة فقد صلی النبی صلی الله علیه وسلم تلک الصلوٰة فی بعض اللیالی بذالک العدد وبتلک الصفة وهٰذا الاختلاف من جنس المباح، فجائز للمرأ اَن یصلیَ اَیَّ عدداحب من الصلوٰة لماروی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه صلاهن وعلی الصفة التی رویت عن النبی صلی الله علیه وسلم انه صلها لاحظر علی احد فی شئ منها. (حوالۂ مذکورہ)

راتوں میں، بعض کے مقابلے میں زیادہ پڑھتے تھے، پس اصحابؓ رسولؐ یاازواجِ مطہراتؓ یادیگر صحابیاتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کی جو تعداد رکعت بیان کی، یا کسی خاص طریقے سے پڑھنے کا ذکر کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض راتوں میں اسی تعداد اور اسی طریقے کے مطابق تہجد پڑھی ہے، اور یہ اختلاف، مباح کی جنس سے ہے، پس جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اعداد میں سے جسے جو پسند ہو اسی کے مطابق پڑھے، اور حضورؐ سے مروی پڑھنے کے طریقوں میں سے جو طریقہ محبوب وپسند ہو، اسی کے مطابق پڑھے، ان میں سے کوئی چیز کسی پر ممنوع نہیں۔(۱)

اگر تہجد ہی رمضان میں تراویح ہے تو آٹھ کے قائلین کو عام اعلان کر دینا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی جتنی رکعتیں جن جن صورتوں کے ساتھ مروی ہیں وہ سب "تراویح" کے بطور پڑھنا مسنون ہیں، خواہ آٹھ ہوں یا آٹھ سے کم یا آٹھ سے زیادہ۔

مگر حیرت وافسوس تو اس پر ہے کہ "نمازِ تراویح" کو رمضان کی "نمازِ تہجد" کہنے کا پورا زور صرف کر دیتے ہیں لیکن تہجد کی رکعات کی طرح آٹھ سے کم یا زیادہ کو مسنون

(۱) اس طرح کی مختلف روایتوں میں یہی تطبیق حافظ ابن حجرؒ نے بھی دی ہے۔ فتح الباری ج ۳ ص ۲۱۔

نہیں کہتے بلکہ آٹھ ہی کے مسنون ہونے پر شدت کے ساتھ اصرار کرتے ہیں۔

## تہجد اور تراویح الگ الگ ہیں

اوپر جو باتیں کہی گئیں، وہ اُن لوگوں کی بات تسلیم کر کے، جو تہجد اور تراویح دونوں کو ایک کہتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں، اسی لئے ہم ''رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ والی روایت کو تراویح سے متعلق تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس کا تعلق تہجد سے ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اور تہجد و تراویح میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ:

۱- تہجد کی مشروعیت قرآن سے ہے:

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ. (بنی اسرائیل-۷۹)

رات کے کچھ حصے میں تہجد ادا کیجئے، یہ خاص آپ کے لئے زیادہ ہے۔

يٰۤـاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً نِصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً اَوْزِدْ عَلَيْهِ. (مزمل-۴)

اے چادر میں لپٹنے والے! رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی رات قیام، آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم، یا کچھ زیادہ۔

اور تراویح کی مشروعیت حدیث سے ہے۔

عن عبدالرحمٰن بن عوف ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر شهر رمضان فقال شهر كتب الله عليكم صيامه وسننت لكم قيامه. (ابن ماجہ ص۹۵)

عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر کیا پس فرمایا یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس کے روزے کو اللہ نے تم پر فرض کیا اور اس کی راتوں میں نماز پڑھنے کو میں نے تمہارے لئے مسنون کیا۔

۲- جمہور امت کا اِس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح زندگی میں صرف تین دن پڑھی ہے، اب اگر تراویح اور تہجد ایک ہے تو جس رمضان میں حضورؐ نے تین دن پڑھی تھی، اس کے بقیہ دنوں میں حضورؐ نے جو تہجد ادا کی اُسے تراویح بھی کہنا چاہئے، مگر آٹھ کے قائلین سے بھی پوچھا جائے تو بقیہ دنوں کی نماز کو تہجد ہی کہیں گے نہ کہ تراویح، حالانکہ وہ بھی رمضان میں ہی ادا ہوئی، دوسری طرف رمضان میں تراویح وتہجد کے ایک ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔

۳- تہجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور تراویح حضورؐ نے صرف تین دن پڑھی ہے، یہ کسی حدیثِ صحیح یا ضعیف میں منقول نہیں کہ گیارہ، ماہ حضورؐ پر تہجد فرض ہوتی تھی اور رمضان میں تراویح، یا یہی نماز رمضان میں تراویح کے شمار میں ہوتی تھی۔

۴- تہجد اور تراویح میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ تہجد کی رکعتیں حضورؐ سے صراحۃً منقول ومروی ہیں یعنی کم از کم چار (وتر کے ساتھ سات) زیادہ سے زیادہ دس (وتر کے ساتھ تیرہ) جیسا کہ احادیث گزریں، مگر تراویح کی رکعتیں حضورؐ سے صراحۃً منقول نہیں، تفصیل گزر چکی ہے۔

۵- امام بخاریؒ کے عمل سے بھی دونوں کا الگ الگ ہونا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ان کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں رات کے ابتدائی حصہ میں اپنے شاگردوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے اور ایک ختم کرتے تھے اور سحر کے وقت اکیلے پڑھتے تھے اور ہر تیسرے دن ایک ختم کرتے تھے، اور تراویح کی ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھنے کا التزام کرتے تھے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| کان محمد بن اسمٰعیل البخاری اذا کان اول لیلة من شهر رمضان یجتمع الیه اصحابه فیصلی بهم | رمضان المبارک کی پہلی رات میں امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کے یہاں ان کے شاگرد واصحاب جمع ہوتے، پس وہ انھیں |

ویقرأ فی کل رکعة عشرین اٰیة وکذالک الیٰ ان یختم القراٰن وکان یقرأ فی السحر مابین النصف الی الثلث من القراٰن فیختم عندالسحر فی کل ثلاث لیال. (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص۴۸۱)

نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے، ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ چلتا رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت، ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے۔

۶-حضرت طلق بن علیؓ سے بھی دونوں کا دوہونا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ان کے صاحبزادے قیس بن طلقؒ روایت کرتے ہیں کہ:

زار طلق بن علی فی یوم من رمضان وامسیٰ عندنا وافطر ثم قام بناتلک اللیلة وأو تربنا ثم انحدر الی مسجده فصلی بأصحابه حتی اذا بقی الوترقدم رجلا فقال اوتر بأصحابک فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لا وتران فی لیلة. (ابوداؤد ج۱ص۲۱۹)

طلق بن علیؓ نے ہماری زیارت کی رمضان کے ایک دن اور شام کو ہمارے پاس افطار کیا۔ پھر اُس رات میں ہمیں نماز پڑھائی اور وتر بھی پڑھی، پھر اپنی مسجد میں گئے پس اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی (۱)۔ یہاں تک کہ جب وتر باقی رہ گئی تو مقتدیوں میں سے ایک شخص کو آگے بڑھایا اور کہا کہ وتر پڑھاؤ، اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے ایک رات میں دودفعہ وتر نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت طلق بن علیؓ نے پہلی دفعہ مع وتر جونماز پڑھی، وہ تراویح تھی اور دوسری دفعہ اپنی مسجد میں جا کر جوادا کی وہ تہجد تھی۔

۷-فقہ حنبلی کی کتاب مقنع میں ہے:

(۱) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلق بن علیؓ تہجد کی جماعت کو جائز سمجھتے تھے اور مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش ہوتی ہے۔

ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بعدها في الجماعة فان كان له تهجد جعل الوتر بعدهٗ.

تراویح بیس رکعت ہے، رمضان المبارک میں جماعت کے ساتھ پڑھے، اور اس کے بعد وتر بھی جماعت کے ساتھ پڑھے، اور اگر تہجد بھی پڑھنا ہو تو وتر تہجد کے بعد پڑھے۔

اس سے بھی تراویح اور تہجد دونوں کا الگ الگ ہونا ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ اسی کتاب کے حاشیہ پر امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ایک مسئلہ بھی موجود ہے جسے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے پوتے نے نقل کیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص تراویح اور تہجد دونوں پڑھتا ہے، اگر تراویح کے بعد وتر میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے تو اسے چاہئے کہ تیسری رکعت پر جب امام سلام پھیرے تو یہ سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ چار رکعت ہو جائے، اس کے بعد جب تہجد پڑھے تو وتر اسی کے ساتھ پڑھے تاکہ ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا لازم نہ آئے جس کی حدیث میں ممانعت ہے۔

(۱) (رکعاتِ تراویح مذیل ص ۱۱۹)

۸- ابتدائے اسلام میں نمازِ تہجد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تمام امت پر فرض تھی، ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہوگئی اور یہ نماز امت کے حق میں نفل بن گئی۔

عن سعد بن هشام قال قلت حدثني عن قيام الليل قالت ألست تقرأ يـٰأيها المزمل قال قلت بلىٰ قالت فان اول هٰذه السوره نزلت فقام اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى انتفخت اقدامهم

سعد بن ہشامؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا "مجھے حضورؐ کی رات کی نماز (تہجد) کے بارے میں بتایئے، فرمایا کیا تم یـٰأَيُّهَا الْمُزَّمِّل نہیں پڑھتے، میں نے کہا کیوں نہیں، فرمایا اس سورہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا تو اصحابِ

(۱) ترمذی ۱ / ۶۲

وحبس خاتمتها في السماء اثنى عشر شهراً ثم نزل آخرها فصار قيام الليل تطوعاً بعد فريضة. (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۶)

رسولؐ نے نماز پڑھنی شروع کی، یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے اور اس کا آخری حصہ آسمان میں بارہ مہینہ تک رُکا رہا، پھر اس کا آخری حصہ نازل ہوا تو قیامِ لیل (تہجد) فرضیت کے بعد نفل بن گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی مفہوم کی روایت موجود ہے

(دیکھئے ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱)

ابتدائے اسلام میں جب تہجد تمام مسلمانوں پر فرض تھی، اس وقت نماز تراویح کا وجود بھی نہ تھا، ہجرت کے بعد جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو اسی کے ساتھ رمضان المبارک میں تراویح کے زائد از فرض ہونے کو بھی بیان کیا گیا، چنانچہ اسی موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا

جعل الله صيامه فريضة وقيام ليله تطوعاً رواه البيهقي. (مشکوۃ ۱/۱۷۳)

اللہ نے رمضان المبارک کا روزہ فرض کیا اور اس کی رات کی نماز نفل قرار دی۔(۱)

اب اگر نمازِ تہجد ہی تراویح بنتی تو قیام لیلہ تـطـوّعـاً (اس کی رات کی نماز نفل قرار دی) کہنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ یوں کہہ دیا جاتا کہ اب تک جو نمازِ تہجد رمضان و غیر رمضان میں فرض تھی، اب وہی رمضان و غیر رمضان میں نفل بن گئی ہے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

كتب الله عليكم صيامه وسننت لكم قيامه. (ص ۹۵)

اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان المبارک کا روزہ فرض فرمایا اور میں نے تمہارے لئے اس کی رات کی نماز سنت قرار دی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قیامِ رمضان (تراویح) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱) یہاں "نفل" فرض کے مقابلے میں ہے، جس میں سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ بھی شامل ہیں۔ یعنی فرض سے زائد۔

وسلم نے مسنون فرمایا تھا اور تہجد کا نفل ہونا اس سے قبل ہی خود بحکم الٰہی ہو چکا تھا، اس سے ظاہر ہوا کہ تہجد اور تراویح دو نمازیں ہیں، دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں۔ تہجد کی اصل مشروعیت قرآن سے ہے فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ الخ اور تراویح کی مشروعیت حدیثِ رسولؐ سے ہے سننت لکم قیامه الخ

۹- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد آخر شب میں پڑھتے تھے، اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں، تہجد سے فارغ ہونے کے بعد وتر ادا کرتے، اس کے بعد دو رکعت نفل کبھی پڑھتے کبھی نہ پڑھتے، پھر کبھی کچھ آرام کرنے کے لئے لیٹتے، کبھی نہ لیٹتے کہ فجر کی اذان ہو جاتی تھی (بخاری ج ۱ ص ۱۵۳، مسلم ج ۱ ص ۲۵۴) —— اب ظاہر ہے کہ تہجد اور وتر سے فراغت کے بعد فجر کی اذان ہو جانا یا اذان کا وقت قریب آ جانا تہجد کو آخرِ شب میں پڑھنے کی صریح دلیل ہے اور یہی حضورؐ کا عام معمول تھا۔

اس کے برعکس تراویح کو آپ نے اول شب میں پڑھا ہے، چنانچہ پہلے دن جب تراویح سے فراغت ہوئی تو تہائی رات گزر چکی تھی حتی ذهب ثلث الليل (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۱، ترمذی ج ۱ ص ۹۹) دوسرے دن جب فراغت ہوئی تو آدھی رات گزر چکی تھی (حتی ذهب شطر الليل (حوالۂ مذکورہ) تیسرے دن جب فارغ ہوئے تو سحری کا وقت آ گیا، یعنی اولِ شب سے آخر شب تک ادا کرتے رہے حتیٰ خشينا ان يفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور (حوالۂ مذکورہ)

۱۰- تہجد کو حضورؐ ہمیشہ تنہا پڑھتے تھے، بُلا کر کبھی دوسروں کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا، کوئی خود سے شامل ہو گیا تو ہو گیا جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ آ کر شامل ہو گئے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۸)

لیکن تراویح تینوں دن جماعت کے ساتھ ہوئی تھی اور آپؐ نے اپنے گھر والوں

اور عورتوں کو بلا بلا کر شامل کیا تھا۔ (ترمذی ج۱ ص۹۹، ابوداؤد ج۱ ص۲۱۱)

۱۱- نمازِ تہجد کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رات بھر نہیں جاگے بلکہ سوتے بھی تھے اور جاگ کر تہجد بھی پڑھتے تھے۔ (بخاری ج۱ ص۱۵۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

| | |
|---|---|
| ولا اعلم نبی الله صلی الله علیه وسلم قرأ القران کله فی لیلة ولا صلی لیلة الیٰ الصبح ولا صام شهراً کاملاً غیر رمضان. | میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے رمضان کے، پورا قرآن ایک رات میں پڑھا ہو، یا کسی رات صبح تک نماز پڑھی ہو یا پورے ماہ روزہ رکھا ہو۔ |

(مسلم ج۱ ص۲۵۶، ابوداؤد ج۱ ص۲۰۶)

اور نماز تراویح کے لئے تیسری رات، پوری رات جاگنا حضرت ابوذرؓ کی روایت سے ثابت ہے حتیٰ خشینا ان یفوتنا الفلاح (ابوداؤد ج۱ ص۲۱۱، ترمذی ج۱ ص۹۹) خود حضرت عائشہؓ کو بھی یہ بات معلوم تھی کیوں کہ تیسری رات حضورؐ نے نماز میں ازواجِ مطہرات کو بھی شامل کرلیا تھا۔ (حوالۂ مذکورہ)

اور حضرت عائشہؓ ظاہر ہے کہ بلند پایہ ازواجِ مطہرات میں سے ہیں، لہٰذا جب حضرت عائشہؓ یہ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے کسی رات صبح تک نماز نہیں پڑھی تو اس سے مراد تہجد ہے ورنہ تیسری رات کی تراویح جو صبح تک ہوئی تھی، اس میں وہ خود بھی شریک تھیں۔

۱۲- حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں نوافل وغیرہ کا جتنا اہتمام کرتے تھے، کسی ماہ میں اتنا اہتمام نہیں کرتے تھے، رمضان المبارک کے علاوہ کسی اور مہینے میں رات رات بھر نماز میں مشغول نہ رہتے، اسی طرح رمضان المبارک میں جود وسخا کا دریا بہانے اور راہِ خدا میں لٹانے کا جذبہ اور زیادہ ہوجاتا تھا۔

(بخاری ج۱ ص۲۵۵)

دوسری طرف حضرت عائشہؓ کی ہی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں مع وتر گیارہ رکعات ہی پڑھتے تھے، اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر رمضان المبارک میں بھی حضورؐ کی نماز گیارہ رکعت ہی ہوتی تھی تو شدتِ اجتہاد عبادت، جس کا حدیث میں تذکرہ ہے، کہاں ہوا۔ رمضان اور غیر رمضان، ہر ایک کی رات کی عبادت برابر ہوگئی، ماننا پڑے گا، حضورؐ نے تراویح الگ پڑھی اور تہجد الگ، اس طرح شدتِ اجتہادِ عبادت بالکل ظاہر و باہر ہے۔

اگر رمضان اور غیر رمضان کی نماز برابر ہوتی تو اِن حدیثوں کا کیا مطلب ہوگا۔

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل رمضان لم يات فراشه حتى ينسلخ. (بیہقی)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آجاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہیں جاتے، یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔

خصوصاً رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے متعلق آیا ہے کہ:

عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم اذادخل العشر شد ميزره وأحييٰ ليله وأيقظ اهله .
(بخاری ج۱ص۲۷۱، مسلم ج۱ص۳۷۲، مسند حمیدی ج۱ص۹۷)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آجاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری مستعدی ظاہر کرتے، رات عبادت میں گزارتے اور ازواج مطہرات کو بھی جگاتے۔

حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہے کہ:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في العشر الأواخر مالايجتهد في غيره.
(مسلم ج۱ص۳۷۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں جو کوشش فرماتے تھے، اتنی اس کے علاوہ رمضان کے دیگر عشروں میں نہیں کرتے تھے۔

۱۳- حضرت عمرؓ کے اِس قول سے بھی تہجد اور تراویح کا الگ الگ ہونا ظاہر ہوتا ہے جو انھوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں تراویح با جماعت ہوتے دیکھ کر فرمایا تھا:

نعمت البدعة هذه والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون یعنی اخر اللیل وکان الناس یقومون اوله
(بخاری ج۱ص۲۶۹، مؤطا امام مالک ص۴۳)

کتنی اچھی ہے یہ نئی چیز (یعنی متفرق جماعتوں کی ایک بڑی جماعت) اور وہ نماز جس سے تم سوئے رہتے ہو افضل ہے اُس نماز سے جسے تم پڑھتے ہو۔ حضرت عمرؓ مراد لیتے ہیں کہ تم اِس نماز کو رات کے آخر میں پڑھو تو یہ زیادہ افضل ہے، اور لوگ اول حصے میں پڑھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم لوگ یہ تراویح بجائے اولِ شب میں پڑھنے کے آخر شب میں پڑھتے جو تمہارے سونے کا وقت ہے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا کیوں کہ آخر شب میں تہجد ہوتی ہے، اب اگر تراویح بھی آخر شب میں ہو تو اسی تراویح سے تہجد کا ثواب مل جاتا کیوں کہ نوافل میں تداخل ہوتا ہے، مثلاً اگر چاشت کے وقت نمازِ کسوف (سورج گرہن والی نماز) پڑھی جائے تو وہ چاشت کے قائم مقام ہو جاتی ہے، چاشت کی نماز الگ سے پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی، اسی طرح مسجد میں جاتے ہی اگر کوئی شخص ظہر وغیرہ کی سنت ادا کرلے، تو یہ سنت تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اگر تہجد کے وقت تراویح پڑھ لی جائے تو تراویح، تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور الگ سے تہجد پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تیسری رات میں حضورؐ نے پوری رات تراویح پڑھی تھی اور صحابۂ کرامؓ کو سحری فوت ہونے کا خطرہ ہونے لگا تھا، اس رات میں حضورؐ کا الگ سے تہجد پڑھنا بظاہر منقول نہیں اور وجہ اس کی یہی تداخل ہے۔ کیوں کہ تہجد کے وقت تک تراویح ادا ہوتی رہی۔

بہر حال جس طرح نمازِ کسوف و نمازِ چاشت الگ الگ نمازیں ہیں، سنتِ ظہر

اورتحیۃ المسجد الگ الگ نمازیں ہیں، مگر دونوں کا تداخل ہوجاتا ہے، اسی طرح تراویح اور تہجد میں بھی تداخل ہوجاتا ہے۔

## تراویح اور تہجّد الگ الگ ہونے کا ثبوت-فتاویٰ ثنائیہ سے

مشہور اہلحدیث عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ کے فتاویٰ ثنائیہ سے درج ذیل سوال وجواب ملاحظہ کریں، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تراویح اور تہجد، دو الگ الگ نمازیں ہیں۔

(۱)

سوال: رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں؟ یا تہجد کے بدل تراویح؟

جواب: اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے، پچھلے وقت میں پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔" (فتاویٰ ثنائیہ ج۱ص۶۵۳)

(۲)

سوال: جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نمازِ تراویح پڑھ لے، وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: پڑھ سکتا ہے، تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب تہجد نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج۱ص۶۸۲)

مولانا امرت سریؒ ایک اور جگہ، منکر حدیث عبداللہ چکڑالوی کے اس دعویٰ کہ "نماز تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے۔" پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایسے صاف اور صحیح جواب کو پاکر بھی ان مولوی صاحب چکڑالوی نے قبول نہیں کیا، بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے، جس ساری کوشش کا خلاصہ یہی ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی ایک ہی ہے، دو نہیں، یہی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہے، تہجد کی نماز ہے، اور کوئی نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس

دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے، کیوں کہ تہجد کے معنیٰ ہیں نیند سے اُٹھ کر نماز پڑھنا، قاموس میں ہے تَهَجَّدَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وابیہا کی حدیث سے جو ذیل میں درج ہے:

"ما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علیٰ احدیٰ عشرة رکعة. یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے، بلکہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔" (اہل حدیث کا مذہب ص۹۲و۹۳)

یہاں اہلِ حدیث حضرات کے لئے مقام غور ہے کہ وہ منکر حدیث عبداللہ چکڑالوی کا نظریہ پسند کرتے ہوئے تراویح اور تہجد کو ایک کہتے ہیں، یا اپنے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرت سریؒ کے نظریہ کو ترجیح دیتے ہوئے تراویح اور تہجد کو الگ الگ قرار دیتے ہیں۔

## ایک استدلال اور اس کا جواب

آٹھ رکعات کو مسنون کہنے والے حضرات دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی آٹھ رکعات ہی کا حکم دیا تھا، یعنی مع وتر گیارہ کا۔

ان کا متدل مؤطا امام مالکؒ اور سنن سعید بن منصور کی یہ روایت ہے:

| | |
|---|---|
| مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدیٰ عشرة رکعة. | امام مالکؒ، محمد بن یوسف سے، وہ سائب بن یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ |

لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ یہ روایت حددرجہ اضطراب کا شکار ہے اور کسی بھی

طرح اس لائق نہیں کہ استدلال کی بنیاد بنے، کیوں کہ اوپر کی روایت کو دیکھئے، سائب بن یزید سے روایت کرنے والے راوی محمد بن یوسف ہیں اور ان سے امام مالکؒ نے روایت کیا ہے، لیکن اس روایت کو محمد بن یوسف سے تنہا امام مالکؒ نے ہی روایت نہیں کیا، بلکہ امام مالکؒ کے علاوہ اسی روایت کو نقل کرنے والے محمد بن یوسف کے چار شاگرد اور بھی ہیں یعنی یحییٰ بن قطان، عبدالعزیز بن محمد بن اسحٰق، عبدالرزاق کے استاذ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ امام مالکؒ سمیت محمد بن یوسف کے پانچوں شاگرد ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ بات نقل کرتے ہیں۔

مثلاً امام مالکؒ والی مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں، اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں، کوئی تفصیل نہیں۔

یحییٰ بن قطان والی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعت پڑھتے تھے، اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ وہ دونوں گیارہ رکعات از خود پڑھتے تھے یا حضرت عمرؓ نے گیارہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

عبدالعزیز بن محمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہم گیارہ رکعت پڑھتے تھے، اس نہ حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے، نہ ابی بن کعب اور تمیم داری کا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے، اس روایت میں اولاً تو گیارہ کے بجائے تیرہ کا ذکر ہے لیکن نہ حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے نہ ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کا کوئی تذکرہ ہے۔

عبدالرزاق کے استاذ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے اکیس رکعات کا حکم دیا تھا، یعنی نہ گیارہ نہ تیرہ بلکہ اکیس کا ذکر ہے۔

ایک طرف سائب بن یزیدؓ سے روایت کرنے والے راوی محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کا یہ تضاد دیکھئے، دوسری طرف یہ بھی ملحوظ رہے کہ سائب بن یزیدؓ سے

ہی روایت کرنے والے ایک دوسرے راوی یزید بن خصیفہ بھی ہیں، ان کی روایت بیہقی ج ۲ص ۴۹۶ میں یوں موجود ہے:

| | |
|---|---|
| انباء ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علیٰ عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة. | ابن ابی ذئبؒ، یزید بن خصیفہؒ سے وہ سائب بن یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ حضرت عمر بن خطابؓ کے عہد خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ |

یعنی اِس روایت میں عہدِ فاروقی میں بیس رکعت تراویح کا صاف وصریح بیان موجود ہے، اسی کے ساتھ اس بات پر بھی نظر رکھئے کہ یزید بن خصیفہ سے اس روایت کو ان کے دو شاگردوں نے نقل کیا ہے، ابن ابی ذئب اور محمد بن جعفر نے، اور دونوں کے بیان میں کوئی تضاد نہیں، دونوں متفق اللفظ ہو کر روایت کرتے ہیں کہ ہمارے استاذ یزید بن خصیفہؒ نے اور اُن سے اُن کے استاذ سائب بن یزیدؓ نے نقل کیا ہے کہ وہ لوگ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

اِن حالات میں محمد بن یوسفؒ کے پانچ شاگردوں کی مختلف البیان ومشکوک روایت کے مقابلے میں، یزید بن خصیفہؒ کے دونوں شاگردوں کی متفق اللفظ اور بے غبار روایت کو ہی مدارِ استدلال بنانا عین انصاف و دیانت کا تقاضا ہے۔

یزید بن خصیفہؒ والی بیس کی روایت کی سند کو امام نوویؒ، امام عراقیؒ، علامہ سبکیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ کی تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار ص ۱۹۲، تحفۃ الاحوذی ج ۲ص ۷۵، مصابیح سیوطی ص ۴۲ وغیرہ)

اِس کے برخلاف محمد بن یوسف والی گیارہ کی روایت کو علامہ ابن عبدالبرؒ نے شرح مؤطا میں راوی کا وہم قرار دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| قال ابن عبدالبر هذه الروایة وهم | ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت راوی |

والذی صح انهم کانوا یقومون علیٰ عهد عمر بعشرین رکعة.
(مرقات ج۲ص۱۷۴،اوجز ج۱ص۳۹۴،بذل ج۲ص۳۰۵،تحفۃ الاخیار ص۱۹۱)

کا وہم ہے اور صحیح وہی روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ خلافتِ فاروقی میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

کچھ حضرات نے تاویل کرکے اسے صحیح بھی کہا ہے تو یوں کہا ہے کہ اول مع وتر گیارہ تھیں بعد میں بیس کا حکم دیا اور وہی مستقلاً متعین ہوکر متفق علیہ ہوگیا۔ (دیکھئے کتب مذکورہ)

عہد فاروقی میں تراویح کی تعدادِ رکعت کو بیان کرنے والی صدہا روایات، جن میں بیس کے عدد کی صراحت موجود ہے، کے مقابلے میں صرف ایک روایت، وہ بھی شاذ ومضطرب، جس میں بیس کے بجائے گیارہ کا تذکرہ ہے، بلا تاویل اپنے ظاہری معنیٰ میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ جب کہ خود اسی استاذ (سائب بن یزیدؓ) کا دوسرا شاگرد (یزید بن خصیفہ) اپنے استاذ سے بیس کی ہی روایت نقل کررہا ہو اور اس میں کسی قسم کا نہ شذوذ ہو نہ اضطراب، بلکہ صدہا روایات اس کی تائید میں موجود ہوں۔ (۱) اور خود موطا امام مالک میں ہی امام مالکؒ کی یہ روایت بھی موجود ہے

مالک عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلٰث وعشرین رکعة. (ص۴۳)

امام مالکؒ یزید بن رومان سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ (صحابہؓ وتابعینؒ) خلافتِ فاروقی میں رمضان المبارک بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

---

(۱) اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے دیکھئے محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی علیہ الرحمۃ کی معرکۃ الآراء تصنیف رکعات تراویح مذیل بر دانوار مصابیح ص۳۷ تا ص۵۵ و ص۱۹۱ تا ص۲۲۰۔

# رکعاتِ تراویح اور ائمۂ احناف رح

ہر سال رمضان المبارک کے موقع پر ملک کے متعدد مقامات پر کچھ لوگوں کی طرف سے اِس قسم کے پوسٹر نظر آنے لگتے ہیں، جن میں بلند بانگ دعووں کے ساتھ آٹھ رکعت تراویح کو ہی مسنون، اور بیس کو غیر مسنون قرار دیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسے ائمۂ احناف کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا ہے، کہ وہ خود بیس کو غیر مسنون اور آٹھ کو مسنون کہتے ہیں، اِس سلسلے میں ان کی بعض عبارتیں توڑ مروڑ کے پیش کی جاتی ہیں۔

مگر حقیقت کیا ہے؟ آیئے اسے ان کی مفصّل ومصرّح عبارات کی روشنی میں ملاحظہ کریں۔

**امام اعظم ابوحنیفہ رح:۔** امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مایہ ناز شاگرد امام ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ سے دریافت کیا:

هل كان لعمر رضى الله عنه عهد من النبى صلى الله عليه وسلم فى عشرين ركعة فقال له ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ لم يكن عمر رضى الله عنه مبتدعا.

(فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۲۰؛ العرف الشذی ص ۳۳۰، البحر الرائق ج ۲ ص ۶۶، طحاوی ص ۲۴۶)

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات کے بارے میں کوئی بات معلوم تھی؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت عمرؓ بدعت کو ایجاد کرنے والے نہ تھے، (یعنی بلاشبہ حضرت عمرؓ کو بیس رکعات کے بارے میں حضورؐ سے کوئی بات ضرور معلوم تھی ورنہ وہ اپنی طرف سے بیس کی تعیین نہ کر دیتے)

آثار امام ابو یوسف میں ہے:

عن ابيه عن ابی حنيفة عن حماد عن ابراهيم ان الناس كانوا يصلون خمس ترويحات فی رمضان.

(ص ۴۱)

یوسفؒ اپنے والد امام ابو یوسفؒ سے وہ امام ابوحنیفہؒ سے وہ حمادؒ سے وہ ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ (صحابہ وتابعین) رمضان میں پانچ ترویحات پڑھتے تھے۔ (۱)

**امام شمس الائمہ سرخسیؒ:-** امام سرخسیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مبسوط'' جو کہ امام محمدؒ کی ظاہرالروایات پر مشتمل ہے۔ میں فرماتے ہیں:

فانها عشرون ركعة سوى الوتر عندنا وقال مالك رحمه الله تعالىٰ السنة فيها ستة وثلاثون قيل من اراد ان يعمل بقول مالك رحمه الله تعالىٰ ويسلك مسلكه ينبغي ان يفعل كما قال ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ يصلي عشرين ركعة كما هو السنة ويصلي الباقي فرادىٰ كل تسليمتين أربع ركعات وهٰذا مذهبنا وقال الشافعي رحمه الله تعالىٰ لابأس باداء الكل جماعة. (مبسوط ج۲ ص۱۴۴)

تراویح ہمارے نزدیک وتر کے علاوہ بیس رکعتیں ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سنت اس میں چھتیس رکعتیں ہیں، کہا گیا ہے کہ جو شخص امام مالکؒ کے قول اور مسلک پر عمل کرنا چاہے، اسے مناسب ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق عمل کرے، یعنی جماعت کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھے کیوں کہ یہی سنت ہے، پھر (۱۶ رکعتیں) تنہا پڑھے، ہر چار رکعات میں دوسلام ہوں (یعنی دو، دو رکعتیں کرکے) یہ ہمارا مذہب ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ کل کی کل چھتیس رکعتیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) ہر ترویحہ چار رکعت کا ہوتا ہے، اس طرح پانچ ترویحات، بیس رکعتیں ہوگئیں۔

**ملک العلماء علامہ کاسانیؒ**:- ملک العلماء علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانیؒ لکھتے ہیں:

واما قدرها فعشرون ركعة فی عشر تسليمات فی خمس ترويحات كل تسليمتين ترويحة وهٰذا قول عامة العلماء وقال مالک فی قول ستة وثلاثون ركعة وفی قول ستة وعشرون ركعة والصحيح قول العامة لماروی أن عمر رضی الله عنه جمع اصحاب رسول الله صلی الله عليه وسلم فی شهر رمضان علی ابی بن كعب فصلّیٰ بهم فی كل ليلة عشرين ركعة ولم ينكر عليه احد فيكون اجماعاً منهم علیٰ ذالک.

(بدائع الصنائع ج ا ص ۲۸۸)

تراویح کی مقدار بیس رکعات ہے، دس سلاموں سے، پانچ ترویحات میں، ہر دو سلام میں ایک ترویحہ ہوگا، یہی عام علماء کا قول ہے۔ اور امام مالکؒ نے ایک قول میں چھتیس رکعات اور ایک قول میں چھبیس رکعات بیان فرمائی ہیں، اور صحیح عام علماء کا ہی قول ہے، اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اصحابؓ رسولؐ کو رمضان المبارک میں حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں جمع کیا، پس انھوں نے ان کو ہر رات میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا، پس یہ صحابۂ کرامؓ کی طرف سے بیس رکعات پر اجماع ہوگیا۔

**علامہ برہان الدین مرغینانیؒ**:- صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ نے بھی بیس رکعات تراویح کو سنت قرار دیا ہے اور یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ امام حسن بن زیادؒ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیس رکعات تراویح کا مسنون ہونا ہی روایت کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| والاصح انها سنة كذا روى الحسن عن ابى حنيفة. (ہدایہ ۱/۱۵۱) | زیادہ صحیح یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح سنت ہے، ایسے ہی حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔ |

**علامہ بدرالدین عینیؒ:-** شارح بخاری علامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ان عددها عشرون ركعةوبه قال الشافعى واحمد ونقلها القاضى عن جمهورالعلماء وحكى ان الاسود بن يزيد كان يقوم بأربعين ركعة ويوتر بسبع وعند مالك ستة وثلاثون ركعة غير الوتر واحتج علىٰ ذالك بعمل اهل المدينة واحتج اصحابنا والشافعية والحنابلة بمارواه البيهقى باسناد صحيح عن السائب بن يزيد الصحابى قال كانوا يقومون علىٰ عهد عمر رضى الله تعالىٰ عنه بعشرين ركعة وعلىٰ عهد عثمان وعلى رضى الله تعالىٰ عنهمامثله. (عمدۃ القاری ج۷ ص۱۷۸) | تراویح کی تعداد بیس رکعات ہے، اسی کے قائل ہیں امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ، اور قاضی عیاضؒ نے یہی بیس رکعتیں جمہور علماء سے نقل کی ہیں اور بیان کیا ہے کہ اسود بن یزیدؒ چالیس رکعتیں پڑھتے تھے اور سات وتر، اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعتیں ہیں وتر کے علاوہ، انھوں نے اس سلسلے میں اہلِ مدینہ کے عمل سے استدلال کیا ہے اور ہمارے اصحاب اور شوافع اور حنابلہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے بیہقیؒ نے سند صحیح سے صحابیٔ رسولؐ حضرت سائب بن یزیدؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں بھی۔ |

**علامہ ابن ہمامؒ:-** علامہ کمال ابن ہمامؒ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

ثبت العشرون من زمن عمر فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعة وروی البیهقی فی المعرفة عن السائب بن یزیدقال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب رضی الله عنه بعشرین رکعة والوتر قال النووی فی الخلاصة اسناده صحیح. (فتح القدیر ج۱ص۳۳۳)

بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ سے موطا امام مالکؒ کی روایت کے مطابق ثابت ہیں، یزید بن رومانؒ کہتے ہیں کہ لوگ (صحابہ وتابعین) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیئیس (۲۳) رکعتیں پڑھتے تھے، اور بیہقیؒ نے معرفہ میں سائب بن یزیدؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے امام نوویؒ نے خلاصہ میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

**علامہ ابن نجیم مصریؒ:-** علامہ زین العابدین ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

والتراویح عشرون رکعة بعشر تسلیمات بعد العشاء فی لیالی رمضان. (الاشباہ والنظائر ص۴۷)

تراویح بیس رکعات ہے، دس سلام سے، عشاء کے بعد رمضان کی راتوں میں۔

**امام ابوالبرکات نسفیؒ:-** امام ابوالبرکات نسفیؒ لکھتے ہیں:

وسنّ فی رمضان عشرون رکعة بعشر تسلیمات بعدالعشاء قبل الوتر الخ (کنزالدقائق ص۳۶)

رمضان المبارک میں دس سلاموں سے، بیس رکعتیں عشاء کے بعد، وتر سے قبل پڑھنا مسنون ہے۔

کنزالدقائق کی مذکورہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ زین العابدین ابن نجیمؒ مصری فرماتے ہیں:

وقوله عشرون ركعة بيان كميتها وهو قول الجمهور لما في المؤطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً.

(البحرائق ج۲ص٦٦)

صاحبِ کنز کا قول ''بیس رکعتیں'' تراویح کی مقدار کا بیان ہے اور یہی جمہور کا قول ہے، اس لئے کہ مؤطا امام مالکؒ میں یزید بن رومانؒ سے مروی ہے کہ لوگ (صحابہؓ وتابعینؒ) حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں تیئیس رکعتیں (مع وتر) پڑھا کرتے تھے اور اسی پر شرقاً وغرباً ہر جگہ کے لوگوں کا عمل ہے۔

**امام اوزجندیؒ المعروف بہ قاضیخانؒ:-** امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندیؒ المعروف بہ قاضی خاں، فتاویٰ قاضی خاں میں لکھتے ہیں:

مقدار التراويح عند اصحابنا والشافعي ماروى الحسن عن ابي حنيفة قال القيام في شهر رمضان سنة لاينبغي تركها يصلي لاهل كل مسجد في مسجدهم كل ليلة سوى الوتر عشرين ركعة خمس ترويحات بعشر تسليمات يسلم في كل ركعتين وقال مالك ان يصلي ستاوثلثين ركعة سوى الوتر لماروى عن عمر وعلي انهما كانا يصليان ستة وثلاثين ولنا ماروى

تراویح کی مقدار ہمارے اصحاب اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہی ہے جو حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ رمضان میں قیام (تراویح پڑھنا) سنت ہے، اس کا ترک مناسب نہیں، ہر مسجد والوں کے لئے ان کی مسجد میں، ہر رات وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ پانچ ترویحے، دس سلاموں سے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعات کیوں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ

عن ابن عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى عشرين ركعة فى شهر رمضان ثم كان يوتر بثلث بعدها خص الرمضان بالذكر فالظاهر انه ارادبه التراويح وهو المشهور من الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم اجمعين وماروى مالك غير مشهور. (فتاویٰ قاضیخاں ج۱ص۱۱۰)

وہ دونوں حضرات چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے اورہماری دلیل وہ روایت ہے جوحضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں بیس رکعتیں، اس کے بعد تین رکعات وتر پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے رمضان کوذکر کے ساتھ خاص کیا لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ اس سے تراویح کوہی مراد لیاہے، اوریہی بیس رکعتیں صحابۂ کرامؓ اورتابعین عظام سے بھی مشہور ہیں اورجو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیاوہ غیر مشہور ہے۔

**علامہ شرنبلالیؒ:-** علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالیؒ بھی بیس رکعات کوسنت قرار دیتے ہوئے اس کی اہمیت وفضیلت، بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وانما ثبت العشرون بمواظبة الخلفاء الراشدين ماعدا الصديق رضى الله تعالىٰ عنه ففى البخارى فتوفى رسول الله صلى الله عليه وسلم والأمر علىٰ ذالك فى خلافة ابى بكر وصدرمن خلافة عمر حين جمعهم عمر علىٰ ابى بن

بیس رکعتیں، صدیق اکبرؓ کوچھوڑکر بقیہ خلفائے راشدین (عمرؓ،عثمانؓ، علیؓ) سے بلاترک، مستقلاً ثابت ہیں، چنانچہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اورمعاملہ اسی طرح رہا، خلافتِ صدیقی میں بھی اورابتدائی دورِ فاروقی میں بھی، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ

كعب فقام بهم في رمضان فكان ذالك اول اجتماع الناس علىٰ قارئ واحد في رمضان كما في فتح الباری وبالجملة فهی سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم سنهالنا وندبنا اليها وكيف لا، وقد قال صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدی عضوا عليها بالنواجذ وروى ابونعيم من حديث عروبة الكندی ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ستحدث بعدی اشياء فاحبّها الیّ ان تلزموا مأحدث عمر.

(طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۲۴۶)

نے انھیں (صحابہؓ وتابعین کو) ابی بن کعبؓ پر جمع کیا۔ پس انھوں نے انھیں رمضان میں نماز پڑھائی، یہ رمضان المبارک میں ایک قاری کے پیچھے لوگوں کا پہلا اجتماع تھا جیسا کہ فتح الباری میں ہے، خلاصۂ کلام یہ حضور ﷺ کی سنت ہے جسے آپ نے ہمارے لئے متعین فرمایا ہے۔ اور کیسے نہ ہو؟ جب کہ آپ ﷺ خود فرما چکے ہیں، تم پر لازم پکڑنا ہے میری سنت کو اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں اور میرے بعد آئیں گے، ان کی سنت کو بھی مضبوطی سے پکڑ لینا۔ اور ابونعیمؒ نے روایت کیا ہے کہ عروبہ کندی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد جو کچھ چیزیں پیدا ہوں گی میرے نزدیک ان میں سب سے محبوب وہ ہے جسے عمرؓ نے نکالا ہو۔

**علامہ حصکفی دمشقیؒ:** — علامہ محمد بن علی علاء الدین حصکفی صاحبِ درمختار فرماتے ہیں:

وهي عشرون ركعة حكمته مساوات المكمل للمكمل.

(درمختار ج ا ص ۴۷۴)

تراویح بیس رکعتیں ہیں اور بیس کی حکمت یہ ہے کہ مُکَمِّل یعنی تراویح مکمَّل یعنی فرائض مع الوتر کے برابر ہو جائیں (۱) (کیونکہ

---

(۱) سنن ونوافل، فرائض کے لئے تکمیل کا ذریعہ بنتی ہیں، اس لحاظ سے تراویح کو مکمِّل اور فرائض پنجگانہ کو مکمَّل کہا۔

فرائض مع الوتر بھی بیس رکعتیں ہی ہیں)

**علامہ ابن عابدین شامیؒ:-** علامہ محمد امین بن عابدین شامی ردالمحتار المعروف بہ شامی میں فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| (قوله وعشرون ركعة) وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً وعن مالك ست وثلاثون. | بیس رکعتیں ہی جمہور کا قول ہے اور اسی پر شرقاً وغرباً پوری امت کا عمل ہے اور امام مالکؒ سے چھتیس رکعتیں مروی ہیں۔ |

(ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۷۴)

**اکابر علمائے ہند:-** شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مرتب شدہ فتاویٰ عالمگیری، جسے کم وبیش چالیس جلیل القدر علماء کے بورڈ نے مرتب کیا ہے اور جو بہت دنوں تک ہندوستان کی عدالتوں کے لئے مقدمات فیصل کرنے کی بنیاد تھا اور آج بھی کوئی بڑا سے بڑا عالم جس سے مستغنی اور بے نیاز نہیں، اسی فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

| | |
|---|---|
| وهي خمس ترويحات كل ترويحة اربع ركعات بتسليمتين كذا في السراجية. (ج ۱ ص ۶۰) | تراویح، پانچ ترویحے ہیں، ہر ترویحہ چار رکعت کا ہے دو سلاموں سے، ایسے ہی سراجیہ میں ہے۔ |

**علامہ ملا علی قاریؒ:-** شارح مشکوٰۃ علامہ ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| والذي صح انهم كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بعشرين ركعة. | سند صحیح سے ثابت ہے کہ صحابۂ کرامؓ عہد فاروقی میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ |

(مرقات المفاتیح ج ۲ ص ۱۷۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وفي صحيحي ابن خزيمة وابن حبّان انه صلّىٰ بهم ثمان ركعات. | صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو آٹھ |

والوتر لكن اجمع الصحابة علىٰ ان التراويح عشرون ركعة.
(مرقات ج۲ص۱۷۵)

رکعتیں اور وتر پڑھائی، (۱) لیکن صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے۔

شرح نقایہ میں لکھتے ہیں:

فصار اجماعاً لماروى البيهقى باسناد صحيح انهم كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بعشرين ركعة وعثمان وعلى . (شرح نقایہ ج۱ص۱۰۴)

پس اجماع ہوگیا، کیوں کہ بیہقی میں سندِ صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ صحابۂ کرامؓ خلافتِ فاروقی میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے، ایسے ہی خلافتِ عثمانی اور خلافتِ علی میں بھی۔

**علامہ حلبیؒ:**- علامہ محمد بن محمد حلبیؒ کبیری میں فرماتے ہیں:

علم من هٰذه المسئلة ان التراويح عندنا عشرون ركعة بعشر تسليمات وهو مذهب الجمهور وعندمالك ستة وثلاثون ركعة احتجاجاً بعمل اهل المدينة وللجمهور مارواه البيهقى باسناد صحيح عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بعشرين ركعة وعثمان وعلى مثله وهٰذا كالاجماع (کبیری ص۳۸۸)

اِس سے معلوم ہوا کہ تراویح ہمارے نزدیک بیس رکعات ہے، دس سلام سے، یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعات ہے اہلِ مدینہ کے عمل سے حجت پکڑتے ہوئے، اور جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جو بیہقیؒ نے سندِ صحیح کے ساتھ سائب بن یزیدؓ سے نقل کی ہے کہ صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں بیس رکعات پڑھتے تھے، ایسے ہی خلافتِ عثمانؓ اور خلافتِ علیؓ میں بھی اور یہ اجماع کے مثل ہے۔

---

(۱) اسی کتاب کے ص۳۷۹ پر تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

**شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ:**۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتح المنان بمذہب النعمان میں تحریر فرماتے ہیں:

قال الحلبی والسرفی کونها عشرین ان الرواتب فی غیر رمضان عشرة فضوعفت لأنه وقت جد وتشمیر کذا فی المواهب اللدنیة ولایذهب علیکم أن تقدیر الأعداد من غیر سند من جانب الشارع لایجوز مثل هذه النکتة التی ذکرها الحلبی فالظاهر انه قد ثبت عندهم صلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم وعلیٰ اٰله وسلم عشرین رکعة کماجاء فی حدیث ابن عباس فاختاره عمر.

علامہ حلبیؒ کہتے ہیں کہ بیس رکعات کا راز یہ ہے کہ سنتِ مؤکدہ مستقلہ دس ہیں لہٰذا انھیں رمضان میں دوگنا کردیا گیا کیوں کہ رمضان المبارک عبادات میں زیادہ جد وجہد کا وقت ہے، ایسے ہی مواہبِ لدنیہ میں ہے، اورتمہارے ذہن سے یہ بات اوجھل نہیں ہونی چاہئے کہ اَعداد کی تعیین بلاسند، شارع کی جانب سے محض اس طرح کے نکتے کی بنیاد پر جائزنہیں، جسے علامہ حلبیؒ نے ذکرکیاہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس رکعات تراویح ثابت ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آیاہے، پس اُسے حضرت عمرؓ نے اختیار فرمایا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی نماز کی تعدادِ رکعت بلاسند صرف انھیں نکتوں کی وجہ سے مقرر نہیں کی جاسکتی جس کا ذکر بعض علماء کرجاتے ہیں، بلکہ اصل چیز شارح علیہ السلام کی طرف سے تعیین ہے، اس تعیین کے بعد اگرکوئی کسی نکتہ کے ذریعہ اس کی حکمت بیان کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ یہاں بھی تراویح کی بیس رکعتیں متعین ہونے کی اصل وجہ وہ نہیں جو علامہ حلبیؒ وغیرہ نے نقل کی ہے،

بلکہ یقیناً صحابۂ کرامؓ کے علم میں حضورؐ سے منقول کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی ورنہ وہ حضرات یوں بیس کی تعیین خاموشی سے گوارہ نہ کر لیتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرفوع روایت میں بیس کا تذکرہ اسی بنیادی حقیقت کا اظہار ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی بناء پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح کو اختیار کیا اور سارے صحابۂ کرامؓ نے بھی اجماعاً اسے قبول کیا۔

**مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ:-** مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ثبت اهتمام الصحابة علىٰ عشرين في عهد عمر وعثمان وعلى فمن بعدهم اخرجه مالك وابن سعد والبيهقي وغيرهم وماواظبت عليه الخلفاء فعلاً اوتشريفا ايضاً سنة لحديث عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين اخرجه ابوداؤد وغيره. (ج۱ص۱۷۵) | عہدِ عمرؓ، عہدِ عثمانؓ، عہدِ علیؓ اور اس کے بعد بھی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بیس رکعات پر اہتمام ثابت ہے، اسے امام مالکؒ، ابن سعدؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے، اور جس پر خلفائے راشدین نے فعلاً یا قولاً مواظبت کی ہو وہ بھی سنت ہے کیوں کہ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ |

اسی طرح اپنے مشہور رسالہ تحفۃ الأخیار فی إحیاء سنۃ سید الأبرار کے ص۲۰۹ پر لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ان مجموع عشرين ركعة في التراويح سنة مؤكدة لأنه | تراویح میں بیس رکعات سنتِ موکدہ ہے، اس لئے کہ اس پر خلفاء راشدین نے |

مما واظب عليه الخلفاء وان لم يواظب عليه النبي صلى الله عليه وعلىٰ اٰله وسلم وقد سبق ان سنة الخلفاء ايضاً لازم الاتباع وتاركها اثم وان كان اثمه دون اثم تارك السنة النبوية فمن اكتفىٰ علىٰ ثمان ركعات يكون مسيئا لتركه سنة الخلفاء وان شئت ترتيبه على سبيل القياس فقل عشرون ركعة في التراويح مما واظب عليه الخلفاء الراشدون وكل ماواظب عليه الخلفاء سنة مؤكدة ثم تضمه مع ان كل سنة مؤكدة يأثم تاركها فينتج عشرون ركعة ياثم تاركها ومقدمات هٰذا القياس قداثبتناها في الأصول السابقة.

(تحفۃ الاخیار ص ۲۰۹)

مداومت کی ہے، اگر چہ حضور ﷺ نے مداومت نہیں کی، اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کا چھوڑنے والا گنہ گار ہے اگر چہ اس کا گناہ حضورؐ کی سنت ترک کرنے والے سے کم ہے، لہٰذا جو شخص آٹھ رکعت پر اکتفاء کرے وہ برا کام کرنے والا ہے کیوں کہ اس نے خلفائے راشدین کی سنت ترک کردی، اگر تم قیاس کے طریقہ پر اس کی ترتیب چاہو تو یوں کہو۔ ''بیس رکعت تراویح پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی اور جس پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہو وہ سنتِ موکدہ ہے لہٰذا بیس رکعت تراویح بھی سنتِ مؤکدہ ہے، پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ سنتِ مؤکدہ کا تارک گنہ گار ہوتا ہے لہٰذا بیس رکعات کا تارک بھی گنہ گار ہوگا، اِس قیاس کے مقدمات ہم اصولِ سابقہ میں ثابت کر چکے ہیں۔

مولانا عبدالحیؒ صاحب آگے چل کر یہ بھی بتاتے ہیں العشرون متضمن ثمان ایضاً (بیس رکعات میں آٹھ رکعات بھی شامل ہیں) لہٰذا اسی کا التزام اجر وثواب کا باعث ہے، کیوں کہ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، جب کہ آٹھ

رکعات پڑھنے میں بیس کی بارہ رکعتیں چھوٹ جائیں گی۔

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فتح المنان بمذاہب النعمان کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| فالظاهر انه قد ثبت عندهم صلوٰة النبي صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة كما جاء في حديث ابن عباس. (ص۲۱۱) | ظاہر یہی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تراویح بیس رکعات ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے۔ |

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی اس روایت کہ — ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے'' — کے بارے میں مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ ملاحظہ کیجئے مولانا کے اصل الفاظ:

| | |
|---|---|
| واما ماذكروه من ان رواية عشرين مخالفة لحديث عائشةؓ من انه كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لايزيد في رمضان ولا في غيره علىٰ احدىٰ عشرة يصلي اربعاً ثم يصلي اربعاً ثم يوتر بثلث فضعيف عندي اذقد ثبت من الروايات الكثيرة عنها وعن غيرها انه صلى الله عليه وعلىٰ اٰله وسلم قدزاد علىٰ ذالك في بعض الاحيان وقد نقص عنه ايضاً. (ص۲۱۱) | وہ جو کچھ حضرات نے ذکر کیا ہے کہ بیس والی روایت حضرت عائشہؓ کی اِس روایت کے مخالف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ چار رکعت پڑھتے، پھر چار رکعت پڑھتے، پھر تین رکعات وتر پڑھتے۔'' تو یہ استدلال میرے نزدیک ضعیف ہے۔ کیوں کہ بہت سی روایتوں سے، خود حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات اس سے زیادہ بھی پڑھا اور اس سے کم بھی پڑھا ہے۔ |

اس کے بعد اسود بن یزیدؒ سے مروی حضرت عائشہؓ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ نے ہی حضورؐ کی تیرہ، گیارہ اور نو رکعتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر زید بن خالد جہنیؓ کی تیرہ رکعتوں والی روایت، پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تیرہ والی روایت، ان سب روایتوں کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور مؤطا امام مالک کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد ترمذی کی وہ روایت نقل کی، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نمازیں اکثر تیرہ مع الوتر ہیں اور کم نو مع الوتر ہیں، پھر مؤطا امام مالکؒ کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی وہ روایت نقل کی جس میں حضورؐ کا رات میں تیرہ رکعتیں پڑھنا منقول ہے۔

پھر قرطبیؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ انھیں اسباب کی بنا پر بہت سے علماء نے حضرت عائشہؓ کی گیارہ والی روایت کو مضطرب قرار دیا ہے۔ آخر میں مولانا عبدالحئیؒ صاحب اپنا نقطۂ نظر یوں بیان کرتے ہیں:

| | |
|---|---|
| فظهر من هٰذا كله ان حديث كان لا يزيد الخ لايدل علىٰ نفي الزيادة مطلقاً. (تحفۃ الاخیار ص ۲۱۳) | ان سب باتوں سے ظاہر ہوگیا کہ کان لایزید الخ والی حدیث زیادتی کی نفی پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی۔ |

**مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ:-** بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ تراویح کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''باقی رہی تراویح! اس میں آج کے ملّانوں نے تخفیف کر ڈالی ہے یعنی بیس کی آٹھ کر ڈالی ہے، وہ سب کو سہولت کی وجہ سے پسند آتی ہے، مگر یہ بات کوئی سمجھتا نہیں کہ آٹھ رکعت جو حدیث میں وارد ہے، تہجد کی رکعات ہیں، تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے، تراویح تو بیس ہی رکعت ہیں۔

حضرت عمرؓ کے دور میں ہزارہا صحابہ موجود تھے، اس زمانہ سے لے کر آج تک کسی نے بیس رکعت میں حجت نہیں کی تھی (خوشی خوشی بیس رکعات پڑھتے تھے)

مگر آج کل ایسے اُمی اَن پڑھ عالم پیدا ہوئے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کو بھی غلط کہا۔ سبحان اللہ یہ منھ اور مسور کی دال! یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ سے پہلے بیس رکعت پڑھی نہ جاتی تھی، یہ غلط خیال ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت خاص اہتمام سے پڑھی جانے لگی اس سے یہ کیسے لازم ہوا کہ پہلے بیس رکعات نہ پڑھی جاتی تھی، البتہ اتنے اہتمام اور جماعتِ کثیر کے ساتھ نہ پڑھی جاتی تھی، الگ الگ متفرق جماعتوں کے ساتھ پڑھی جاتی تھی، حضرت عمرؓ نے سب کو ایک بڑی جماعت سے پڑھنے کا اہتمام کر دیا۔

دیکھئے! پہلے نکاحِ ثانی کا اہتمام نہ تھا کیوں کہ نکاحِ ثانی کو اتنا معیوب نہیں سمجھتے تھے، جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ لوگ نکاح ثانی کو نہایت معیوب سمجھنے لگے تو اس کا ذکر آپ نے اپنی کتابوں میں کیا اور ان کی اولاد اور شاگردوں نے نکاحِ ثانی کے اجراء کے لئے کمر کس لی، مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ نکاحِ ثانی کا طریقہ شاہ ولی اللہؒ اور ان کی خاندان کی ایجاد ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا طریقہ نہیں ہے۔ بس اسی طرح بیس رکعات تراویح کو حضرت عمرؓ اور آپ کے دور کے صحابہؓ کی ایجاد نہیں بلکہ سنت نبویؐ ہی سمجھنا چاہئے، ورنہ اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ حضرت عمرؓ سنّی نہ تھے، آپ کے دور کے صحابہ بھی سنّی نہ تھے، تمام نعوذ باللہ بدعتی تھے! آپؐ کی سنت کو محو کر دیا اور اپنی سنت جاری کی، اب آپ ہی بتلایئے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کو برا سمجھنے والے کون ہیں؟''

(تصفیۃ العقائد ص ۳۸و۳۹)

حضرت نانوتویؒ کے دوسرے رسالہ لطائفِ قاسمی میں بھی متعدد مکتوبات موجود ہیں جن میں بیس رکعات تراویح مسنون ہونے کا ذکر ہے۔

**مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ:-** قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے رسالہ ''الحق الصریح'' میں لکھتے ہیں:

پس درآخر امر بر بست وسہ معہ وتر قرار یافت رواہ مالک فی المؤطا بسند صحیح۔ (ص ۱۹)

پس آخر امر میں تیئس رکعت مع وتر متعین ہوئیں، اسے امام مالکؒ نے مؤطا میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابہؓ در آخرِ زمانِ عمر رضی اللہ عنہ ثابت شدہ پس سنت باشد وکسیکہ ازسنیتِ آں انکار دارد خطاست۔ (الحق الصریح ص ۲۰)

خلاصہ یہ کہ بیس رکعات کا ثبوت اجماع صحابہ سے آخر عہدِ فاروقی میں ثابت شدہ ہے، لہٰذا یہی سنت ہے اور جو شخص اس کے سنت ہونے سے انکار کرے وہ غلطی پر ہے۔

اپنے رسالہ الرأی النجیح فی عدد رکعات التراویح میں لکھتے ہیں:

''ابن عباسؓ سے ابن ابی شیبہ نے جو اپنے مصنف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا نقل کیا ہے، اگر چہ وہ روایت ضعیف ہے مگر مؤید ہے آثارِ صحابہؓ سے کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت پڑھی ہیں اور جمہور تابعین اور فقہاء کا اس پر عمل درآمد ہے، جیسا کہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۳۱۴)

**علامہ انور شاہ کشمیریؒ:-** محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ''العرف الشذی شرح ترمذی'' میں لکھتے ہیں:

لم یقل احد من الائمة الأربعة بأقل من عشرین رکعة فی التراویح والیه جمهور الصحابة رضوان الله علیهم اجمعین وقال مالک بن انس بستة وثلاثین رکعة. (۳۲۹)

ائمہ اربعہ میں سے بیس رکعات سے کم تراویح کا کوئی قائل نہیں، اور اسی طرف جمہور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں، اور امام مالکؒ چھتیس رکعات کے قائل ہیں۔

آگے فرماتے ہیں:

وفعل الفاروق فقد تلقاه الأمة بالقبول واستقر امر التراويح فی السنة الثانية فی عهد عمر كما فی تاريخ الخلفاء وتاريخ ابن اثير وطبقات ابن سعد. (ص۳۳۰)

حضرت عمر فاروقؓ کے فعل کو امت نے قبول کرلیا اور تراویح کا معاملہ خلافتِ فاروقی کے دوسرے سال مستقل ہوگیا جیسا کہ تاریخ الخلفاء اور تاریخ ابن اثیر اور طبقات ابن سعد میں ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

اقول ان سنة الخلفاء الراشدين ايضاً تكون سنة الشريعة لمافی الاصول ان السنة سنة الخلفاء وسنته عليه السلام وقد صح فی الحديث عليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين فيكون فعل الفاروق الأعظم ايضا سنة. (العرف الشذی ص۳۳۰)

میں کہتا ہوں کہ خلفائے راشدینؓ کی سنت بھی سنتِ شریعت ہے، جیسا کہ اصول کی کتابوں میں لکھا ہے، کہ سنت، خلفائے راشدینؓ کی بھی سنت ہوگی اور سنتِ رسول بھی، اور صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت، جو کہ ہدایت یافتہ ہیں، پس فاروق اعظم کا فعل بھی سنت ہوگا۔

**مولانا احمد علی سہارنپوریؒ:-** حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ بخاری کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

ثبت العشرون من زمن عمر فی المؤطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون فی زمن عمر

بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مؤطا امام مالکؒ کی روایت کے مطابق ثابت ہیں، یزید بن رومانؒ کہتے ہیں کہ لوگ

| | |
|---|---|
| بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وفي المؤطا رواية باحدىٰ عشرة وجمع بينهما بانه وقع اولاثم استقر الأمر على العشرين فانه المتوارث. (حاشیہ بخاری ج۱ص۱۵۴) | (صحابہ وتابعین) حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں تئیس رکعتیں مع وتر پڑھتے تھےاورمؤطامیں گیارہ مع وتر کی روایت بھی ہے، دونوں کے اندراس طرح جمع کیا گیا ہے کہ ابتداءً آٹھ رکعتیں رہیں پھر بیس پر معاملہ مستقل ہوگیااور یہی متوارث ہے۔ |

**مولانا محمد احسن صاحب نانوتویؒ:-** مولانا محمد احسن نانوتویؒ نے حاشیہ کنزالدقائق ص۳۶ پر بیس رکعات تراویح کے مسنون ہونے کو بیہقی وغیرہ کی اُن روایات کے ذریعہ ثابت کیا ہے جن کا تذکرہ گزشتہ سطور میں بار بار ہو چکا ہے اور یہ بتاتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح جماعت کے ساتھ مواظبۃً نہیں پڑھی، لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وصلى عمر بعده عشرين ووافقه الصحابة علىٰ ذالك. (ص۳۶) | بعدہٗ حضرت عمرؓ نے بیس پڑھی اوراس میں صحابۂ کرامؓ نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی۔ |

**مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ:-** حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ بذل المجہود شرح ابوداؤد میں فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لم يقع فيما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قرأها ثلث ليال عددركعاته بطريق صحيح ولكن وقع ذكرعددالتراويح فيما صلاها بعض الصحابة والتابعين رضى الله عنهم فقد اخرج الشيخ النيموى عن يزيدبن خصيفة عن | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین رات تراویح پڑھنے کی جوروایتیں ہیں ان میں صحیح سند سے عددِ رکعات کا تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ بعض صحابہؓ اورتابعینؒ نے جوتراویح پڑھی اس میں عددرکعات کا تذکرہ آیاہے، چنانچہ علامہ نیمویؒ نے سائب بن یزیدؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ |

السائب بن یزید قال کانوا یقومون علیٰ عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة. الخ

وہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔

(بذل المجہود ج ۲ ص ۳۰۴)

اس کے بعد متعدد روایتیں بیس رکعات تراویح کی نقل کی ہیں جو ہم اسی کتاب کے ص ۳۸۵ پر نقل کر چکے ہیں۔

**علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ:**۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ مسلم شریف کی شرح فتح الملہم میں رقم طراز ہیں:

ثبوت التراویح عشرین رکعة فی عهد الفاروق لاینکر کماروی مالک فی المؤطا عن یزید بن رومان مرسلاً قال کان الناس فی زمن عمر یقومون فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة قال ابن اسحاق وهٰذا اثبت ماسمعت فی ذالک وعن السائب بن یزید انها عشرون رکعة ای بدون الوتر وروی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتهم فی رمضان یصلون عشرین رکعة وثلاث رکعات الوتر وفی الباب اٰثار

عہدِ فاروقی میں بیس رکعت تراویح کے ثبوت کا انکار نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ امام مالکؒ نے مؤطا میں یزید بن رومانؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ لوگ (صحابہؓ وتابعینؒ) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں (مع وتر) تئیس رکعتیں پڑھتے تھے، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس باب میں، میں نے جو سنا ہے اُن میں یہ روایت سب سے زیادہ مضبوط و محفوظ ہے، اور سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، یعنی وتر کے علاوہ، امام محمد بن نصرؒ نے عطاءؒ سے روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہ کو پایا کہ وہ

كثيرة اخرجها ابن ابی شيبة وغيره قال ابن قدامة وهذا كما الاجماع ومااری احداً من المسلمين انه يجترأ على القول بكون هؤلاء السادة مبتدعين (والعياذ بالله) بل هذا العمل والاختيار منهم يدل علىٰ ان عندهم اصلاً لذالک ولو لم ينقل الينا مرفوعاً بالاسناد الصحيح وقد امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بالاهتداء بهم وقال عليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين بعدی تمسكوابها وعضوا عليها بالنواجذ وما اختار احدمن الائمة المتبوعين رحمهم الله انقص من العشرين.

(فتح الملہم ج۲ص۲۹۱)

رمضان میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور اِس باب میں بہت سے آثار ہیں جنھیں ابن ابی شیبہؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے، ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ یہ اجماع کے مثل ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ان اکابرِ ملت واسلافِ کرام (صحابہؓ وتابعینؒ) کومبتدع کہنے کی جرأت کرے گا (العیاذ باللہ) بلکہ بیس رکعات کاان کا یہ عمل اوراسے اختیار کرنااس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس بیس کی کوئی اصل ضرورتھی اگرچہ وہ ہم تک صحیح سند سے مرفوعاً نہیں پہنچی، اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیاہے کہ ہم اُن کے طریقہ کواختیار کریں، حضورؐفرماتے ہیں تم پرمیری سنت لازم ہےاورمیرے خلفائے راشدین کی سنت جومیرے بعدہوں گے،اسے خوب مضبوطی سے تھام لینا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ائمہ کرام جن کے طریقوں کی اتباع کی جاتی ہے اُن میں سے کسی نے بیس سے کم تراویح اختیارنہیں کی،

**مولانا محمد زکریا صاحبؒ:-** شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مؤطاامام مالک کی شرح اوجزالمسالک میں لکھتے ہیں:

قلت لاشک فی ان تحدید التراویح فی عشرین رکعة لم یثبت مرفوعاً عن النبی صلی الله علیه وسلم بطریق صحیح علیٰ اصول المحدثین وماورد فیه من روایة ابن عباس متکلم فیها علیٰ اصولهم لکن مع هٰذا لایمکن الانکار عن ثبوته بفعل عمرو سکوت الصحابة علیٰ ذالک واجماعهم علیٰ قبوله بمنزلة النص علیٰ انه له اصلا عندهم فمن نظر الیٰ تعامل الصحابة فی امر الشریعة لایشتبه فی انهم اذا روأوا منکرا اکثروا الانکار علیٰ ذالک وهٰذا تقویة معنی لروایة ابن عباس وقد ثبت تحدید العشرین باٰثار الصحابة الکثیرة. (ص۳۹۷)

اس میں شک نہیں کہ بیس رکعات تراویح کی تحدید، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً محدثین کے اصول پر صحیح طریق سے ثابت نہیں اور اس سلسلے میں جو عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے اس میں محدثین کے اصول پر کلام کیا گیا ہے۔ (۱) لیکن اس کے باوجود اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ فعل عمرؓ سے اس کا ثبوت ہے اور صحابۂ کرامؓ کا اس پر سکوت اختیار کرنا اور بالاجماع اُسے قبول کرلینا، بمنزلۂ نص ہے کہ حدیثِ ابن عباسؓ کی صحابۂ کرامؓ کے نزدیک کوئی اصل ضرور تھی، جو شخص امورِ شریعت میں تعاملِ صحابہ پر نظر ڈالے اس پر یہ بات مشتبہ نہیں رہ سکتی کہ وہ لوگ جب کسی خلافِ شریعت کام کو دیکھتے تھے تو اس کا بہت انکار کرتے اور یہ بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے معنیٰ ومفہوم کو تقویت دیتی ہے اور صحابۂ کرامؓ

(۱) ص ۳۸۵ پر تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ محدثین کے اصول پر صحیح طریق سے نہ بیس والی روایت ثابت ہے نہ آٹھ والی، اور دونوں ہی ضعیف ہیں، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ بیس والی روایت کو ہی تین خلفائے راشدین سمیت تمام صحابۂ کرامؓ نے قبول کیا اور آج بھی سوادِ امت سلف سے متوارثاً اسی پر عامل ہے، ائمہ اربعہؒ میں سے بھی بیس سے کم کا کوئی قائل نہیں، نیز بیس والی روایت کی سند کا ضعف عہد صحابہ کے بعد کا ہے کیوں کہ صحابہ کرام کا بیس پر عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیس والی روایت ان کے نزدیک کسی قسم کا ضعف نہیں رکھتی تھی۔ مزید تفصیل انھیں صفحات پر دیکھئے جن کا شروع میں حوالہ دیا گیا۔

کے بہت سے آثار سے بیس رکعات کی

تحدید ثابت ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب نے بیس رکعات کے متعلق وہ احادیث وآثار نقل کیے ہیں جن میں سے بیشتر ہم ص ۳۸۷ وغیرہ پر نقل کر چکے ہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ بیس رکعات کے متعلق اس قدر آثار وارد ہوئے ہیں کہ انھیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

| | |
|---|---|
| والآثار فی الباب اکثر من ان تحصیٰ. (اوجز ص ۳۹۷) | اس باب میں آثارِ صحابہؓ قطار وشمار سے باہر ہیں۔ |

## ایک رکیک تاویل

علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر نے سبل السلام شرح بلوغ المرام ج ا ص ۱۳۸ پر احادیث نبویہؐ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الرّاشدین (تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت) اور اقتدوا بالذین من بعدی ای ابی بکر وعمر (اقتداء کرو ان لوگوں کی جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی) کے متعلق عجیب عجیب تاویلات کی ہیں، مثلاً یہ کہ خلفائے راشدین کی سنت سے مراد اُن کا وہ طریقہ ہے جو دشمنوں سے جہاد وغیرہ کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے موافق ہو۔

حالانکہ لفظ ''سنت'' عام ہے، خواہ وہ جہاد کے سلسلے کی سنت ہو یا نماز، روزہ، حج زکوٰۃ ودیگر ارکانِ دین وشعائرِ اسلام کے سلسلے کی سنت، لہٰذا حدیث میں مذکور لفظ ''سنت'' سے ایک خاص موقع کی سنت مراد لینا محتاجِ دلیل ہے۔ اسی طرح یہ سمجھنا کہ خلفائے راشدین حضورؐ کے طریقہ کے خلاف بھی طریقہ اختیار کر سکتے تھے لہٰذا ''سنتِ خلفائے راشدین'' سے صرف اُن کی وہ سنت مراد ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے

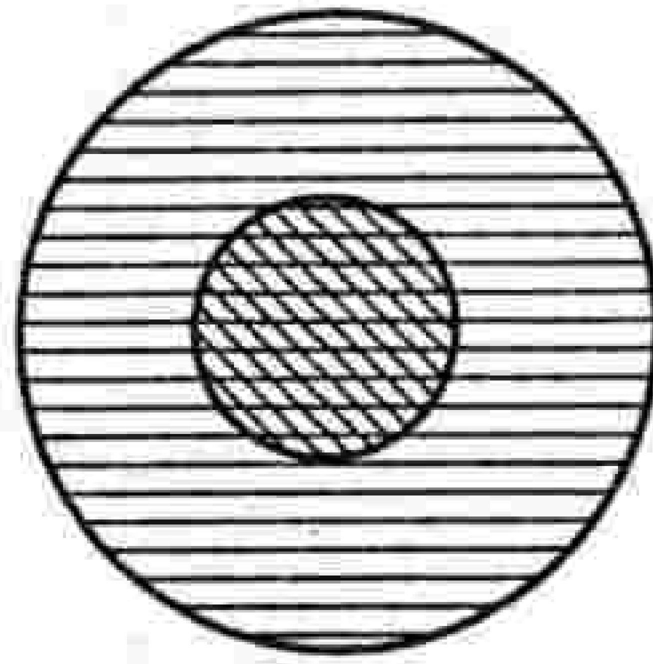
مطابق ہو ـــــ یہ بھی خلفائے راشدین پر بدگمانی اور اتہام ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ خلفائے اربعہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر (کہ آپ کے زمانہ میں تراویح باجماعت ایک مخصوص نہج پر متعین نہ ہوئی تھی) بقیہ تینوں (عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ) بیس رکعات تراویح پر متفق ہیں۔ اس پر مستزاد تمام صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدین ومحدثین کا اجماعی عمل، جو ہے وہ ہے ہی۔ لہٰذا محمد بن اسمٰعیل امیر کا بیس رکعات تراویح کو حضرت عمرؓ کی انفرادی رائے قرار دینا صریح زیادتی ہے۔

پھر اقتداء اور تقلید کو الگ الگ بتانا بھی دوراز کار باتیں ہیں جب کہ اقتداء اور تقلید میں کوئی فرق نہیں، دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ (۱)

---

(۱) اس موضوع پر مفصل بحث راقم الحروف کی کتاب ''اہل حدیث اور تقلید وفرقہ بندی میں موجود ہے۔ جمیل



# نمازِ جنازہ

## نمازِ جنازہ کا طریقہ

نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر (اللہ اکبر) کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر ناف کے نیچے باندھ لے جیسے نماز میں باندھے جاتے ہیں، پھر ثنا پڑھے، ثناء کے بعد دوسری تکبیر کہے، بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے، پھر درود شریف پڑھے، وہی درود شریف جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، اس کے بعد تیسری تکبیر کہے، بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے۔ پھر میت کے لئے دعاء پڑھے، بالغ ہو تو بالغ کی دعاء، نابالغ ہو تو نابالغ کی دعاء لڑکا یا لڑکی کے اعتبار سے۔ (بخاری ج۱ص ۱۷۸، مسلم ج۱ص ۳۰۹، مؤطا امام محمد ۷۹ وغیرہ)

دیگر نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ میں بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے، اس کے بعد کسی بھی تکبیر کے ساتھ نہیں۔

نمازِ جنازہ کی مخصوص دعائیں یہ ہیں:

## دعاء بالغ مرد وعورت کے لئے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ

اے اللہ! بخش دے ہمارے زندوں کو اور مُردوں کو اور ہمارے حاضر کو اور غائب کو اور ہمارے چھوٹے اور بڑے کو اور ہمارے مَردوں اور عورتوں کو، اے اللہ!

عَلیٰ الْاِیْمَانِ.

(مسند احمد ج ا ص ۲۹۹، مستدرک حاکم ج ا ص ۳۵۸ وغیرہ)

ہم میں سے تو جسے زندہ رکھ اُسے اسلام پر زندہ رکھ، اور جسے وفات دے اسے ایمان پر وفات دے۔

# نابالغ کے لئے

نابالغ لڑکے کے لئے یہ دعاء پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطاً وَّاجْعَلْہُ لَنَا اَجْراً وَّذُخْراً وَّاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعاً وَّمُشَفَّعاً.

(مصنف عبدالرزاق ۵۲۹/۳، بیہقی وغیرہ)

اے اللہ! اس بچے کو ہمارے لئے پہلے سے پہونچا ہوا ثواب کردے اور اسے ہمارے لئے ذخیرہ وسببِ اجر بنادے اور اے اللہ! اس کو ہمارے لئے شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا ہوا بنادے۔

نابالغ لڑکی کے لئے بھی یہی دعاء پڑھنا ہے بس فرق یہ ہے کہ مذکر کی ضمیروں وصیغوں کو مونث سے بدل دینا ہے یعنی اِجْعَلْہُ کو اِجْعَلْھَا اور شَافِعاً وَّ مُشَفَّعاً کی جگہ شَافِعَۃً وَّمُشَفَّعَۃً کہنا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

# نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ؟

نمازِ جنازہ صورتاً نماز ہے مثلاً اس کے لئے وضو کرنا ہوتا ہے، تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھنی ہوتی ہے، استقبالِ قبلہ اور سترِ عورت شرط ہے، مگر حقیقت میں یہ نماز نہیں، اسی لئے اس میں رکوع اور سجدہ بھی نہیں، بلکہ مُردہ کے لئے دعاء اور استغفار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا صلیتم علیٰ المیت فاخلصوا له الدعاء (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۸، ابن ماجہ ص ۱۰۹)

جب تم میت کی نمازِ جنازہ پڑھو تو اس کے لئے خلوص کے ساتھ دعاء کرو۔

علامہ ابن قیم حنبلیؒ فرماتے ہیں:

ومقصود الصلوٰة علیٰ الجنازة هو الدعاء للمیت. (زادالمعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

نمازِ جنازہ کا مقصد مردہ کے لئے دعاء ہی کرنا ہے۔

چونکہ نمازِ جنازہ اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے دعاء ہے، نماز نہیں، اس لئے نماز کی طرح اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی ہے اور جن روایتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے وہ سنداً ضعیف ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

ویذکر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه امران یقرأ علیٰ الجنازة بفاتحة الکتاب ولایصح اسنادهٗ.

(زادالمعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

ذکر کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔

اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔ مدوّنہ کبریٰ میں ہے:

قلت لابن القاسم أی شئ یقال علیٰ المیت فی قول مالک قال الدعاء للمیت قلت فهل یقرأ علیٰ الجنازة فی قول مالک قال لا.

(ج ۱ ص ۱۵۸)

میں نے ابن القاسمؒ سے کہا کہ امام مالکؒ کے نزدیک مردہ پر کیا پڑھا جائے؟ فرمایا مردہ کے لئے دعاء، میں نے عرض کیا کہ کیا امام مالکؒ کے قول میں نمازِ جنازہ میں قرأت ہے؟ فرمایا نہیں۔

چنانچہ ابن وہبؒ نے بہت سے اکابر صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت فضالہ بن عبیدؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت واثلہ بن

اشجعؓ، اور اکابر تابعین مثلاً قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، سعید بن المسیبؒ، عطاء بن ابی رباح، یحییٰ بن سعیدؒ کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے اور امام مالکؒ نے بھی اس کے معمول بہا ہونے کا انکار کیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

اور ظاہر ہے کہ قرأت میں سورۂ فاتحہ کی قرأت بھی شامل ہے اور نماز جنازہ میں قرأت نہ ہونے کی اصل وجہ وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی یعنی نماز جنازہ کا حقیقت میں نماز نہ ہونا بلکہ دعاء للمیت ہونا۔ اگر نماز جنازہ اصل میں نماز ہوتی تو اس میں قرأت بھی ہوتی، چونکہ اصل میں یہ نماز نہیں صرف صورۃً نماز ہے اس لئے اس میں قرأت نہیں۔ اگر نماز جنازہ کو حقیقت میں نماز قرار دیا جائے تو یہ میت پرستی کے مشابہ ہو جائے گی، کیوں کہ مردہ سامنے ہوتا ہے اور اس کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا جاتا ہے حقیقت یہی ہے کہ یہ نماز نہیں صرف دیکھنے میں نماز کی طرح ہے اور دراصل یہ مردہ کے لئے دعائے مغفرت ہے۔

البتہ سورۂ فاتحہ کے مضامین چونکہ حمد وثنا اور دعاء پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بلا نیت قرأت، صرف حمد وثنا اور دعاء کے ارادہ سے سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو گنجائش ہے۔

## غائبانہ نمازِ جنازہ

نماز جنازہ کے لئے ضروری ہے کہ میت، جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے موجود ہو لیکن اگر میت سامنے موجود نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں۔

غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلے میں حبشہ کے نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ پر قیاس صحیح نہیں کیوں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور کئی ایسے وجوہ موجود ہیں جو اسے ایک مخصوص واقعہ قرار دیتے ہیں مثلاً یہی کہ بہت سے اکابر صحابہؓ کی وفات یا شہادت کے واقعات پیش آئے اور بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر بھی ہوئی مگر آپؐ

نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی مثلاً قرّاءِ صحابہ میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت، جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب تھے، ان کی شہادت کی اطلاع حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ حضورؐ کو ملی مگر آپ نے نہ خود غائبانہ نماز جنازہ پڑھی نہ صحابہؓ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہی پڑھ لیں۔

حضورؐ کی وفات کے بعد خلفائے اربعہؓ کی وفات وشہادت کے واقعات پیش آئے اور ظاہر ہے کہ صحابۂ کرامؓ میں ان چاروں سے بڑھ کر کون تھا؟ مگر کہیں پر بھی ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، حالانکہ سارے صحابہؓ جنازہ کے وقت موجود نہ تھے، بہت سے غیر حاضر اور غیر موجود بھی تھے مگر غیر موجود صحابہ نے اطلاع ملنے پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کی خاص وجہ یہ ہے کہ نجاشی کی میت، بطور معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دی گئی تھی اور درمیانی حجابات اٹھا دیئے گئے تھے، جیسا کہ معراج سے واپسی کے بعد کفار کے سوالات پر بیت المقدس حضورؐ کے سامنے کر دیا گیا اور حجابات اٹھا دیئے گئے (تمہید لابن عبدالبر) اور ظاہر ہے کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی کہ نظروں سے اوجھل چیز، بطور معجزہ نظروں کے سامنے آ گئی۔

جنازہ میں شریک صحابۂ کرامؓ کو بھی محسوس ہونے لگا تھا کہ جنازہ حضورؐ کے سامنے موجود ہے چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان اخاكم النجاشي قدمات فصلوا عليه فقام فصففنا خلفه فكبر عليه اربعاً ومانحسب الجنازة الابين يديه. (ابن حبان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی نمازِ جنازہ پڑھو، پس ہم حضورؐ کے پیچھے صف لگا کر کھڑے ہو گئے حضورؐ نے چار تکبیریں کہیں اور ہم یہی گمان کرتے تھے کہ جنازہ حضورؐ کے سامنے ہے۔

مسند ابی عوانہ میں ہے:

فصلّینا خلفه ونحن لانری الا ان الجنازة قدّامنا.

ہم نے حضورؐ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی اور ہم یہی سمجھتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

## نجاشیؒ کی غائبانہ نمازِ جنازہ کی مصلحت

حضرت اصحمہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ سے زیادہ سے زیادہ ایک بات یہ ضرور ظاہر ہوئی کہ اگر کوئی مسلمان ایسے علاقے میں انتقال کر جائے جہاں اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی، تو ایسے شخص کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا مسنون ہے، چونکہ شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشیؒ جہاں فوت ہوئے تھے وہاں کوئی اور مسلمان نہ تھا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه وخرج الیٰ المصلی فصف بهم وکبّر علیه اربع تکبیرات.

(بخاری ۱/۱۶۷، مسلم ۱/۳۰۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نجاشی کے فوت ہوجانے کی خبر اسی دن دی، جس دن وہ فوت ہوئے تھے، پھر آپ نے باہر نکل کر صف بندی کی اور چار تکبیریں کہہ کر نماز پڑھائی۔

جن کی نماز جنازہ ہوچکی ہو، ان کی دوبارہ غائبانہ نمازِ جنازہ، نجاشیؒ کے واقعہ پر قیاس کرتے ہوئے درست نہیں۔

زادالمعاد میں ہے:

الصواب ان الغائب اذامات ببلد لم یصل علیه فیه صلی علیه صلوة

صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے شہر میں فوت ہو جہاں اس کی نماز جنازہ نہیں

الغائب كما صلى النبى صلى الله عليه وسلم على النجاشى لأنه مات بين الكفار ولم يصل عليه وان من صلى عليه حيث مات لم يصل عليه صلوٰة الغائب لان الفرض قد سقط بصلوٰة المسلمين.

(ج۱/۵۲۰)

پڑھی گئی، تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، چونکہ نجاشی کفار کے علاقے میں فوت ہوئے تھے، جہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی، البتہ جس شخص کا جنازہ پڑھا جاچکا ہو، اس کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، کیوں کہ مسلمانوں کے پڑھ لینے سے مقصد پورا ہوگیا، اور غرض ساقط ہوگئی۔

## مسجد میں نمازِ جنازہ؟

نمازِ جنازہ مسجد میں نہ پڑھی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے:

عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى علىٰ جنازة فى المسجد فليس له شئ. (ابن ماجہ ص۱۱۰، ابوداؤد ج۲ ص۱۰۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہے (یعنی نہ نماز ہوئی نہ اجر وثواب ملا)

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد ج۱ ص۱۴۰ پر اس حدیث کی تصحیح وتوثیق کی ہے اور لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور عادتِ مبارکہ خارجِ مسجد، نماز جنازہ پڑھنے کی تھی۔

# نوافل

## تہجد

نمازِ تہجد ادا کرنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ مختلف تھی، کبھی آپ نے چار رکعتیں پڑھیں، کبھی چھ، کبھی آٹھ، کبھی دس۔ لیکن اکثر معمول آٹھ رکعت کا تھا۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۹۳، بخاری ج ا ص ۱۵۴، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۹۲)

خواہ دو، دو رکعتیں پڑھی جائیں یا چار چار، ہر طرح جائز ہے، لیکن مستحب دو، دو رکعت ہے۔ (ترمذی ج ا ص ۵۸) نمازِ تہجد کا وقت عشاء کے بعد ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آدھی رات گزرنے کے بعد پڑھے، مسنون طریقہ یہ ہے کہ عشاء پڑھ کر سو رہے، پھر اٹھ کر تہجد ادا کرے، تہجد پڑھنے کی صورت میں تین رکعات وتر بھی تہجد کے ساتھ ہی ادا کرنا سنت ہے، (بخاری ج ا ص ۱۵۴، مسلم ج ا ص ۲۵۸) لیکن اگر وتر عشاء کے ساتھ ادا کر چکا ہو تو اب تہجد کے ساتھ دوبارہ نہ پڑھے، کیوں کہ ایک ہی رات میں دوبار وتر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی ج ا ص ۶۲)

نمازِ تہجد کا بہت ثواب ہے، یہ اتقیاء اور ابرار کی پہچان ہے، صالحین کا شیوہ ہے، نیک بندوں کے معمولات میں سے ہے، نمازِ تہجد کا وقت، ایسا وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی رحمت خصوصی طور پر بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے، دعاؤں کی مقبولیت کا وقت ہوتا ہے۔

# نمازِ اشراق

سورج کے اچھی طرح طلوع ہو جانے کے بعد دو رکعت یا چار رکعت نماز پڑھے، یہ نماز اشراق کہلاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

من صلى الغداة فى جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تامة تامة تامة. (ترمذی ۱/۱۳۰)

جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی، پھر بیٹھا رہا، اللہ کو یاد کرتا رہا، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوگیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی، اسے ایک حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا یہ ثواب پورا پورا ملے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ نماز فجر کے بعد مسجد سے سورج طلوع ہونے کے بعد نکلتے تھے۔

عن جابر بن سمرة قال كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا صلى الفجر قعد فى مصلاه حتى تطلع الشمس. (ترمذی ۱/۱۳۰)

جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر ادا کرتے تو اپنی نماز کی جگہ سورج کے نکلنے تک بیٹھے رہتے۔

حضرت جابرؓ کی ہی دوسری روایت میں ہے:

كان لايقوم من مصلاه الذى يصلى فيه الصبح اوالغداة حتى تطلع الشمس فاذا طلعت الشمس قام.

حضورؐ اپنی اس جگہ سے نہیں اٹھتے تھے جہاں صبح کی نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ سورج نکل آتا۔ جب سورج نکل آتا تو

اُٹھ جاتے۔ (مسلم ۱/۲۳۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ جب سورج اپنے مطلع سے ایک نیزہ یا دو نیزہ کے بقدر ڈھل جاتا (یعنی بلند ہو جاتا) جتنا کہ عصر کے وقت ڈوبنے کی جگہ سے بلند ہوتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھتے تھے، پھر آپ انتظار کرتے اور جب چاشت کا وقت ہو جاتا تو آپ چار رکعت پڑھتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۸۲)

جو نماز پہلے ادا فرماتے تھے وہ نماز اشراق ہوتی تھی اور بعد والی نماز چاشت۔

بہر حال نماز اشراق اور نماز چاشت میں یہ فرق نکلا کہ نماز فجر ادا کرنے کے بعد اسی جگہ بیٹھا رہے، ذکر و تلاوت وغیرہ کرتا رہے، دنیاوی بات چیت نہ کرے، جب سورج اچھی طرح نکل جائے تو دو یا چار رکعت پڑھ لے تو یہ نماز اشراق ہے، اور مسجد سے نکلنے کے بعد، اچھی خاصی دیر ہو جانے، اور اپنی ضروریات میں مشغول ہو جانے کے بعد لیکن زوال سے پہلے پہلے دو رکعت یا چار رکعت یا آٹھ رکعت یا بارہ رکعت جو ادا کی جائے وہ نماز چاشت (ضحیٰ) ہے۔

نماز اشراق کے بارے میں جو تفصیل اور وضاحت پیش کی گئی ہے، وہ احادیث بالا سے ظاہر ہے، نماز چاشت (ضحیٰ) کی تفصیل آگے آرہی ہے خصوصاً فتحِ مکہ کے موقع پر آپ نے جس وقت نماز چاشت ادا کی ہے اس نے نماز چاشت کو بہت حد تک متعین کر دیا ہے۔

اسی طرح حضرت زید بن ارقم کی یہ روایت بھی چاشت کے وقت کو متعین کر رہی ہے:

| | |
|---|---|
| عن زید بن ارقم انه رأی قوماً یصلون من الضحیٰ فقال لقد علموا ان الصلوٰة فی غیر هذه | حضرت زید بن ارقمؓ نے کچھ لوگوں کو نماز چاشت (ضحیٰ) پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''یہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ نماز اس |

السـاعة افضل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال صلوٰة الأوابين حين ترمض الفصال.

(مسلم ۱/۲۵۷، مشکوٰۃ ۱۱۶/۱)

وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں پڑھنا افضل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ الاوابین اُس وقت ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں ریت میں گرم ہونے لگیں۔

# نمازِ چاشت (ضحیٰ)

نماز چاشت (ضحیٰ) دو، چار، آٹھ، بارہ، ہر طرح مروی ہیں، نماز چاشت کا وقت سورج میں گرمی آجانے کے بعد زوال سے قبل ہے۔

عن ابی ذر عن النبی ﷺ انه قال يصبح على كل سلامى من احدكم صدقة فكل تسبيحة صدقة وكل تحميدة صدقة وكل تهليلة صدقة وكل تكبيرة صدقة وأمر بالمعروف صدقة ونهى عن المنكر صدقة و يجزئ من ذالک رکعتان یرکعهما من الضحىٰ. (مسلم ۱/۲۵۰)

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر صبح تمہارے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوجاتا ہے، سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، نیکی کی ترغیب دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، اور چاشت (ضحیٰ) کی دو رکعتیں ان سب کی طرف سے کافی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

اوصانى خليلى بثلاث بصيام ثلاثة ايام من كل شهر وركعتى الضحى وان اوتر قبل ان ارقد.

(حوالۂ مذکورہ)

میرے خلیل نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی، ہر مہینے میں تین دن کا روزہ رکھنے کی۔ اور چاشت کی دو رکعت پڑھنے کی، اور یہ کہ میں وتر پڑھوں، سونے سے پہلے پہلے۔

مسلم کے اسی صفحہ پر حضرت ابودرداء سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے چاشت (ضحیٰ) کی دو رکعتوں کی پابندی کی اس کے سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (ترمذی ۱/۱۰۸)

حضرت ابوذر اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ابن اٰدم ارکع لی اربع رکعات من اول النهار اكفك اٰخره. (ترمذی ۱/۱۰۸)

اے ابنِ آدم! دن کے شروع میں میرے لئے چار رکعت پڑھ لیا کر، میں دن کے آخر تک تیرا ذمہ دار رہوں۔

حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ چاشت (ضحیٰ) کتنی رکعت پڑھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا:

اربع رکعات ويزيد ما شاء. (مسلم ۱/۲۴۹)

چار رکعات۔ اور بڑھادیتے تھے جتنا چاہتے تھے۔

حضرت امّ ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت (ضحیٰ) آٹھ رکعات پڑھی تھی، دن چڑھنے کے بعد آپ حرم میں تشریف لائے، پہلے غسل فرمایا پھر آٹھ رکعات نماز پڑھی۔ (مسلم ۱/۲۴۹)، ترمذی ۱/۱۰۸)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صلى الضحى ثنتى عشرة ركعة بنى الله له قصراً فى الجنة من ذهب. (ترمذی ۱/۱۰۸)

جس نے نماز چاشت بارہ رکعتیں پڑھیں، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاشت کی نماز پڑھنے لگتے تو (اتنا لگاتار اور پابندی سے پڑھتے کہ) ہم کہنے لگتے اب آپؐ اس نماز کو چھوڑیں گے نہیں۔ اور جب چھوڑ دیتے تو اس طرح چھوڑ دیتے کہ ہم کہتے کہ اب آپؐ یہ نماز پڑھیں گے نہیں۔ (ترمذی ۱/۱۰۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے پتہ چلا کہ نماز چاشت (ضحیٰ) نفل ہے، پڑھنا شروع کردینے کے بعد چھوڑ دینے کی بھی گنجائش ہے، پڑھنا اور چھوڑ دینا دونوں جائز ہے، پڑھنے کا ثواب پچھلی احادیث سے معلوم ہو چکا، چھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں، کیوں کہ یہ نفل نماز ہے۔

احادیثِ مذکورہ سے اس نماز کی تعداد رکعات کا بھی علم ہوگیا، اس نماز کا ایک دوسرا نام صلوٰۃ الاوابین (اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی نماز) ہے۔ (مستدرک حاکم حدیث ۱۲۲۳، مسلم ۱/۲۵۷، مشکوٰۃ ۱/۱۱۶)

## نمازِ اوّابین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| من صلى بعدالمغرب ست ركعات لم يتكلم فيها بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتى عشرة سنة. (ترمذی ۱/۹۸) | جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھیں اور اس کے درمیان کوئی غلط بات نہیں کہی، تو یہ رکعتیں بارہ سال عبادت کرنے کے برابر ہو جائیں گی۔ |

یہ چھ رکعتیں تین سلام سے پڑھی جائیں گی۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

رأيت حبيبى رسول الله ﷺ میں نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو

یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال من صلی بعد المغرب ست رکعات غفرت له ذنوبه وان کانت مثل زبد البحر.
(مجمع الزوائد ۲/۲۳۸)

مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور آپ نے فرمایا جس شخص نے مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھی، اس کے سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک فرشتے ان لوگوں کو گھیر لیتے ہیں جو

یصلون بین المغرب والعشاء وہی صلوۃ الأوابین. (شرح السنۃ ۳/۴۷۴، کنزل العمال ۸/۳۵)

مغرب اورعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں اور یہ صلوٰۃ الاوابین ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مغرب کے بعد والی یہ چھ رکعات صلوٰۃ الاوابین ہے۔ جب کہ مسلم شریف اور مستدرک حاکم وغیرہ کی روایات میں نماز چاشت کو صلوٰۃ الاوابین کہا گیا ہے۔

اصل میں اوّاب کے معنیٰ ہیں ''بہت رجوع ہونے والا، بہت توبہ کرنے والا'' اوّاب کی جمع اوّابین ہے، صلوٰۃ الاوّابین کا معنیٰ ہوا۔ ''اللہ کی طرف رجوع ہونے والوں اور توبہ کرنے والوں کی نماز۔

چاشت کا وقت اور نمازِ مغرب کے بعد کا وقت عام طور پر کام میں مصروف رہنے اور غفلت کا وقت ہوتا ہے، یا اس وقت کچھ لوگ آرام کرتے ہوتے ہیں، کام میں لگے نہیں ہوتے، گویا ایک طرح سے اپنی ہی فکر ہوتی ہے، اللہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی، ایسے وقت میں اگر کوئی اللہ کے لئے نماز پڑھے تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع ہونے والا ہوا، اَوّاب ہوا۔ اس کی نماز کو اوّابین کی نماز کہنا بالکل مناسب اور صحیح ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دونوں نمازیں اوّابین کی نمازیں ہیں، ایک دن کی نماز اوّابین ہے

یعنی نماز چاشت، دوسری رات کی نمازِ اوّابین ہے، بعد مغرب۔

آیتِ کریمہ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدہ:۱۶) ''ان کے پہلو سونے کی جگہ سے جدا رہتے ہیں۔'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ان صحابہؓ کی تعریف میں نازل ہوئی جو مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھتے تھے (زادالمسیر ۶/۲۳۹)

محمد بن نصر مروزیؒ نے قیام اللیل ص ۵۶ پر بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل نقل کیا ہے جو اس وقت نوافل پڑھتے تھے۔

## صلوٰۃ التسبیح

صلوٰۃ التسبیح چار رکعات ہے ایک سلام سے، ہر رکعت میں پچہتر مرتبہ تسبیح سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھنا چاہئے۔

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعات کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ ثنا پڑھنے کے بعد پندرہ مرتبہ مذکورہ بالا تسبیح پڑھے، پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی سورہ پڑھے اس کے بعد دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھے، پھر رکوع کرے، رکوع میں یہی تسبیح دس بار، پھر قومہ میں دس بار، پھر دونوں سجدوں میں اور دونوں سجدوں کے درمیان دس، دس بار پڑھے، ایک رکعت ہوگئی، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے پندرہ مرتبہ اور سورۂ فاتحہ و سورہ پڑھ کر دس مرتبہ، پھر پہلی رکعت کی طرح بقیہ مقامات میں دس دس مرتبہ، اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعات بھی پڑھنی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ ثنا کے بعد یہ تسبیح نہ پڑھے بلکہ سورۂ فاتحہ اور سورہ کے بعد پندرہ مرتبہ، پھر رکوع، قومہ، دونوں سجدہ و جلسہ میں دس دس مرتبہ، اور دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر دس مرتبہ، اسی طرح دوسری رکعت میں بھی التحیات کے بعد دس مرتبہ اور ایسے ہی تیسری میں دوسرا سجدہ کرکے بیٹھ کر دس مرتبہ اور چوتھی رکعت میں درود شریف کے بعد دس مرتبہ۔

یہ دونوں طریقے ترمذی ج ۱ ص ۶۳ و ۶۴ پر موجود ہیں جس کا جی چاہے جس طرح

پڑھے ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ ہونی چاہئیں اور چاروں رکعتوں میں تین سو مرتبہ۔

## تحیۃ المسجد

یہ نماز اس شخص کے لئے مسنون ہے جو مسجد میں داخل ہو، مسجد میں آنے کے بعد بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنی ہے بشرطیکہ کوئی مکروہ وممنوع وقت نہ ہو۔

(بخاری ۱/۶۲، مسلم ج ۱ ص ۲۴۸)

## تحیۃ الوضو

تحیۃ الوضو دو رکعت ہے وضو کرنے کے بعد پڑھنی ہے، اچھی طرح سنت کے مطابق وضو کرنے کے بعد اگر یہ دو رکعتیں پڑھی جائیں تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (مسلم ۱/۱۲۰، نسائی ۱/۳۶)

## نمازِ حاجت

جس شخص کو کوئی ضرورت پیش آئے خواہ دینی ہو یا دنیاوی، اسے چاہئے کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت صلوٰۃ الحاجہ پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کر کے درود شریف پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے:

| | |
|---|---|
| لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَاتَدَعْ لِيْ | اللہ حلیم وکریم کے سوا کوئی معبود نہیں، پاک ہے اللہ کی ذات جو کہ عرش عظیم کا رب ہے، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے عالم کا پالنے والا ہے۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری رحمت کو واجب کرنے، اور تیری بخشش کو لازم کرنے والی چیزوں کا اور ہر نیکی سے حصہ اور ہر گناہ |

ذَنۡبًا اِلَّا غَفَرۡتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجۡتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيۡتَهَا يَا اَرۡحَمَ الرّٰاحِمِيۡنَ.

(ترمذی ج ا ص ۶۳، ابن ماجہ ص ۱۰۰)

سے سلامتی کا، اے اللہ! کسی گناہ کو بخشے بغیر، کسی غم کو دور کئے بغیر اور کوئی حاجت جو تیری رضا کا سبب ہو، پورا کئے بغیر نہ چھوڑ، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

## نمازِ استخارہ

اگر کوئی کام پیش آجائے مگر اس کے کرنے یا نہ کرنے میں تردد ہو اور فیصلہ نہ کر سکے کہ اسے کروں یا نہ کروں، یا ابھی کروں یا کچھ دن بعد۔ تو دو رکعت نمازِ استخارہ پڑھے پھر یہ دعاء پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيۡ اَسۡتَخِيۡرُكَ بِعِلۡمِكَ وَاَسۡتَقۡدِرُكَ بِقُدۡرَتِكَ وَاَسۡئَلُكَ مِنۡ فَضۡلِكَ الۡعَظِيۡمِ فَاِنَّكَ تَقۡدِرُ وَلَا اَقۡدِرُ وَتَعۡلَمُ وَلَا اَعۡلَمُ وَاَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ اَللّٰهُمَّ اِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّ هٰذَا الۡاَمۡرَ خَيۡرٌ لِّيۡ فِيۡ دِيۡنِيۡ وَمَعَاشِيۡ وَعَاقِبَةِ اَمۡرِيۡ وَفِيۡ عَاجِلِ اَمۡرِيۡ وَاٰجِلِهٖ فَاقۡدِرۡهُ لِيۡ وَيَسِّرۡهُ لِيۡ ثُمَّ بَارِكۡ لِيۡ فِيۡهِ وَاِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّ هٰذَا الۡاَمۡرَ شَرٌّ لِّيۡ فِيۡ دِيۡنِيۡ وَمَعَاشِيۡ وَعَاقِبَةِ اَمۡرِيۡ وَفِيۡ عَاجِلِ اَمۡرِيۡ وَاٰجِلِهٖ فَاصۡرِفۡهُ عَنِّيۡ وَاصۡرِفۡنِيۡ عَنۡهُ

اے اللہ! میں تیرے علم کی مدد سے تجھ سے بھلائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت کی مدد سے طاقت مانگتا ہوں۔ اور تیرے بڑے فضل کا سوال کرتا ہوں، بیشک تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا، تو جانتا ہے میں نہیں جانتا، تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا کہ یہ کام (اس جگہ کام کا نام لے مثلا ھـٰذا البیع یہ خرید وفروخت یاھـٰذا النکاح یہ نکاح وغیرہ وغیرہ) میرے لئے بہتر ہے، میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار میں، اور میری دنیا اور

وَاقْدِرْلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ.

(ترمذی ج ۱ ص ۱۳، ابن ماجہ ۹۹)

میری آخرت میں، تو اسے میری قدرت میں دیدے اور اسے میرے لئے آسان کردے، پھر اس میں میرے لئے برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام بُرا ہے میرے لئے میرے دین، میری زندگی، میرے انجام کار اور میری دنیا وآخرت میں، تو اُس کو مجھ سے اور مجھ کو اس سے پھیردے، اور میرے لئے بھلائی مہیا کردے جہاں کہیں ہو پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کردے۔

پھر جس طرف رجحان پیدا ہو، وہ کام کرے۔

## نمازِ توبہ

اگر کسی سے کوئی گناہ صادر ہوجائے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر صدق دل سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخشدے گا۔

(ترمذی ج ۱ ص ۵۴، ابن ماجہ ص ۱۰۱)

ارشادِ ربّانی ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوْا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّااللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَافَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ اُوْلٰئِکَ جَزَاءُ ھُمْ مَغْفِرَۃٌ

اور وہ لوگ، کہ جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کریں یا اپنے نفسوں پر ظلم کریں، پس اللہ کو یاد کرتے ہوئے اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہیں، اور گناہوں کو اللہ کے سوا کون معاف کرسکتا ہے؟ اور کئے پر جان

مَنْ رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا .
(آلِ عمران- ۱۳۵ و ۱۳۶)

بوجھ کر ڈٹے نہیں رہے، وہی لوگ ہیں کہ ان کی جزاء مغفرت ہے، اُن کے پروردگار کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

## نمازِ سفر

سفر میں جاتے وقت اور واپس آنے پر دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔
(مسلم ج ۱ ص ۲۴۸ و طبرانی)

## نمازِ احرام

حج کا احرام باندھتے وقت دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۶۲)

## نمازِ قتل

اگر کوئی مسلمان قتل کیا جا رہا ہو تو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ لے اور توبہ واستغفار کرے۔ (مشکوٰۃ)

## نمازِ کسوف وخسوف

سورج گرہن کو کسوف اور چاند گرہن کو خسوف کہتے ہیں، دونوں کے لئے دو، دو رکعات مسنون ہے، اور دونوں کے ہی پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو دیگر نمازوں کا ہے۔
(آثار السنن ج ۲ ص ۱۱۱، بخاری ج ۱ ص ۱۴۱، ابوداؤد ۱۸۵)

نمازِ کسوف جامع مسجد میں با جماعت پڑھی جائے، لمبی سرّی قرأت کے ساتھ، (مسند احمد) اور نمازِ خسوف تنہا تنہا اپنے گھر پڑھنا ہے، دونوں نمازوں کے بعد دعاء مانگی

جائے، نمازِ کسوف میں امام دعاء مانگے بقیہ لوگ آمین کہیں اور خسوف میں تنہا تنہا دعاء مانگیں، جیسے نماز تنہا تنہا پڑھی جاتی ہے۔

## آندھی، مصیبت یا رنج وغم کے وقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ اگر آندھی آتی یا کوئی اور مصیبت وپریشانی ہوتی تو نماز میں مشغول ہوجاتے تھے۔ (ابوداؤد ج۱ص۱۸۵)

## استسقاء

استسقاء یعنی طلب باراں کے لئے نماز مخصوص نہیں، نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے اور یوں ہی دعاء واستغفار بھی کیا جاسکتا ہے، بلکہ ایسے موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کرنا ہی زیادہ مروی ہے۔ (بخاری ج۱ص۱۳۶، مسلم ج۱ص۲۹۳) حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی صرف دعاء واستغفار مروی ہے۔

(بخاری ج۱ص۱۳۷، بذل ج۲ص۲۱۲)

قرآن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّاراً یُّرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَاراً. (نوح-۹ و ۱۰)

اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو، بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے، چھوڑ دے گا تم پر آسمان کی دھاریں۔

اگر نماز پڑھنی ہو تو نماز کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا حاکم یا امام مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ آبادی کے باہر آئے، تواضع وانکساری کے ساتھ، کفار ساتھ میں نہ ہوں۔ اور امام دو رکعت نماز پڑھائے اور جہری قرأت کرے اور نمازِ عید کی طرح خطبہ بھی دے اور استغفار کرے اور استسقاء کی دعائیں پڑھے۔

مثلاً یہ دعاء:

اَللّٰهُمَّ اَسْقِ عِبَادَکَ وَبَهِيْمَتَکَ وَ انْشُرْ رَحْمَتَکَ وَاَحْيِ بَلَدَکَ الْمَيِّتِ. (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۲، مؤطا امام مالک ص ۷۲)

اے اللہ! سیراب کر اپنے بندوں کو اور اپنے جانوروں کو اور پھیلا دے اپنی رحمت، اور زندہ کر اپنے مردہ شہر کو۔

اور امام اپنی چادر یا رومال کو پلٹے، نہ کہ مقتدی، چادر پلٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوپر کے حصہ کو اندر کر دے، اور اندر کے حصہ کو اوپر۔ (ابوداؤد ج ۱/ ۱۸۰)

# نمازِ خوف

نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں، میدانِ جنگ میں عین لڑائی کے وقت بھی نماز پڑھنی ہے۔ البتہ اس کا طریقہ بدلا ہوا ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کی فوج کے دو حصے ہو جائیں، ایک حصہ امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھے، دوسرا حصہ دشمن کے مقابلہ پر کھڑا رہے، پھر نماز پڑھنے والا حصہ، اپنی آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلے پر کھڑا ہو جائے اور جو حصہ پہلے سے دشمن کے مقابلہ پر کھڑا تھا، وہ آ کر امام کے ساتھ بقیہ آدھی نماز پڑھے، پھر امام سلام پھیر دے گا اور دونوں جماعتیں اپنی اپنی باقی ماندہ نماز الگ الگ پوری کریں گی اور اس دوران ہتھیار بھی لئے رہیں گے تا کہ نماز میں مصروف دیکھ کر دشمن حملہ نہ کرد ے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَائِكُمْ وَلْتَاْتِ طَائِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ

اور جب آپ ان میں موجود ہوں، پس ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان میں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ رہے، اور اپنے ہتھیار ساتھ لئے رہے، پس جب یہ سجدہ کر لیں تو آپ کے پاس سے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت آئے جس نے

وَلْيَاخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْتَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً. (نساء- ۱۰۲)

نماز نہیں پڑھی، وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار لئے رہے، کافر چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی حملہ کر دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ:

غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل نجد فوازينا العدو فصافننا لهم فقام رسول الله صلى الله عايه وسلم يصلى لنا فقامت طائفة معه واقبلت طائفة على العدو فركع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمن معه وسجد سجدتين ثم انصرفوا مكان الطائفة التى لم تصل فجآؤا فركع رسول الله صلى الله عليه وسلم بهم ركعة وسجد سجدتين ثم سلّم فقام كل واحد منهم فركع لنفسه ركعه وسجد سجد تين .

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۸)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف غزوہ کیا، جب ہم دشمن کے مقابلے میں صف بستہ کھڑے ہوئے تو (نماز کا وقت آنے پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پس ایک جماعت حضورؐ کے ساتھ کھڑی ہوئی اور ایک جماعت دشمن کے مقابلے پر ڈٹی رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والی جماعت کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کئے، پھر یہ لوگ پہلی جماعت کی جگہ دشمن کے مقابلے پر چلے گئے اور وہ جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی تھی آئی آپؐ نے اس کے ساتھ (دوسری رکعت کا) رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر (تشہد وغیرہ کے بعد) سلام پھیر دیا، پس اُن میں سے ہر ایک جماعت نے رکوع اور دو

سجدے کر کے اپنی اپنی (ایک اور) رکعت
پوری کی۔

یہ ایک ایک رکعت پڑھانے کا تذکرہ اُس صورت میں ہے جب امام اور مقتدی سب کے سب مسافر ہوں اور چار رکعات یا دو رکعات والی نماز ہو، اور اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعات پڑھائے گا، اور مغرب کی نماز پہلی جماعت کو دو رکعات، اور دوسری کو ایک رکعت پڑھائے۔

اگر اس طرح بھی نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اور گھمسان کی جنگ جاری ہو، تو بلا جماعت تنہا تنہا نماز پڑھی جائے گی، پیدل، سوار جو جس حالت میں ہو اسی طرح پڑھے، قبلہ کی طرف رخ ہو سکے تو قبلہ کی طرف کرے، ورنہ جدھر رخ ہو سکے اسی طرف رخ کر کے پڑھ لے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُكْبَانًا. — پس اگر تم ڈرو، تو پیادہ پڑھ لو یا سوار ہو کر۔
(بقرہ- ۲۳۹)



# نماز کے متفرق مسائل

## بیٹھ کر نماز پڑھنا

قیام پر قدرت رکھنے کے باوجود فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ اور نوافل بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے مگر ثواب آدھا ملے گا، حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے:

سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلوٰة الرجل قاعداً فقال ان صلى قائماً فهو افضل ومن صلى قاعداً فله نصف اجر القائم.

(بخاری ج ۱ ص ۱۵۰، مؤطا امام مالک ص ۴۸ عن انسؓ)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو یہ زیادہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے گا، اُسے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کا آدھا ثواب ملے گا۔

جن نوافل کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، وہ حضورؐ کی خصوصیت تھی، حضورؐ کو پوری نماز کا ثواب ملتا تھا، مگر ہم بیٹھ کر پڑھیں گے تو آدھا ثواب ملے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓو فرماتے ہیں:

حدثت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال صلوٰة الرجل قاعداً نصف الصلوٰة فاتيته يصلى جالساً

مجھ سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز کا ثواب رکھتی ہے، پس

فوضعت یدی علیٰ رأسه فقال مالک یاعبدالله بن عمرو قلت حدثت یارسول الله صلی الله علیه وسلم انک قلت صلوٰة الرجل قاعداً نصف الصلوٰة وانت تصلی قاعداً قال اجل ولکنی لست کاحد منکم. (ابوداؤد ج۱ص۱۵۳)

میں حضورؐ کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے اپنا ہاتھ حضورؐ کے سر پر رکھ دیا، حضورؐ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! مجھ سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا، نصف نماز کا ثواب رکھتا ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں (یعنی مجھے بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی پورا ثواب ملتا ہے)

## جس نے رکوع پالیا، رکعت پالی

حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا اتی احدکم الصلوٰة والامام علیٰ حال فلیصنع کما یصنع الامام (ترمذی ج۱ص۷۶)

جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہی کرے جو امام کر رہا ہے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

والعمل علیٰ هذا عند اهل العلم قالوا اذاجاء الرجل والامام ساجداً فلیسجد ولا تجزئه تلک الرکعة

اہل علم کے نزدیک عمل اسی حدیث پر ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کو سجدہ میں پائے اسے چاہئے کہ وہ بھی سجدہ میں چلا جائے،

اذا فاته الرکوع مع الامام.

(حوالہ مذکورہ)

لیکن اگر امام کے ساتھ رکوع نہ پاسکا تو وہ رکعت اس کے لئے کافی نہ ہوگی۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا جئتم الیٰ الصلوٰة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا ومن ادرک الرکعة فقد ادرک الصلوٰة.

(ج۱ص۱۴۵)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہمیں سجدہ میں پاؤ تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ، لیکن اسے کچھ شمار نہ کرنا، اور جس نے رکوع پالیا اس نے نماز پالی۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں:

الذی علیه الجمهور انه اذا ادرک الامام قبل ان یرفع رأسه من الرکوع ورکع معه فهو مدرک للرکعة ولیس علیه قضاء ها.

(بدایۃ المجتہد ج۱ص۱۵۸)

جمہور کا قول یہ ہے کہ اگر امام کے سر اٹھانے سے پہلے کوئی شخص امام کو رکوع میں پاجائے تو اس نے رکعت پالی اور اس پر اس رکعت کی قضا نہیں ہے۔

مزید احادیث وآثار کے لئے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۲۴۳، کتاب الآثار لامام محمد ج۱ص۳۴۷۔ اعلاء السنن ۴؍۲۴۴ تا ۲۵۰۔

دار قطنی میں ہے:

من ادرک رکعة من الصلوٰة فقد ادرکها قبل ان یقیم صلبه

(ج۱ص۱۳۲)

جس نے نماز کا رکوع پالیا، امام کے اپنی پیٹھ سیدھی کرنے سے پہلے، پس اس نے وہ رکعت پالی۔

# جمع بین الصلوٰتین

دونمازوں کوایک وقت میں جمع کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

**جمع تقدیمی:-** ظہراورعصر دونوں کوظہر کے وقت میں، یا مغرب اورعشاء دونوں کو مغرب کے وقت میں ادا کرنا۔

**جمع تاخیری:-** ظہراورعصر دونوں کوعصر کے وقت میں، یا مغرب اورعشاء دونوں کو عشاء کے وقت میں ادا کرنا۔

**جمع صوری:-** ظہر وعصر اور مغرب وعشاء میں سے ہرنماز کواپنے اپنے وقت میں ادا کرنا لیکن پہلی نماز کومسنون وقت کے بجائے آخری وقت میں، اوردوسری نماز کومستحب وقت کے بجائے بالکل اولِ وقت میں ادا کرنا، لہٰذا دیکھنے والا سمجھے گا کہ اس نے عصر اور ظہر کوایک وقت میں اور مغرب وعشاء کوایک وقت میں ادا کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ ہرنماز اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئی ہے، یہ صورتاً جمع ہے حقیقۃً جمع نہیں۔

میدانِ عرفات میں ظہر اور عصر کوجمع تقدیمی کے ساتھ اورمزدلفہ میں مغرب وعشاء کوجمع تاخیری کے ساتھ ادا کرنا بالاجماع واجب ہے۔
(بخاری ا/۲۲۷، مسلم ا/۳۹۷، نسائی ج اص ۱۰۰)

ان دومقامات کے علاوہ جمع تقدیمی یا جمع تاخیری کی کوئی صورت جائز نہیں۔ ہاں البتہ سفر میں جمع صوری کی اجازت ہے جیسا کہ درج ذیل احادیثِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے۔

۱- عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في السفر يؤخر الظهر ويقدّم العصر يؤخر المغرب ويقدّم العشاء.
(مسند احمد، طحاوی ج اص ۸۰، مستدرک حاکم، آثارالسنن ج ۲ص ۷۳)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر کومؤخر کرتے اورعصر کومقدم کرتے، مغرب کومؤخر کرتے اورعشاء کومقدم کرتے تھے۔

۲- عن ابن عمر نزل غيوب الشفق فصلّى المغرب ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلّىٰ العشاء ثم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا عجل به أمر صنع مثل الذى صنعت.
(ابوداؤد ج۱ص۱۸۷، دارقطنی)

عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ شفق کے غائب ہونے کے وقت قیام کیا پس مغرب پڑھی ، پھرانتظار کیا، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی تو عشاء پڑھی اورفرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کواگرکوئی جلدی کا معاملہ پیش آجاتا تو یہی کرتے جو میں نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہی روایت بخاری ج۱ص۲۳۸ کتاب المناسک سے بھی جمع صوری کی ہی اجازت ملتی ہے نہ کہ جمع تقدیمی یا جمع تاخیری کی، کیوں کہ ہرنماز کا ایک وقت مقرر ہے۔لہٰذااس کواسی کے وقت میں ادا کرنا ہے، نہ پہلے ادا کرنا ہے نہ بعد میں۔

قال ابن مسعود ان اللصلوٰة وقتاً كوقت الحج. (تفسیر ابن کثیر ص۴۳۲)

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ نماز کا ایک وقت ہے، حج کے وقت کی طرح۔

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا. (نساء-۱۰۳)

بے شک نماز مومنوں پرایک وقتِ مقررہ میں فرض کی گئی ہے۔

لہٰذا وقت سے پہلے پڑھی ہوئی نماز نہ ادا ہوگی نہ قضا، اوروقت کے بعدوالی نماز ادا نہ ہوگی ، البتہ قضا کہلائے گی لہٰذا ادا کے لئے ضروری ہے کہ ہرنماز اپنے اپنے وقت میں ہو۔ نیز ملاحظہ ہوسورۂ بقرہ آیت ۲۳۸، سورہ ماعون آیت ۵، اوران دونوں آیتوں کی تفسیر، تفسیرابن کثیرج۱ص۲۱۸وج۳ص۶۸۱۔

عن ابى قتادہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس فى

ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا نیند میں کوتاہی نہیں،

| | |
|---|---|
| النوم تفريط انما التفريط فی اليقظة ان تؤخر صلوٰة حتی يدخل وقت اخریٰ | کوتاہی اور گناہ بیداری میں ہے کہ آدمی نماز کو مؤخر کرے یہاں تک دوسری نماز کا وقت داخل ہوجائے |

(ابوداؤج اص ۷۹، طحاوی ج اص ۸۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مرتبہ ابوشعشاعؒ تابعی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتاتے ہوئے فرمایا:

| | |
|---|---|
| قال صليت مع النبی صلی الله عليه وسلم ثمانيا جميعاً وسبعاً جميعا قلت يااباالشعشاع اظنه اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجّل العشاء قال وانا اظن ذالک. (مسلم ج اص ۲۴۶) | میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، آٹھ رکعت ایک ساتھ اور سات رکعت ایک ساتھ، اے ابوالشعشاع! میرا خیال ہے کہ آپؐ نے ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو مقدم کیا، اور مغرب کو مؤخر کیا، اور عشاء کو مقدم کیا، ابوالشعشاعؒ نے کہا میرا خیال بھی یہی ہے۔ |

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تمام گورنروں کو یہ حکم بھیجا تھا کہ جمع بین الصلوٰتین نہ کریں کیوں کہ

| | |
|---|---|
| الجمع بين الصلوتين فی وقت واحد كبيرة من الكبائر. | ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ |

(مؤطا امام محمد ص ۱۳۲)

## سنّتِ فجر کے بعد لیٹنا؟

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ

میں تہجد اور وتر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے، یہاں تک کہ فجر کا وقت آ جاتا، پھر فجر کی دو رکعت سنت ادا کرتے لیکن ابھی چونکہ جماعت میں وقت زیادہ باقی رہتا اور لوگوں کے آنے کا انتظار رہتا اس لئے رات کے جاگنے اور عبادت میں مصروف رہنے کی وجہ سے کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام کے لئے تھوڑی دیر لیٹ جایا کرتے تھے، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ نہیں لیٹے، بلکہ حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتے رہے۔

بخاری شریف میں حضورؐ کے یہ دونوں معمول بیان کئے گئے ہیں

عن عائشة قالت كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا صلى ركعتى الفجر اضطجع على شقه الايمن.

(بخاری ج ا ص ۱۵۵)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعتیں پڑھ چکتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے:

عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى فان كنت مستيقظة حدثنى والا اضطجع حتىٰ يؤذن بالصلوٰة. (حوالۂ مذکورہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکتے اور میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے گفتگو فرماتے ورنہ لیٹ جاتے یہاں تک کہ نماز کے لئے اذان دی جاتی۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کا باب یوں قائم کیا ہے:

باب من تحدث بعدالركعتين ولم يضطجع.

دو رکعت کے بعد گفتگو کرنے اور نہ لیٹنے کا بیان۔

ویسے احادیث اس میں مختلف ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتِ فجر سے پہلے لیٹتے تھے یا بعد میں، دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں (اوجز ج ا ص ۴۱۴) مگر اس طرح لیٹنے

کا کیا مقصد تھا، حضرت عائشہؓ ہی اسے بھی بیان فرماتی ہیں۔

عن عائشة كانت تقول ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يضطجع لسنة ولكنه كان يدأب من التعب ليقوم للصبح بنشاط.

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۳، بذل ج ۲ ص ۲۶۱ و فتح ج ۲ ص ۲۸۹)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سنت کی وجہ سے نہیں لیٹتے تھے، بلکہ وہ تکان سے آرام حاصل کرتے تھے کہ صبح کی نماز، نشاط کے ساتھ ادا کرسکیں۔

گویا جو شخص، رات، تہجد ونوافل وغیرہ میں گزارے اور صبحِ صادق ہوجائے تو سنتِ فجر پڑھ کر اس طرح لیٹ سکتا ہے۔ تاکہ جسم کو کچھ آرام مل جائے اور نمازِ فجر کے لئے پورا نشاط حاصل رہے۔ لیکن یہ نہیں کہ رات بھر آرام سے خراٹے لیتے رہے اور فجر کے وقت اٹھے، وضو کیا دو رکعت سنت پڑھی اور یکایک زمین پر لیٹ گئے، کس لئے؟ سنت پر عمل کرنے کے لئے؟ حالانکہ سنت پر عمل اُس وقت ہوگا جب ہم بھی رات کو اٹھ کر تہجد وغیرہ پڑھیں اور اسی حال میں صبح صادق کردیں۔ لہٰذا سنت پڑھ کر جماعت کھڑی ہونے سے پہلے بدن کو آرام دینے اور نماز فجر میں چستی اور نشاط پیدا کرنے کے لئے لیٹ جائیں۔ مگر صورتِ حال یہ ہے کہ محنت والا کام ہوتا نہیں اور آرام کرنے کے لئے سنت کا نام لے کر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یعنی میٹھا میٹھا ہَپ ہَپ اور کڑوا کڑوا تھوتھو والا معاملہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے بدعت کہا ہے، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۹) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اس کے قائل نہیں، اور مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اسے ضجعة الشيطان (شیطان کی لیٹ) قرار دیا ہے۔

(کتاب مذکور ۲/۲۴۸)

# مقدارِ تشہد کے بعد حدث

نماز میں خروج بِصُنعِہٖ فرض ہے، یعنی قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کسی اپنے فعل سے نماز سے نکلنا فرض ہے۔ اور ''سلام'' کے ذریعہ نکلنا واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ متعدد احادیثِ کریمہ میں مقدارِ تشہد کے بعد بغیر سلام کسی اور طریقے سے بھی نماز سے نکلنے پر نماز کی تمامیت کا حکم لگایا گیا ہے۔

مثلاً ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عبدالله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قضى الامام الصلوٰة وقعد فأحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوٰة.

(ج ا ص ۱۰۷)

عبداللہ بن عمرؓو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام، نماز پوری کرلے اور قعدہ میں بیٹھ جائے، پھر حدث کردے قبل اِس کے کہ کلام کرے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی اور اس شخص کی بھی نماز مکمل ہوگئی جس نے اس کے پیچھے پوری نماز پڑھی۔

اس حدیث میں امام کے حدث کردینے (بالقصد وضو توڑ دینے پر) امام اور مقتدیوں کی نماز کے تمام ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے، حالانکہ امام لفظ ''سلام'' سے سلام پھیر کر نماز سے نہیں نکلا، معلوم ہوا کہ لفظ ''سلام'' فرض نہیں، خروج بِصُنعِہٖ فرض ہے۔

اس قسم کی احادیث ابوداؤد شریف کے علاوہ ترمذی، بیہقی، دارقطنی اور طحاوی وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بھی مروی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی۔

ایک روایت میں قبل ان یسلّم (سلام پھیرنے سے پہلے) کے الفاظ ہیں۔

حضرت علیؓ کی روایت میں ہے:

| | |
|---|---|
| اذا قعد قدر التشهدثم احدث فقد تمت صلاته. (دار قطنی ص ۱۴۵ وغیرہ) | جب تشہد کی مقدار بیٹھ جائے پھر حدث کردے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ |

لیکن یہ شخص بالقصد ایسا کرنے پر گنہگار ہوگا کیوں کہ اس نے نماز جیسی مہتم بالشان عبادت کو اس کے مخصوص طریقہ کے خلاف ختم کیا، اور ''سلام'' جو واجب تھا، اس کا بھی بالقصد ترک کیا، لہٰذا یہ نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی، حدیث میں جس تمامیت کا ذکر ہے وہ فرضیت کی تمامیت ہے۔ لیکن ترکِ واجب کی وجہ سے وجوب کی تمامیت باقی رہ جائے گی۔ جس کی تکمیل بلا اعادۂ نماز ممکن نہ ہوگی۔ اور گناہ جو ہوگا وہ الگ ہے۔

## قومہ وجلسہ کی دعائیں صرف نوافل کے لئے

بعض احادیثِ کریمہ میں افتتاحِ نماز، قومہ، جلسہ اور رکوع وسجود کے لئے مخصوص دعائیں منقول ہیں، وہ دعائیں نوافل میں پڑھی جائیں گی۔ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی صراحت بھی ہے:

| | |
|---|---|
| عن محمد بن مسلمة قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاقام يصلى تطوعاً قال الله اكبر وجهت وجهى للذى فطر السمٰوٰت والارض حنيفا ومساانا من المشركين...... الخ (نسائی ج ا ص ۱۴۳) | محمد بن مسلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نفل کے لئے کھڑے ہوتے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر یہ دعا پڑھتے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِيْفاً وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ الخ |

کیوں کہ نوافل، آدمی تنہا پڑھتا ہے لہٰذا جتنا چاہے طول دے، لیکن فرائض

جماعت کے ساتھ پڑھنا ہیں، لہٰذا مقتدیوں کے حال کی رعایت ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اِن دعاؤں کے پڑھنے سے نماز لمبی ہوجائے، مقتدیوں کو اکتاہٹ یا گھبراہٹ ہو، بوڑھوں اور مریضوں کو پریشانی لاحق ہونے لگے، کوئی آدمی اپنا کوئی خاص کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہو، نماز لمبی ہونے کی وجہ سے اُسے الجھن پیدا ہونے لگے، ان سب باتوں کی رعایت امام کے لئے نہایت ضروری ہے، ہاں! تنہا پڑھنا ہو، فرض ہو یا نفل، تو جتنا چاہے طول دے۔

١ - عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا صلّىٰ احدكم للناس فليخفف فان فيهم الضعيف والسقيم والكبير واذا صلّىٰ احدكم لنفسهٖ فليطول ماشاء

(بخاری ج ۱ ص ۹۷، مسلم ج ۱ ص ۱۸۸)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے، کیوں کہ مقتدیوں میں کمزور بھی ہوں گے، بیمار بھی اور بوڑھے بھی۔ البتہ اگر تنہا پڑھے تو جتنا چاہے طول دے۔

٢ - عن ابی مسعود ان رجلاً قال واللهِ يارسول انی لاتأخر عن صلوٰة الغداة من أجل فلان مما يطيل بنا فمارأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فی موعظة أشد غضباً منهم يومئذ ثم قال ان منكم منفرين فأيكم ماصلى بالناس فليخفف فان فيهم الضعيف والكبير وذاالحاجة

(حوالۂ مذکورہ)

ابومسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میں صبح کی نماز میں فلاں کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں، وہ نماز بہت لمبی کردیتا ہے۔ ابومسعودؓ کہتے ہیں کہ اس شخص کی یہ بات سن کر حضورؐ اتنے غصے ہوئے کہ وعظ ونصیحت کے موقع پر میں نے کبھی آپؐ کو اتنا غضبناک نہیں دیکھا تھا، پھر آپؐ نے فرمایا تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسرے

لوگوں کونماز سے متنفر کرتے ہیں، سن لو! جودوسروں کونماز پڑھائے وہ ہلکی نماز پڑھائے، کیوں کہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے ضرورت والے سبھی طرح کے لوگ ہوں گے۔

عن أنس بن مالک قال ماصليت وراء الامام قط أخف ولا أتم من النبی صلی الله عليه وسلم .
(حوالۂ مذکورہ)

انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی مگر مکمل نماز کسی امام کے پیچھے کبھی نہیں پڑھی۔

۴-عثمان ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ

اذا امَّمْت قوما فاخف بهم الصلوة
(مسلم ج۱ص۱۸۸)

جب تم لوگوں کی امامت کروتو انھیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔

۵-عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف کا حکم دیتے تھے
(نسائی ج۱ص۱۳۲)

جو چیزیں نماز کی تمامیت کے قبیل سے ہیں، ظاہر ہے کہ انھیں امام ادا کرے گا ہی، اس میں تخفیف کی کہاں گنجائش، ہاں! جو چیزیں اس قبیل سے نہیں، اس میں تخفیف کی گنجائش ہے۔قومہ، جلسہ وغیرہ کی مخصوص دعاؤں کا یہی حال ہے کہ اُن پر نماز کی تمامیت اور اُکملیت منحصر نہیں، بلکہ اس سے نماز لمبی ہوجاتی ہے جس سے مقتدیوں کودشواریاں ہوتی ہیں، لہٰذا تنہا پڑھنے والا اگر چاہے تو اِن دعاؤں کو پڑھے خواہ فرض پڑھتا ہو یا نفل، لیکن امام نہ پڑھے۔

البتہ اگر کوئی امام اپنے مقتدیوں کا حال جانتا ہو کہ وہ لمبی نماز کو ہی پسند کرتے ہیں

اور انھیں کوئی اکتاہٹ یا گھبراہٹ نہیں ہوتی، اور مقتدیوں میں کوئی بیمار، کمزور یا باہر کا آدمی بھی شریک نہیں۔ اس صورت میں امام ان دعاؤں کو پڑھ سکتا ہے۔ اور ان میں سے کوئی بھی شخص ہو تو مقتدیوں کے حالات کی رعایت بہرحال امام پر لازم ہے۔ وہ فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کا خیال کر کے نماز ضرور پڑھائے مگر مستحبات کی رعایت اس قدر نہ کرنے لگے کہ لوگوں کو نماز، یا جماعت سے ہی متنفر کر دے۔

(الکوکب الدری ج۱ص۱۳۳، فتح الملہم ج۲ص۳۸)

## نماز میں آیتوں کا جواب

اگر امام، نماز میں کوئی ایسی سورت یا آیت پڑھے جس کا مضمون استفسار وسوال کا ہو، اُن آیات کا جواب، نماز میں نہ امام دے گا نہ مقتدی، بلکہ خاموشی سے امام کی قرأت سنتا رہے، ہاں! اگر نماز کے باہر تلاوت کرے یا کسی کی تلاوت کو سنے اور اس طرح کی آیات گزریں اور ان کا معنیٰ ومفہوم سمجھے تو اُن کا جواب دینا چاہئے، اور جواب کیسے دے اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پڑھے اور یہاں تک پہنچے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِأَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ. کیا اللہ تعالیٰ حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں؟

تو یوں کہے

بَلیٰ وَأَنَا ذالکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ کیوں نہیں، اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں

اور جو لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ پڑھے اور یہاں تک پہنچے

اَلَیْسَ ذالک بِقَادِرٍ عَلیٰ اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتیٰ. کیا اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ، کردے؟

تو کہے

بَلیٰ کیوں نہیں، بلاشبہہ قادر ہے۔

اور جو وَالمُرسَلات پڑھے اور یہاں تک پہنچے۔

فبِأیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤمِنُوْنَ. پھر کس بات پر، اس کے بعد وہ ایمان لائیں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ ج ا ص ۸۱)

تو کہے: اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ہم اللہ پر ایمان لائے۔

اس حدیث میں کہیں پر یہ نہیں بیان کیا گیا کہ جب یہ آیتیں نماز میں گذریں تو ان کا مذکورہ طریقہ سے جواب دیا جائے، بلکہ ان کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ خارج نماز تلاوت وغیرہ میں ان آیتوں کے آنے پر جواب دیا جائے اور یہ کیسے نہ ہو جب کہ نماز میں آیتوں کا جواب دینے پر نماز میں ضرورت سے زیادہ تطویل ہوگی اور ان احادیثِ کریمہ کی مخالفت لازم آئے گی جن میں امام پر لازم کردیا گیا کہ وہ کمزور وضعیف اور حاجت والے مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے نماز پڑھائے اور مقتدیوں کے لئے گرانی کا سبب نہ بنے، کیوں کہ جب آیات کا جواب دینے کی باری آئے گی تو امام جواب دیئے بغیر آگے قرأت شروع نہ کرسکے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز لمبی ہوگی اور مقتدیوں کو دشواری لاحق ہوگی اس کے علاوہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کو ضعیف بھی قرار دیا ہے۔

عن جابر قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم علیٰ صحابه فقرأ علیهم سورة رحمٰن من اولها الیٰ اٰخرها فسکتوا فقال لقد

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کے سامنے تشریف لائے، پس انھیں سورۂ رحمٰن اول سے آخر تک سنائی، صحابۂ کرامؓ خاموش

فرأتها علىٰ الجن ليلة الجن فكانوا احسن مردودا منكم كنت كلما اتيت علىٰ قوله فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ قالوا لابشيء من نعمک ربنا نكذب فلک الحمد.

رہے۔آپؐ نے فرمایا میں نے یہ سورہ لیلۃ الجن میں جنّات کو سنائی تھی، وہ لوگ جواب دینے میں تم سے زیادہ اچھے تھے، میں جب جب فَبِاَیِّ آلاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ (۱) پر آتا تو وہ لوگ کہتے لابشیء من نعمک ربنا نكذب فلک الحمد.
''نہیں اے ہمارے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلائیں گے، پس تیرے ہی لئے ساری تعریفیں ہیں۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خارج نماز، سورۂ رحمٰن پڑھنا اور فَبِاَیِّ آلاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ پر جواب چاہنا، صاف ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسی انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو بھی سورۂ رحمٰن پڑھ کر سنائی تھی اور انھوں نے جواب دیا تھا۔ (دیکھئے الکوکب الدری ص ۱۳۲، مرقات المفاتیح ج ۱ ص ۵۳۶)

## نماز پڑھ چکا ہے، اور وہی جماعت ہو رہی ہے؟

اگر کوئی شخص نماز پڑھ چکا ہو اور کسی ایسی جگہ پہنچا جہاں وہی نماز، باجماعت ہو رہی ہو، تو اُسے اس جماعت میں نفل کی نیت سے شامل ہو جانا چاہئے۔

جابر بن یزید اپنے والد حضرت یزید بن اسودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، وہ ابھی نوجوان لڑکے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو آپ نے دیکھا کہ مسجد کے گوشے میں دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں، انھوں نے نماز نہیں پڑھی ہے، آپؐ نے ان دونوں کو بلوایا، وہ

(۱) ترجمہ: اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دونوں خوف سے کانپتے ہوئے آئے، آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مامنعکما ان تصلیا معنا — تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا؟

کہنے لگے "ہم دونوں اپنی جائے قیام پر نماز پڑھ کر آئے ہیں" آپؐ نے فرمایا:

لاتفعلوا اذا صلی أحدکم فی رحله ثم أدرک الامام ولم یصل فلیصل معه فانها نافلة. (ابوداؤد ۱/۲۵۲)

ایسا نہ کرو، جب تم میں سے کوئی اپنی جگہ پر نماز پڑھ چکا ہو، پھر امام کو پائے کہ اس نے نماز نہیں پڑھی، تو امام کے ساتھ نماز پڑھ لے، یہ نماز اس کے لئے نفل ہوجائے گی۔

لیکن معاملہ اگر فجر، مغرب اور عصر کا ہو تو جماعت میں شامل نہیں ہونا ہے، کیوں کہ کسی بھی نفل کی تین رکعت نہیں ہے، اس لئے مغرب میں نفل کی نیت سے شامل نہیں ہوسکتا، اور فجر اور عصر کے بعد چونکہ نفل جائز نہیں ہے، اس لئے اِن دونوں میں بھی شامل نہیں ہوسکتا۔

عن نافع أن عبدالله بن عمر رضی الله عنه کان یقول من صلی المغرب او الصبح ثم ادرکهما مع الامام فلایعد هما.

نافعؒ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ جس نے مغرب یا صبح کی نماز پڑھ لی، پھر ان دونوں کو امام کے ساتھ پایا تو دوبارہ نہ پڑھے۔

(مؤطا امام مالک ص ۴۷، اعلاء السنن ۴/۳۰۷)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاصلوٰة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوٰة بعدالعصر حتی تغیب الشمس.

(بخاری ۱/۸۲، مسلم ۱/۲۷۵)

فجر کے بعد کوئی نماز نہیں، یہاں تک کہ سورج بلند ہوجائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں، یہاں تک کہ سورج غائب ہوجائے۔

☆☆☆

# مصادر ومراجع

## قرآنِ مجید

## تفسیر واصولِ تفسیر


| | |
|---|---|
| تفسیر ابن کثیر | علامہ اسماعیل بن عمر ابن کثیرؒ |
| تفسیر روح المعانی | علامہ شہاب الدین محمود آلوسیؒ |
| تفسیر کبیر | امام فخر الدین رازیؒ |
| تفسیر جلالین | علامہ جلال الدین سیوطی |
| | علامہ جلال الدین محلی |
| تفسیر ابوسعود | علامہ ابوسعودؒ |
| الاتقان فی علوم القرآن | علامہ جلال سیوطیؒ |


## کتب حدیث


| | |
|---|---|
| صحیح بخاری | امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ |
| صحیح مسلم | امام مسلم ابن حجاج نیشاپوریؒ |
| جامع ترمذی | امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ |
| جامع ابوداؤد | امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانیؒ |
| سنن ابن ماجہ | ابوعبداللہ بن ماجہ قزوینیؒ |
| سنن نسائی | احمد بن شعیب نسائیؒ |
| مؤطا امام مالک | امام مالک بن انسؒ |
| مؤطا امام محمد | امام محمد بن حسن شیبانیؒ |
| مسند احمد بن حنبل | امام احمد بن حنبلؒ |
| مستدرک علی الصحیحین | حافظ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوریؒ |
| مسند امام اعظمؒ | امام اعظم ابوحنیفہؒ |

| | |
|---|---|
| سنن بیہقی | ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ |
| شرح معانی الآثار (طحاوی شریف) | امام ابوجعفر احمد بن محمد سلام بن سلمہ طحاویؒ |
| مسند دارمی | عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمیؒ |
| آثارِ امام ابویوسف | امام ابویوسفؒ |
| آثارِ امام محمد | امام محمدؒ |
| مسند حمیدی | ابوبکر عبداللہ بن الزبیر حمیدی |
| مصنف عبدالرزاق | ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیریؒ |
| مصنف ابن ابی شیبہ | ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہؒ |
| صحیح ابن خزیمہ | ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوریؒ |
| کنز العمال | علی بن عمر دار قطنیؒ |
| بلوغ المرام من ادلتہ الاحکام | علامہ ابن حجر عسقلانیؒ |
| مشکوٰۃ المصابیح | محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ |
| مجمع الزوائد | حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمیؒ |
| آثار السنن مع التعلیق | علامہ محمد بن علی نیمویؒ |
| اعلاء السنن | مولانا ظفر احمد تھانویؒ<br>افادات: مولانا اشرف علی تھانویؒ |
| المعجم الاوسط | ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانیؒ |
| المعجم الکبیر | ″ ″ ″ ″ ″ |
| قیام اللیل | محمد بن نصر مروزیؒ |
| مراسیل ابوداؤد | امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانیؒ |
| شمائل ترمذی | امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ |
| معالم السنن | علامہ خطابیؒ |
| صحیح ابن عوانہ | یعقوب ابن اسحاق بن ابراہیم بن یزید اسفرائنی |
| صحیح ابن حبان | ابوحاتم محمد بن حبّانؒ |
| فتح المنان بمذہب النعمان | شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ |

| | |
|---|---|
| سنن سعید بن منصور | سعید بن منصورؒ |

## شروحِ حدیث

| | |
|---|---|
| فتح الباری شرح بخاری | علامہ حافظ احمد ابن علی بن حجر عسقلانیؒ |
| عمدۃ القاری، شرح بخاری | علامہ بدر الدین عینیؒ |
| نووی، شرح مسلم | ابوزکریا یحییٰ بن شرف نوویؒ |
| بذل المجہود، شرح ابی داؤد | مولانا خلیل احمد سہارن پوری |
| فتح الملہم، شرح مسلم | علامہ شبیر احمد عثمانیؒ |
| تحفۃ الأحوذی، شرح ترمذی | مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ |
| فیض الباری شرح بخاری | علامہ انور شاہ کشمیریؒ |
| امانی الأحبار شرح معانی الآثار | مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ |
| اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ | مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ |
| ہدی الساری مقدمہ فتح الباری | علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ |
| معارف السنن شرح ترمذی | مولانا محمد یوسف بنوریؒ |
| ارشاد الساری | علامہ شہاب الدین قسطلانیؒ |
| مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح | ملا علی بن سلطان بن محمد ہروی القاریؒ |
| الکوکب الدری | افادات مولانا رشید احمد گنگوہیؒ |
| معارف مدنیہ شرح ترمذی | افادات مولانا حسین احمد مدنیؒ |
| الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی | علامہ ابن الترکمانیؒ |
| ہامش اللامع الدراری | افادات مولانا رشید احمد گنگوہیؒ |
| حاشیہ بخاری | مولانا احمد علی سہارنپوریؒ |
| نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ | جمال الدین یوسف زیلعیؒ |
| العرف الشذی | افادات علامہ انور شاہ کشمیریؒ |
| نیل الأوطار | علامہ شوکانیؒ |
| التلخیص الحبیر | علامہ ابن حجر عسقلانیؒ |

## سیرت، تذکرہ، تاریخ

| | |
|---|---|
| تہذیب التہذیب | حافظ ابن حجر عسقلانیؒ |
| میزان الاعتدال | ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبیؒ |
| الاستیعاب علیٰ ہامش الاصابۃ | علامہ ابن عبدالبر |
| زاد المعاد | علامہ ابن قیمؒ |
| تذکرۃ الحفاظ | ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبیؒ |

## فقہ وفتاویٰ

| | |
|---|---|
| المدونۃ الکبریٰ | امام مالک بن انسؒ |
| کتاب الام | امام شافعیؒ |
| مبسوط | امام سرخسیؒ |
| بدائع الصنائع | امام علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانیؒ |
| بدایۃ المجتہد | علامہ ابن رشد اندلسیؒ |
| ہدایہ اولین | علامہ برہان الدین مرغینانیؒ |
| المحلیٰ | ابن حزم اندلسیؒ |
| فتاویٰ قاضی خاں | فخر الدین حسن بن منصور اوزجندیؒ |
| فتح القدیر شرح ہدایہ | امام کمال الدین بن ہمامؒ |
| المغنی | ابن قدامہ مقدسیؒ |
| مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہؒ | علامہ ابن تیمیہؒ |
| اعلام الموقعین | علامہ ابن قیم جوزیؒ |
| المبدع فی شرح المقنع | برہان الدین بن ابراہیم بن محمدؒ |
| مصابیح | امام سیوطیؒ |
| کنز الدقائق | ابوالبرکات عبداللہ نسفیؒ |
| البحر الرائق | زین الدین ابن نجیمؒ |

| | |
|---|---|
| درمختار | علامہ محمد بن علاء الدین حصکفیؒ |
| ردالمحتار | علامہ ابن عابدین شامیؒ |
| کبیری | علامہ محمد بن محمد کبیریؒ |
| مراقی الفلاح | حسن بن عمار شرنبلالیؒ |
| طحطاوی | ابو جعفر احمد بن محمد طحطاویؒ |
| فتاویٰ عالمگیری | مرتبین: ہندوستان کے علماء کی ایک جماعت بحکم شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ |
| حاشیہ کنزالدقائق | مولانا محمد احسن نانوتویؒ |
| سعایہ | مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ |
| نقایہ | عبیداللہ بن مسعودؒ |
| عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ | مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ |
| فتاویٰ رشیدیہ | مولانا رشید احمد گنگوہی |
| امدادالاحکام | مولانا اشرف علی تھانویؒ |
| تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ الابرار | مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ |
| فتاویٰ رحیمیہ | مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ |

## عقائد وکلام، اَسرار وحِکم

| | |
|---|---|
| احیاء علوم الدین | امام محمد بن محمد غزالیؒ |
| شرح احیاء علوم الدین | للعلامہ الزبیدی |
| اتحاف شرح الاحیاء | |
| حجۃ اللہ البالغہ | شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ |
| المیزان الکبریٰ | شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ |
| کشف الغمہ | " |
| شرح عقائد نسفیؒ | علامہ سعدالدین تفتازانیؒ |
| نبراس شرح العقائد | علامہ محمد بن عبدالعزیز الفرہاری |

| | |
|---|---|
| شرح سفر السعادة | شیخ مجد الدین فیروز آبادیؒ |
| مجالس الابرار | شیخ احمد رومیؒ |
| تصفیۃ العقائد | مولانا محمد قاسم نانوتویؒ |
| الحق الصریح | مولانا رشید احمد گنگوہی |
| جلب المنفعۃ فی الذب عن الأئمۃ الاربعۃ | مولانا نواب صدیق حسن خانؒ |
| رکعات تراویح مع مذیل | مولانا حبیب الرحمٰن محدث الاعظمیؒ |
| اختلاف امت اور صراط مستقیم | مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ |
| التراویح اکثر فی الف عام | شیخ عطیہ سالم مدنیہ منورہ |

## کتب علماءِ اہلِ حدیث

| | |
|---|---|
| فتاویٰ ثنائیہ | مرتب: مولانا داؤد رازؒ |
| فتاویٰ علماءِ اہل حدیث | |
| فتاویٰ نذیریہ | مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ |
| اہل حدیث کا مذہب | مولانا ثناء اللہ امرت سریؒ |
| تحقیق الکلام | مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوریؒ |
| سبل السلام شرح بلوغ المرام | علامہ محمد بن اسماعیل امیرؒ |
| صلوٰۃ الرسول | حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ |
| ضمیمہ رکعات التراویح | حافظ عبداللہؒ |
| صلوٰۃ النبیؐ | مطبوعہ الدار السلفیہ ممبئی |
| حدیثِ نماز | |
| حدیثِ خیر و شر | مولانا جونا گڈھیؒ |
| ننگے سر نماز پڑھنا | سید محب اللہ شاہ ارشدیؒ |

## تصانیف: مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ

# مسئلۂ ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب کے معنیٰ ومفہوم کی تشریح، جائز وناجائز صورتوں کی تفصیل، مُردہ کے لئے تلاوتِ قرآن، مُردہ کے لئے صدقہ وخیرات، مردہ کی قربانی، مردہ کا حجِ بدل، زندہ کے لئے ایصالِ ثواب، مرنے کے بعد انقطاعِ عمل کا مسئلہ، نیکی دوسرے کی طرف سے کی جاسکتی ہے، برائی کیوں نہیں؟ ایصالِ ثواب کا منکر کون؟ ایصال ثواب سے کون سا گناہ معاف ہوتا ہے؟، ایصالِ ثواب کی بنیاد کیا ہے؟ منکرینِ ایصالِ ثواب کے اشکالات کے جوابات، حضورؐ کے لئے قربانی اور ایصالِ ثواب، نابالغ کے لئے ایصالِ ثواب، مُردہ کی نذر اور وصیت پوری کرنے کا مسئلہ، زیارتِ قبور اور ایصالِ ثواب، فاتحۂ مروّجہ۔

اِن سارے مسائل پر سیر حاصل گفتگو، ایصال ثواب کے موضوع پر ایک مکمل ومدلّل کتاب، جو غالباً اس مسئلہ پر اردو زبان میں اتنے مفصل انداز میں پہلی کتاب ہے۔ جس سے مسئلہ کے سارے گوشے نمایاں ہوجاتے ہیں اور ایصالِ ثواب کا ہر پہلو سامنے آجاتا ہے۔

بہت ہی اہم علمی اور لائقِ مطالعہ کتاب، تازہ ایڈیشن بہت سے اضافوں کے ساتھ، اعلیٰ کتابت وطباعت، خوبصورت ٹائیٹل۔ قیمت -/۷۵

# مصافحہ کا مسنون طریقہ

مصافحہ کا معنیٰ اور مفہوم، مصافحہ کا اجر وثواب، مصافحہ کا مسنون طریقہ، دو ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت، ایک ہاتھ سے مصافحہ کے کمزور دلائل، کتاب وسنت اور اقوالِ سلف وطریقۂ سلف کی روشنی میں مصافحہ کے موضوع پر ایک قابل مطالعہ کتاب۔ قیمت -/۳۵

# اسلامی اصطلاحوں اور قرآن پر بے جا اعتراضات

اسلامی اصطلاحوں ایمان وکفر، مشرک وکافر، جہاد، جزیہ اور دارالاسلام ودارالحرب کی صحیح تشریح، مشرکین کے نجس ہونے کا مطلب، قرآن مجید کی بعض آیات پر فرقہ پرستوں کے اعتراضات کے جوابات۔

دہشت پسندی، دہشت گردی، بنیاد پرستی اور بنیاد پسندی جیسے اہم موضوعات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ۔ ہوا کے رخ پر چلنے کے بجائے حقائق تک پہنچنے کی کوشش۔ اسلام اور مسلمانوں کی امن پسندی اور کرم گستری کے ناقابلِ تردید دلائل۔ حالات کے موجودہ تناظر میں عالمی ومقامی سطح پر اٹھنے والے بہت سے اشکالات کے تشفی بخش جوابات۔

اسلام کی حقانیت اور اس کی بلند تعلیمات کو آئینہ کی طرح مجلّیٰ کر دینے اور دل کے تاروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والی کتاب۔ قیمت -/۳۵

# موجودہ مشکل حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

اِس کتاب کے اہم عنوانات یہ ہیں:

قوموں کی بربادی کے اسباب ❁ اسبابِ زوالِ مسلم ❁ ایمان کے تقاضے ❁ راہِ مستقیم ❁ اہلِ ایمان کی آزمائش ❁ مسلمانوں کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ ❁ تعمیرِ ملت کی تین بنیادیں ❁ قول نہیں عمل ❁ انسان - زندگی اور تمناؤں کے بیچ ❁ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے ❁ حالات کیا کہہ رہے ہیں مسلمانوں سے ❁ روشن مستقبل کی طرف ❁

یہ کتاب موجودہ مشکل حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں یاد دلاتی ہے اور اپنے نام کی معنویت برقرار رکھتے ہوئے صحیح راہِ عمل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

حالات کی کشمکش کے موجودہ تناظر میں بے حد مفید کتاب قیمت -/۴۰

# أساليب الخطابة

(عربی تقریر کے اصول)

مختلف عنوانات پرعربی زبان میں پُرجوش وپُرمغزتقریریں، جلسہ کے پروگراموں کی عربی اصطلاحیں، عربی میں اناؤنسری کا طریقہ اور الفاظ وجملے، عربی زبان میں خطبۂ صدارت، خطبۂ استقبالیہ، تعزیتی تقریر، طلبہ کی انجمن میں تقریر، عربی زبان میں جلسوں کی رپورٹ تیار کرنے کا طریقہ، عربی کے مشکل الفاظ کا اردو ترجمہ، غرضیکہ عربی زبان میں تقریر وخطابت کے متعلق مفصل ومکمل معلومات کا خزانہ۔ قیمت -/۴۰

# طلبۂ مدارس دینیہ کی رہنمائی

یہ کتاب مصنف کی ان تقریروں کا مجموعہ ہے جوانھوں نے طلبۂ عزیز کو خطاب کرتے ہوئے سال کے مختلف حصوں میں کی ہیں، مثلاً ابتدائے سال میں آغازِ تعلیم کے وقت، طلبہ کی انجمن کے افتتاحی پروگرام میں، دورانِ تعلیم درمیان سال میں اور سال کے آخر میں الوداعی تقریر، اوراس کے علاوہ بھی بہت سے مفید مضامین۔

اس کتاب میں طلبۂ مدارسِ اسلامیہ کو ان کی ذمہ داریاں یاددلائی گئی ہیں، ان کے مقصدِ تعلیم کو واضح طور پر پیش کر کے انھیں جدوجہد پر ابھارا گیا ہے، انھیں راہِ عمل بتائی گئی ہے، اور سفر وحضر اور مطالعہ ومذاکرہ کے طریقہ کے سلسلے میں مفید اور کارآمد مشورے دیئے گئے ہیں، ہر طالب علم کو ہمیشہ کام آنے والی کتاب، اور اُن اساتذہ کے لئے بھی جو طلبۂ عزیز کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں، اُن کے مستقبل کو روشن دیکھنا چاہتے ہیں۔

کتابت وطباعت عمدہ صفحات ۹۶ قیمت -/۳۵

# اہلِ حدیث - چند حقائق

غیر مقلدین کا نام اہل حدیث؟ اصحاب رائے اور اہل حدیث کی اصطلاحیں، فقیہ بڑا ہوتا ہے یا محدث؟ کیا احادیث صحیحہ صرف صحاح ستہ ہی میں ہیں؟ کیا اہلِ حدیث صرف قوی حدیث پر عمل کرتے ہیں؟ امام بخاریؒ وغیرہ تقریباً سارے بڑے بڑے محدثین امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ **اس کے علاوہ**

مولانا امرت سریؒ کا ایک علمی سوال اور اس کا جواب، ترکِ تقلید کے خوفناک نتائج، مسلکِ اہلِ حدیث کی ضعیف وموضوع روایتیں، صحاح ستہ کی احادیث سے اعراض، قیاس ورائے سے استدلال، غیر مقلدین کے اپنے وضع کردہ اصول ''حدیثِ صحیح مرفوع متصل غیر منسوخ وغیر معارض، جس پر کسی قسم کی کوئی جرح نہ کی گئی ہو'' سے اپنا مخصوص مسلک ثابت کرنے پر بیش قیمت انعام حاصل کرنے کا سنہرا موقع۔

تفصیلات کے لئے ''اہلِ حدیث - چند حقائق'' کا مطالعہ کیجئے۔ قیمت -/۷۵

# اہلِ حدیث اور تقلید وفرقہ بندی

فرقہ بندی کیا ہے؟ فرقے کیسے وجود میں آتے ہیں؟ کیا ائمہ مجتہدین کا اختلاف اور تقلیدِ ائمہ، فرقہ بندی ہے؟ مسلک اہلِ حدیث میں تقلید کی مثالیں، ائمہ اربعہ کا مقلد اچھا ہے یا اہلِ حدیث علماء کا؟ مقلد کو دلیل کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ قیمت -/۳۰

مکتبہ صداقت، نوادہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی ۲۷۶۴۰۴

## ''اپنے موضوع ومقصد میں مکمل اور کامیاب''

### کتاب پر ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کا تبصرہ

''عام علماء دین، بالخصوص حنفی مکتبِ فکر سے متعلق علماء کی طرف سے مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری فاضل دیوبند مستحق صد شکر ہیں کہ انہوں نے یہ کتاب مرتب کر کے حضرات علماء کے سر سے ایک بہت بڑے قرض کو چکا دیا ہے۔

**ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند**

حقیقت یہ ہے کہ کتاب اپنے موضوع ومقصد میں مکمل اور کامیاب ہے، ضرورت ہے کہ اس مجموعۂ خوبی کو گھر گھر پہنچایا جائے، حضرات ائمہ اپنی اپنی مسجدوں میں اسے پڑھ کر سنائیں، اور مدارس ومکاتب کی کوئی بھی لائبریری اس سے خالی نہ رہے۔''

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، جون ۸۸ء ص ۴۸)